
ماہنامہ
حنا
نومبر 2020
PAKISTANIPOINT
WWW.PAKISTANIPOINT.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامیات

انشا نامہ

سلسلے وار ناول

ناولٹ

مکمل ناول





سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماھنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com



قارئین کرام! نومبر 2020ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

خواب کتنے ہی دلکش کیوں نہ ہوں جب سفاک حقیقتیں سامنے آتی ہیں تو ان کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ عظمت کے دعوے کرنا بہت آسان ہے لیکن حقیقی عظمت صرف ان ہی کو ملتی ہے جو اہلیت اور صلاحیت رکھتے ہیں، جو محنت، کوشش اور جہد مسلسل پر یقین رکھتے ہیں، کسی بھی چیز پر تنقید بہت سہل ہے کسی کی خامیوں اور کمی کی نشان دہی بہت آسان کام ہے لیکن اس کو سنوارنا، اس کمی، خامی کو دور کرنا نہ آسان ہے اور نہ ہی فوری طور پر ممکن ہو سکتا ہے۔

فریب کارانہ بازی گری اور محض لفاظی سے حالات کی پردہ پوشی ممکن نہیں، بھوکے پیٹ کو الفاظ کی کرشمہ سازی سے نہیں بہلایا جا سکتا، تبدیلی قدرت کا اٹل قانون ہے، ہر لمحہ، ہر آن دنیا آگے بڑھ رہی ہے لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ بہتر سال گزر جانے کے باوجود ہمارے حالات نہیں بدل سکے ہیں، آگے بڑھنا تو درکنار ہم تو جہاں تھے وہاں بھی نہیں ہیں، بے یقینی، بے اعتمادی اور انتشار کا عمل بڑھتا جا رہا ہے۔

اس صورت حال میں جو چیز سب سے زیادہ مایوس کن ہے وہ یہ ہے کہ اہل اقتدار کو نہ ان ہمہ جہت بحرانوں کا شعور ہے اور نہ ہی اب تک کوئی واضح حکمت عملی سامنے آئی ہے، توجہ طلب امور بے شمار ہیں لیکن کار بے کار پر ساری توجہ صرف کی جا رہی ہے، کار بے کار پر توجہ مبذول کرانے کی یہ مشقت وقتی طور پر کامیاب ہو سکتی ہے لیکن اس کے دیرپا اثرات ممکن نہیں، جلد یا بدیر حالات کو بدلنے کے لیے سنجیدہ کوشش کرنا ہو گی، موجودہ حالات میں بہتر یہی ہے کہ حقیقت کو تسلیم کریں، سچ سوچیں، سچ بولیں اور سچائی کی حوصلہ افزائی کریں۔

اس شمارے میں:۔ علینہ قریشی، تحسین اختر اور فوزیہ سرور کے مکمل ناول، ندا حسنین اور نائلہ بھٹی کے ناولٹ، زارا ہجر اور اقراء الیاس کے افسانے، ام مریم اور سدرۃ المنتہیٰ کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود





ہم نے اس قوت موہوم کو دیکھا نہ سنا
ہم نے اس گوہر نادیدہ کو پرکھا نہ چنا

اک سواری کہ شناسانہ تھی گھر پر اتری
اک تجلی تھی کہ تہذیب نظر پر اتری

جلوے دیکھے جو کبھی شامل ایماں بھی نہ تھے
اور ہم ایسے تن آساں تھے کہ حیران بھی نہ تھے

دل کی آغوش میں اک نور دہمکتا آیا
ایک لمحہ کئی صدیوں پہ چمکتا آیا

وہم و تشکیک سے الہام شعاری نہ رکی
شب سے شہزادہ خاور کی سواری نہ رکی

پتھروں کے صدف تیرہ سے ہیرے ابھرے
بے کراں موج سے جزیرے ابھرے

مصطفیٰ زیدی





اسلام کو دنیا میں ملی شان تمہی سے
بندے کو خدا کی ملی پہچان تمہی سے

آیا جو کبھی زیست میں دشوار سا لمحہ
مشکل ہوئی اک آن میں آسان تمہی سے

دھرتی پہ جہاں بھی ہیں کہیں اولیا اللہ
یزداں کا ملا ہے انہیں عرفان تمہی سے

ہر پھول کے چہرے پہ ترے حسن کا جلوہ
کلیوں کو ملی نکہت و مسکان تمہی سے

اس جگہ میں جہاں یاس کے چھائے ہیں اندھیرے
جینے کا ملا ہے وہاں سامان تمہی سے

میں اور وفا کا کوئی مفہوم نہ جانوں
وابستہ رہے دیں میرا ایمان تمہی سے

گلہائے عقیدت جو نذر کرتا ہے اعجاز
اس صنف میں اس کو ملا فیضان تمہی سے

بشیر اعجاز

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

قرض اچھے طریقے سے ادا کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"تم میں سے زیادہ بہتر لوگ وہ ہیں جو قرض اچھے طریقے سے ادا کرتے ہیں۔"

دعا

حضرت عبداللہ بن ابو ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے غزوہ حنین کے موقع پر تیس ہزار یا چالیس ہزار قرض لیا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (غزوہ سے واپس) تشریف لائے تو انہیں قرض ادا کر دیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"اللہ تیرے گھر بار میں اور تیرے مال میں برکت عطا فرمائے، ادھار کا بدلہ (قرض کی ادائیگی اور شکریہ ادا کرنا ہے۔"

فوائد و مسائل:۔

ضرورت کے وقت قرض لینا جائز ہے، اچھے طریقے سے ادائیگی کا مطلب یہ ہے کہ بروقت ادائیگی کی جائے۔

جیسی چیز لی ہو، اس سے بہتر ادا کرنا بھی حسن اخلاق میں شامل ہے، لیکن اگر یہ پہلے سے طے ہو اور قرض خواہ اس کا مطالبہ کرے تو یہ سود ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

قرض ادا کرتے وقت قرض خواہ کو دعائیں دینا اور اس کا شکریہ ادا کرنا بھی اچھے طریقے سے ادائیگی میں شامل ہے۔

قرض خواہ کو (سخت بات کہنے کا حق ہے)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرض واپس مانگنے آیا، یا کسی اور مالی حق کا مطالبہ کرنے آیا، اس نے کچھ (نامناسب) الفاظ کہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تادیب کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"رک جاؤ، قرض والے کو اپنے ساتھی (مقروض) پر اختیار ہوتا ہے، جب تک وہ ادائیگی نہ کردے۔"

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا ایک بدو (اعرابی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے کسی قرض کا تقاضا کرنے آیا جو آپ کے ذمے تھا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سخت لہجے میں بات کی، حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا، اگر آپ ادا نہیں کریں گے تو میں آپ کے ساتھ سخت رویہ اختیار کروں گا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ڈانٹا اور کہا۔

"تجھ پہ افسوس! کیا تجھے معلوم نہیں تو کس سے مخاطب ہے؟"

اس نے کہا۔

"میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
""تم نے حق والے کا ساتھ کیوں نہ دیا؟""
پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پیغام بھیجا۔
""اگر تمہارے پاس کھجوریں ہیں تو ہمیں قرض دے دو، ہماری کھجوریں آئیں گی تو ہم تمہارا قرض ادا کر دیں گے۔""
انہوں نے کہا۔
""میرے ماں باپ آپ پر قربان، اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حکم کی تعمیل کروں گی۔""
انہوں نے آپ کو (کھجوریں) قرض دے دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعرابی کا قرض ادا کیا اور اسے کھانا کھلایا۔
اس نے کہا۔
""آپ نے مجھے پورا حق دے دیا، اللہ آپ کو پورا دے۔"" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
""ایسے لوگ بہترین ہوتے ہیں، وہ قوم پاک نہیں ہوتی، جس میں کمزور کو پریشان کیے بغیر اس کا حق نہ دیا جائے۔""
فوائد و مسائل:۔
قرض خواہ کو سختی کا حق حاصل ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ تقاضا کرنے میں بھی نرمی کی جائے اور مقروض کو مناسب مہلت دے دی جائے۔
جاہلوں کے غلط رویے کا جواب سختی سے نہ دیا جائے بلکہ برداشت کیا جائے۔
حق دار کو اس کا حق اور قرض خواہ کو اس کا قرض بن مانگے ادا کرنا چاہیے، یہ انتظار نہ کیا جائے کہ وہ جب مانگے گا تب دے دیں گے۔

قرض (کی عدم ادائیگی) کی وجہ سے قید کرنا اور ساتھ رہنا

حضرت عمرو بن شرید رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
""ادائیگی کی طاقت رکھنے والا ٹال مٹول کرے تو اس کی بے عزتی کرنا اور اسے سزا دینا جائز ہو جاتا ہے۔""
(امام ابن ماجہ رحمتہ اللہ کے استاد) علی بن محمد طنافسی رحمتہ اللہ نے فرمایا۔
بے عزتی کرنے سے مراد اس کی شکایت کرنا اور سزا سے مراد قید کرنا ہے۔
فوائد و مسائل:۔
قرض بروقت ادا کرنا ضروری ہے، معقول عذر کے بغیر تاخیر جائز نہیں۔
اگر مقروض وقت پر قرض ادا نہ کرے تو اس کے خلاف حکمران یا قاضی سے شکایت کی جا سکتی ہے، حاکم اور قاضی کا فرض ہے کہ حق دار کو اس کا حق دلوائیں۔
اگر مقروض واقعی قرض ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اسے مزید مہلت دی جائے یا قرض معاف کر دیا جائے یا بیت المال سے اس کی مدد کی جائے، بیت المال کا نظام موجود نہ ہونے کی صورت میں دوسرے لوگوں کا فرض ہے کہ زکوۃ صدقات کے ذریعے سے اس کی مدد کریں۔
جن جرائم میں حد نہیں ان میں مجرم کو تعزیر کے طور پر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔

مقروض

حضرت ہرماس بن حبیب رحمتہ اللہ اپنے والد (حضرت حبیب بن ثعلبہ) سے اور وہ ہرماس کے دادا (حضرت ثعلبہ تمیمی عنبری رضی اللہ

قصہ اک سائنسدان کا

ابن انشاء

ابھی میں نے لیکچر ختم کیا ہی تھا کہ وہ لپک کر میرے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ میں پنسل اور کھلی ہوئی نوٹ بک تھی، اس نے کہا۔

''معاف فرمایئے، آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ آج آپ نے جو تقریر کی ہے، اس میں اہم نکتے کیا کیا تھے، دراصل میں ابھی ابھی پہنچا ہوں جب آپ تقریر ختم کر کے میزبانوں کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔''

''کیا بات ہے، آپ کو آنے میں کیسے دیر ہوگئی؟''

''جی وہ ادھر ہاکی کا میچ ہو رہا ہے نا، میں ذرا اسے دیکھنے چلا گیا تھا۔''

''آپ کھیلوں کی رپورٹنگ بھی کرتے ہیں؟''

''جی نہیں، میں اس قسم کی رپورٹنگ نہیں کرتا، ادبی سیاسی، ثقافتی اور اس قسم کی دوسری سنجیدہ تقریبات کی رپورٹنگ میرے ذمے ہے، بڑا کانٹے کا کھیل تھا آج کا ہاکی کا، اک طرف اس میں یتیم خانہ حمایت اسلام کی ٹیم تھی اور اپنے اللہ دتا نے کھیل کا آغاز کیا تھا، دوسری طرف...... لیکن آپ کی تقریر کا موضوع کیا تھا؟''

''میری تقریر ''جدید سائنس کی فتوحات'' کے موضوع پر تھی۔''

''سائنس...... خوب...... بڑی اچھی چیز ہے سائنس۔'' اس نے فوراً پنسل سے کاپی میں کچھ نوٹ کیا، پھر سر اٹھا کر بولا۔

''معاف فرمایئے، فتوحات ''ط'' سے ہے ''یا'' ت سے ہے اور آگے چھوٹی ''ہ'' ہے یا بڑی ''ح'' ہے حلوے والی؟''

میں نے اسے بتایا کہ ''ط'' اور چھوٹی ''ہ'' نہیں ہے۔

''اچھا...... اب یہ فرمایئے کہ لیکچر کا مرکزی خیال کیا تھا؟''

''آج میں نے اس مسئلے کو لیا تھا کہ ریڈیائی لہروں کا ایٹمی تشکیلات پر کیا اثر پڑتا ہے؟''

''ٹھہریئے۔'' اس نے کہا۔

''ریڈیائی کے کیا ہجے ہوتے ہیں، ریڈیائی...... ریڈیو...... خبر...... میں سمجھ گیا۔'' اس اس نے اپنی نوٹ بک بند کرنے کی تیاری کی اور پوچھا۔

''آپ کا پہلے بھی کبھی ہمارے شہر وزیر آباد سے گزر ہوا ہے؟''

''نہیں۔'' میں نے کہا۔

''یہ پہلا اتفاق ہے۔''

''یہاں کی چھریوں، قینچیوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''آپ سلطان ہوٹل میں ٹھہرے ہوں گے، کیسا پایا اسے؟''

''اچھا خاصا ہے، ذرا مکھیاں زیادہ ہیں۔''

''مکھیاں، تو گویا گڑ کی منڈی کو شہر میں نہیں

ہونا چاہیے؟''

''اس بارے میں، میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''آپ نے یہاں کا نیا مذبح دیکھا ہے؟''

''نہیں دیکھا۔''

''بڑا اچھا بنا ہے۔''

''آپ کہتے ہیں تو اچھا ہی ہوگا۔''

اس نے جلدی جلدی اپنی ڈائری میں کچھ قلمبند کیا، پھر بولا۔

''یہاں کی میونسپلٹی کی کارگزاری کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں تو آج ہی آیا ہوں، کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''کیا یہ میونسپل کمیٹیوں والے نالائق نہیں ہوتے؟ کوڑے کے ڈھیر پڑے رہتے ہیں۔''

''ہاں اکثر شہروں میں تو نالائق ہی ہوتے ہیں، کوڑا نہ اٹھانے کی شکایتیں عام ہیں۔''

''آپ کا کیا خیال ہے، یہاں چونگی والے لوگوں سے رشوت نہیں لیتے؟''

''مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

''آپ کا خیال کیا ہے؟''

''بہت جگہ لیتے ہیں، ہوسکتا ہے یہاں بھی لیتے ہوں، آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔''

وہ یہ محاورہ سن کر بہت خوش ہوا اور فوراً نوٹ بک میں اسے چڑھایا اور بولا۔

''آپ کی باتیں بہت دلچسپ ہیں، عام طور پر تو تقریریں کرنے والے خصوصاً سائنس پر بولنے والے بڑے بور ہوتے ہیں، بلکہ کوڑھ مغز، اچھا تو خدا حافظ، ہاں ایک سوال اور ہے، یہ جو نیا ریلوے کا پل بنا ہے، اس میں گول مال ہوا ہے، سنا ہے، سیمنٹ بہت تھوڑا ڈالا ہے؟'' میں نے کہا۔

''آپ بہتر جانتے ہیں۔''

''آپ کا خیال ہے؟'' میں نے عرض کیا۔

''بہت جگہ ایسا ہو رہا ہے، ٹھیکیدار اور افسر ملی بھگت کیا کرتے ہیں۔''

اس نے خوش خوش سلام کیا اور چلتا بنا۔

اگلے روز میری روانگی تھی، ریلوے اسٹیشن سے میں نے اخبار خریدا اور کھولا تو سامنے ہی بڑی سی سرخی نظر آئی۔

''چونگی اور ریلوے پل کے گھپلے کی تحقیقات ہونی چاہئیں۔''

''گڑ منڈی کو شہر سے باہر منتقل کیا جائے۔''

مشہور سائنس دان پروفیسر مولا بخش کی رائے، وزیر آباد، آج وزیر آباد کے ٹی ہال میں مشہور سائنسدان پروفیسر مولا بخش نے ریڈیو کے موضوع پر تقریر کی اور بتایا کہ ریڈیو کی کیسے حفاظت کرنی چاہیے اور کیسے اس کے سیل بدلتے رہنا چاہئیں، تاکہ فتوحات حاصل ہوں، پروفیسر مولا بخش نے وزیر آباد کی خوب صورتی کی تعریف کی لیکن چھری قینچیوں کے بارے میں تبصرہ کرنے سے معذوری ظاہر کی، پروفیسر موصوف نے نئے مذبح کو بھی سراہا لیکن کمیٹی کی مذمت کی جو کوڑا نہیں اٹھاتی، انہوں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا کہ وزیر آباد کے چونگی والے رشوت لیتے ہیں اور ریلوے پل میں سیمنٹ کم ڈالا گیا ہے، بلکہ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، پروفیسر صاحب نے جو سلطان ہوٹل میں ٹھہرے تھے، مطالبہ کیا کہ شہر سے گڑ کی منڈی کو فوراً ہٹایا جائے ورنہ...''

اس سے آگے میں نہ پڑھ سکا، اخبار میرے ہاتھ سے گر گیا۔

☆☆☆

امید صبح جمال

ام مریم

پچھلی قسط کا خلاصہ

مام کی حرکت آیت کو مزید بدگمان کر ڈالتی ہے، معیز کی ضمانت تو ہو جاتی ہے، مگر آیت کے دل سے مام کے لئے آجانے والا میل ختم نہیں ہو پاتا۔

حسین کو کھونے کا غم صندلین کو پاگل کیے جا رہا ہے، اسے دوبارہ حاصل کرنے کا جنون صحیح غلط کے امتیاز کو بھلائے اسے سب الٹا سیدھا کرنے پہ اکسا چکا ہے، دادی اور شیر خان کو لاعلم رکھے وہ پیر کی ہدایت پہ حتمی عمل کی خاطر رات کے وقت گھر سے نکلتی ہے تو شیر خان کو علم ہو جاتا ہے، اس رات شیر خان اس کی آنکھیں بھی کھولتا ہے پیر کی اصلیت دکھانے کو مگر صندلین پھر بھی باز آنے کو تیار نہیں، شیر خان کو اس کا یہ جنون خوفزدہ کر چکا ہے۔

حمدہ کی والدہ چل بسیں تو حمدہ کو حسین شاہ کا خوف بھاگنے پہ مجبور کرتا ہے مگر وہ خود کو حسین شاہ کی تحویل میں جانے سے کسی طور نہیں بچا پاتی۔

ابا معیز اور آیت کو ہنی مون پہ بھیجنے کا کہہ کر سب کو حیران کر ڈالتے ہیں۔

اب آپ آگے پڑھیے

بارھویں قسط





کوئی کس لئے ہے یہ کوئی بھی نہیں جانتا
سبھی اپنے ہونے کے شور و غل میں ہیں مبتلا
وہ جو شام آ کے گری تھی درد کی گرد پر
اسے مڑ کے دیکھا تھا جانے والے نے دور سے
تیرے ہونٹ مجھ سے چھپا رہے تھے لگی بجھی
تیری آنکھ جل کے بدلتی جاتی تھی راکھ میں
بڑا انتظار کیا نگاہوں نے چاند کا
مگر آسمان نہی تھا اور کہی رہا
جہاں تیرے عیب تھے داستان سیاہ تھی
جہاں میرے عیب تھے زرد رنگ تھا چارسو

رات کا ہی کوئی پہر تھا جب اس کی آنکھ کھلی، معیز بیڈ پہ نہیں تھا، اس نے نیم وا آنکھوں سے واش روم کی جانب نگاہ کی، دروازہ کھلا اور لائٹ آف تھی، اس نے الجھن بھرے انداز میں گردن موڑ کر وال کلاک کو دیکھا، نائٹ بلب کی مدھم روشنی میں اسے ہندسوں کی زبان مشکل سے سمجھ آسکی اور تاخیر سے بھی، ڈیڑھ بجا تھا، الجھن بڑھی تو آنکھیں پوری کھل گئیں، ذہن حیرت بھرا جھٹکا کھا کر بیدار ہو چکا تھا۔

''معیز کدھر ہیں؟'' اس نے پھر اپنے پہلو میں موجود خالی بیڈ کو دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

دروازہ بند تھا مگر لاکڈ نہیں تھا، اس کا مطلب معیز کمرے سے باہر تھا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اپنے سیل فون کو اٹھایا اس سے قبل کہ معیز کا نمبر ٹرائی کرتی باہر سے اٹھتی آوازوں نے اس کا ہاتھ روک دیا، دھیان لگانے پہ وہ اندازہ کر پائی باہر تقریباً سبھی جاگ رہے ہیں مگر کیوں؟

اب اس سے ٹھہرا نہیں گیا، شب خوابی کا لباس بدلے بغیر اس نے خود کو بڑی چادر میں لپٹا تھا اور دروازہ کھولتی باہر برآمدے میں آ گئی، بڑی انگیٹھی جل رہی تھی اور کچھ فاصلے پہ بیٹھے ابا ہاتھ سینک رہے تھے، پاس اماں بھی بیٹھ ہاتھ میں موجود تسبیح پھیرتی تھیں، چہروں پر پریشانی لئے دونوں خاموش تھے، البتہ کچن سے اٹھتی آوازوں سے اندازہ ہوتا تھا وہاں کوئی مصروف عمل ضرور ہے وہ انہیں متوجہ کرنے کو دانستہ کھنکاری۔

''ارے بچے تم، تمہاری بھی نیند خراب ہوگئی۔'' اماں نے اچانک اسے دیکھا تھا اور گھبرا کر کہتی کھڑی ہوگئیں۔

''ایکچوئیلی......معیز کمرے میں نہیں......آپ سب بھی جاگ رہے ہیں؟'' وہ کچھ ہچکچا کر گویا ہوئی تھی۔

''ہاں پتر...... خیریت ہے......تو سو جا جا کے، معیز آ جائے گا صبح تک۔'' اب کے ابا نے جواب دیا تھا، صبح تک کے الفاظ نے آیت کو ٹھٹھکا دیا۔

''صبح......؟'' وہ زیر لب حیرانی سے کہے کر انہیں سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

''ہاں پتر......صبح ہی۔'' اس نے محسوس کیا ابا نظریں چرا رہے ہیں، اماں نے مصالحانہ خاموشی

اوڑھ رکھی تھی۔

''کہیں باہر گئے ہیں؟'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی سوال کر رہی تھی۔

''ہاں......شہر۔'' ابا بھی طوعاً و کرھاً بول رہے تھے گویا۔

''شہر......؟'' آیت کی الجھن اب پریشانی میں بدل گئی۔

''شہر کیوں......سب خیریت ہے تاؤ جی، کہیں پھر سے پولیس۔'' وہ روہانسی ہو کر کہنے جا رہی تھی کہ ابا نے بے اختیار سر جھٹکتے مداخلت کر دی۔

''ارے نہیں پتر اللہ رحم کرے، ایسی بات نہیں، بس ایک ایمرجنسی ہو گئی تھی تو جانا پڑا، تو جا میرا پتر آرام کر جا کے، ٹھنڈ بہت ہے۔'' انہوں نے اس کے سر پہ نرمی سے ہاتھ رکھا، آیت مضطربانہ نظروں سے انہیں اسی الجھن میں مبتلا دیکھتی رہی۔

''تاؤ جی۔''

''دھی رانی کیوں پریشان ہوتی ہے، ویسی کوئی بھی بات نہیں ہے جو میری بیٹی کا دل پریشان کر دے، فکر مند نہ ہو میرا پت جا کمرے میں جا تو۔'' وہ بے تاب ہو کر کچھ کہنے لگی تھی کہ ابا نے اس کی بات قطع کر کے پھر تسلی سے نوازنا چاہا جو ہو کر کسی طرح نہیں دی۔

''تو پھر اصل بات بتا کیوں نہیں دیتے آپ تا کہ بچی الجھن سے نکلے۔'' اماں نے چڑ کر ابا کو ٹوکا تھا، انہوں نے حقے کو پرے کر کے اماں کو غصیلی نظروں سے دیکھا اور بڑے طنزیہ انداز میں جواب دیا تھا۔

''تو بہت عقل مند ہے، تو ہی بتا دے پھر۔''

''بھابھی، آپ ادھر میرے پاس آئیں۔'' دونوں کو الجھتا پا کر ہی ایشل کچن سے نکلی تھی اور اس کا ہاتھ پکڑ اس کے کمرے میں لے گئی۔

''مجھ سے کچھ مت چھپانا ایشال، پتا نہیں کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔'' کمرے میں آتے ہی وہ بہت بے حوصلہ ہو کر بولی تو ایشال نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا تھا۔

''ٹیک اٹ ایزی بھابھی، ویسا کچھ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہی ہیں، چاچو کی ثناء کو جانتی ہیں نا آپ، اس کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی، ہاسپٹل لے کر جانا پڑا، ابا تو بھائی کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے مگر جب محسن نے ان سے گاڑی کی چابی مانگی تو بھائی نے کہا وہ خود بھی ساتھ چلیں گے۔'' ایشل کے جواب پہ آیت نے اسے بغور دیکھا تھا گویا حقیقت پرکھنا چاہتی ہو۔

''میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔'' اس کی نظروں کا مفہوم پاتی ایشال ذرا سا ہی مسکرا سکی، آیت نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

''فون ہے ان کے پاس؟''

''ہاں بالکل، آپ چاہیں تو خود بات کر لیں۔'' ایشال اٹھ کھڑی ہوئی تھی، آیت اب اپنا فون اٹھا چکی تھی۔

''آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، میرا مطلب ہے کچھ کھانے کو لا دوں؟'' ایشال نے پہ تھم کر اسے دیکھا جو معیز کا نمبر ملا چکی تھی، اس سوال پہ سر نفی میں ہلایا۔

''نہیں شکریہ، تم جاؤ۔'' اس نے مصروف رہ کر کہا دوسری سمت بیل جا رہی تھی مگر کال رسیو نہیں کی گئی، ایک بار دو بار تین بار، اس نے جھنجھلا کر فون پٹخ دیا، عجیب سا احساس دل کو نم کرنے لگا تھا، عجیب سی جھنجھلاہٹ اعصاب پر طاری ہو رہی تھی، اس نے چاہا وہ لاپرواہ بنے اور کمبل میں گھس کر سو جائے، مگر اسے کسی کل چین نہیں آیا تو پھر فون اٹھا لیا، ایک بار پھر وہی صورتحال تھی، معیز کال پک نہیں کر رہا تھا اور جس وقت وہ پھر جھنجھلا گئی تب کال رسیو کر لی گئی۔

''ہیلو۔''

''معیز!'' وہ اس کی آواز سن کر چونک اٹھی، مضمحل آواز پریشانی کے سب انداز لئے۔

''ہاں بولو آیت۔'' وہ اس انداز میں بولا جیسے بہت تھکا ہوا ہو۔

''آپ کہاں ہیں؟'' اس نے عجیب سے انداز میں سوال کیا، جیسے غصہ دبا رہی ہو۔

''تمہیں گھر میں کسی نے نہیں بتایا؟'' معیز جیسے اس سوال پہ عاجز ہوا اکتا گیا۔

''میں آپ سے سننا چاہتی ہوں۔''

آیت کا ضبط رخصت ہونے لگا، عجیب سی توہین کا احساس رگ و پے میں دوڑ اٹھا تھا کہ وہ پہلی رات کی دلہن کو اتنی آسانی سے چھوڑ کر کزن کی خاطر اتنی دور شہر میں اسپتال کی راہداریوں میں خوشی خوشی خوار ہو رہا تھا۔

''ہاسپٹل میں ہیں ہم۔'' معیز کا انداز ٹھہرا ہوا تھا۔

''ہم سے مراد؟'' آیت چڑی تو معیز اس سے بڑھ کر چڑ گیا۔

''یہ کیسے احمقانہ سوال ہیں آیت، تم سچویشن سمجھ سکتی ہو؟ ثناء کی طبیعت ٹھیک نہیں اور......''

ابھی وہ مزید کچھ کہتا مگر آیت نے سخت برہم ہوتے اس کی بات قطع کر ڈالی۔

''طبیعت خراب تھی، وہ مر نہیں گئی تھی کہ آپ یوں بدحواس ہو کر بھاگ اٹھے۔'' وہ جس طرح بھڑکی دوسری جانب یکلخت سناٹا چھا گیا، چند لمحے خاموشی رہی اور پھر لائن کاٹ دی گئی تھی آیت تو اس توہین بھرے انداز پہ جیسے بھڑ بھڑ جل اٹھی تھی، معیز نے اس کا فون بند کر دیا تھا، بجائے اسے منانے کے بجائے اس کی غلط فہمی دور کرنے کے اس نے الٹا اسے مزید خود سے متنفر کر ڈالا، یعنی اسے اس کی سرے سے پرواہ نہیں تھی، یہ حال تھا اس شخص کا اس کے ساتھ پہلی رات گزار کر جب کے قربت کا خمار بھی ٹھیک سے نہیں اترتا اور اس شخص کا یہ حال تھا، آیت کو کسی شدید غم شدید نقصان کے احساس نے دوآتشہ کر ڈالا، اسی غضب میں اس نے سیل فون اتنی قوت سے دیوار سے مارا کہ وہ ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر کمرے میں بکھر گیا تھا، خود جلتی آنکھوں پہ ہاتھ رکھے وہ شدتوں سے رو رہی تھی، تھا کوئی اس سے بڑھ کر بے بسی اور پامالی کا احساس کہ اسے چند گھنٹوں میں بے مایا بے مول کر دیا گیا تھا، اس کی اوقات بتلا دی گئی تھی، کیا وہ پھر بھی ماتم نہ کرتی۔

☆☆☆

کوئی ربط ہے کسی درد اور مرے درمیاں
جو مجھے گھسیٹتا پھر رہا ہے زمین پر
میں تو زندگی کی ریاضتوں کا امین ہوں

یہ جو بستیوں کے اصول ہیں میری دھول میں
تپش خیال کا جبر ہے مرے ذہن پر
ہیں اسی لئے میری بے قراریاں مستقل
میں نے اک ذرا سا فرار سوچا تو ایک دم
تیری آرزو میرے جسم و جاں پہ جھپٹ پڑی
ابھی دل مسلنے سے کیا ہے دل تو اجڑ گیا
کف ہجر ملنے سے کیا ہے وہ تو بچھڑ گیا

جتنی اسے اہمیت دی گئی، جس طرح قیمتی اور بے حد مہنگے اسٹائلش لباس وزیورات سے اسے سجایا گیا شاید اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وقتی طور پر سہی اپنی پامالی کا غم بھلا کر اس چکا چوند سے بہل جاتی، اسے یوں تو کسی دلہن کی طرح سے ہی تیار کیا گیا تھا مگر کیا وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ دلہن نہیں تھی، وہ تو زرخرید تھی، ایک کنیز تھی، اگرچہ اس کے ساتھ زبردستی نہیں کی گئی تھی مگر وہ راضی نہیں تھی۔

حسین شاہ نے اس کے ساتھ جو تعلق استوار کیا وہ ایسا تعلق نہیں تھا کہ وہ مطمئن ہو پاتی یا بےبس ہو جاتی، وہ خوش نہیں تھی، حسین شاہ جب وقت کمرے میں آیا وہ اسے دیکھ کر ہی آنسو بہانے لگی تھی، ان بہتے آنسوؤں کی روانی نے اس سنگ دل کو موم کیا کرنا تھا الٹا وہ مسکراتا چلا گیا تھا۔

''تم کیا سمجھتی تھیں کہ میں تمہارے اس معمولی حسن کا اسیر ہو گیا ہوں اور تم سے شادی کرلوں گا؟'' وہ سوال پوچھ رہا تھا کہ یا اس پہ طنز کر رہا تھا، حمدہ کے آنسوؤں میں طغیانی آنے لگی۔

''تمہاری بدعہدی نے مجھے مجبور کیا اس سختی پر، ورنہ میں تمہیں ابھی ٹائم مزید دے سکتا تھا۔'' وہ اس کی لمبی چوٹی جس میں گیندے کے پھول سجائے گئے تھے اپنے ہاتھ پر لپیٹتا ہوا بولا تھا، انداز حظ اٹھانے والا تھا۔

''مجھے معاف کردو، مجھے جانے دو۔''

اس گزارش نے حسین کو اتنا مشتعل کیا کہ اسے جھٹکا دے کر خود سے بالکل قریب لے آیا۔

''یہ رات تمہاری زندگی کی سب سے خوش بخت رات ہے احمق لڑکی، باقی کی ساری زندگی اسی ایک رات کے تصور میں گزارنی ہو گی تمہیں کہ ایک مرتبہ کے بعد میں کسی بھی عورت کو اپنی قربت کا اعزاز نہیں بخشا کرتا۔''

تکبر وغرور کا ایسا مظاہرہ ہوا تھا کہ حمدہ اپنا غم اپنا رونا بھول کر تھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی اور پھر اسے اس بات کا ثبوت بھی ملا، اگلی صبح اس نے اس کنیزستان محل میں ہر لڑکی کی آنکھ میں اپنے لئے اشک دیکھا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

''تمہیں پہلی بار دیکھا تو واقعی تم اچھی لگی تھیں، سوچا تھا اگر پرکھ میں کامیاب ثابت ہو گئیں تو اپنی زندگی میں کوئی خاص مقام دے سکوں گا یعنی اپنی نسل کا امین بناؤں گا مگر تم ناکام بری طرح، اب مجھے کسی اور کی طرف دیکھنا پڑے گا۔''

وہ کیسا متکبر انسان تھا، حمدہ کے رونگھٹے کھڑے ہوتے چلے گئے، اس نے دکھی دل کے ساتھ وہ ساری بد دعائیں اسے دی تھیں جو دے سکتی تھی، پھر وہ چلا گیا اور حمدہ نے اسے دوبارہ نہیں دیکھا، اس بڑے محل میں جہاں ہر شے پہ حسین شاہ کا قبضہ تھا میں اسے قید رکھا گیا، وہ سوتی جاگتی کھاتی پیتی ان قوانین کے مطابق تھی جو وہاں نافذ تھے، ہر گزرتا دن اس کے دل میں حسین کے لئے موجود نفرت کو بڑھا جاتا تھا۔

وہاں رہتے ہوئے اسے دوسری تمام لڑکیوں کے حالات سے بھی آگاہی مل سکتی تھی، وہ سب اسی سے ملتے جلتے حالات سے گزر کر وہاں پہنچی تھیں اور اس غلامی کی زندگی پر مجبور کر دی گئی تھیں، حسین شاہ اس ریاست کا ایسا فرمانبردار تھا جو ان خواتین کو اپنی زندگی میں برتے گئے ٹشو پیپر سے بڑھ کر اہمیت نہیں دے سکا تھا، جسے ایک بار استعمال کر کے پھینک دیا جاتا ہے، اسے بھی پھینک دیا گیا تھا، اب وہ بھی بے کار تھی۔

☆☆☆

مجھے عاشقی نے ادھیڑ ڈالا ہے مانگ تک
کسی چیرہ دستی کا خوف مجھ کو نہیں رہا
کسی اضطراب کے ہاتھ میں ہے میرا لہو
مرا دل سنبھل ہی نہیں رہا ہے دباؤ سے
یہ جو بے پناہ تھکن کی اوٹ میں فرد ہے
اسے کون جا کے کہے کہ راستہ سرد ہے
جہاں عجز ہے وہاں تہہ میں کوئی غرور بھی
بڑی خامشی سے دبک کر بیٹھا ہے تخت پر
مجھے موت کرکے تلاش لائی ہے سامنے
مجھے مرے حال پہ چھوڑ دے مری زندگی

معیز واپس حویلی لوٹا تو تھکن اس کے ہر انداز سے عیاں تھی، اس کی ہر خدمت کو ایشال ہی پیش پیش نظر آئی، غسل کے لئے گرم پانی سے لے کر چائے کھانے وغیرہ تک بھی۔

''اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟'' اماں کے سوال پہ معیز نے گہرا سانس بھرا تھا۔

''بہتر ہے۔'' وہ مضمحل تھا۔

''آیت سے سب نے چھپایا ہے، اس حماقت کی اسے ہوا بھی نہ لگنے دینا بیٹا، نئی نئی شادی ہے تمہاری، بچی کا دل خواہ مخواہ میلا ہوگا۔''

اماں جس وقت نصیحت کر رہی تھیں انہیں کیا خبر تھی وہ خود ہی ذریعہ بن رہی ہیں راکھ میں چنگاری ڈالنے کا، جو دہک کر الاؤ کا رخ اختیار کر لے گی کہ آیت کے کمرے کی کھڑکی کھلی تھی اور وہ معیز کی آمد کے متعلق آگاہ ہو کر ہی کھڑکی میں آن کھڑی ہوئی تھی، صحن جتنا بھی بڑا تھا مگر بہر حال آواز اس تک جا پہنچی یا شاید وہ لیا ہی سن گن چاہ رہی تھی جو کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔

''مجھے بچہ سمجھتی ہیں آپ اماں، کچھ خبر نہ ہونے پر بھی مجھے عاجز کر کے رکھا ہوا تھا اس نے پتا

چل گیا تو قیامت برپا نہیں کرے گی۔'' معیز کے لبوں پر ذرا سی ہی ... کان اتری تھی، جانتا تھا اب اس کے پاس جا کے اس کا موڈ ٹھیک کرنے کی بھی مشقت کرنا پڑے گی ... بہر حال طبیعت پہ گراں نہیں تھی۔

''ناشتہ واشتا کیا آپ کی بہو نے یا غصے میں بھوکی بیٹھی ہے؟'' موضوع تبدیل ہو گیا تھا وہ کھڑکی سے ہٹ گئی، چہرے پر الجھن کے آثار نمایاں تھے، ذہن جوالہ مکھی بننے میں مصروف۔

''اماں نے یہ بات کیوں کہی؟''

وہ ہر پہلو سے سوچتی اندازے قائم کر رہی تھی جب معیز نے اندر قدم رکھا اور بہت محتاط نظروں سے اس کا جائزہ لیا، وہ باتھ لے چکی تھی، تازہ شیمپو ہوئے نرم بال بالکل سیدھے کندھوں سے نیچے تک گر رہے تھے، چہرے پر تازگی اور شگفتگی تھی مگر نخوت کا تاثر بہت اہم تھا، آنکھوں میں چمک تھی روشنی تھی مگر ساتھ میں خفگی بھی نمایاں تھی۔

''صبح بخیر بیان معیز۔'' وہ بانہیں پھیلا کر کہتا جیسے ہی نزدیک آیا، آیت نے شدید ردعمل کے طور پر نہ صرف اس کے ہاتھ جھٹکے بلکہ فاصلہ بھی بڑھا دیا، معیز نے مسکراہٹ دبالی۔

''ناراض ہو؟'' وہ کچھ نہیں بولی، اسے گھورتی رہی۔

'' وری ڈیئر وائف، ایکچوئیلی سچویشن ہی ایسی ہو گئی تھی کہ مجھے اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر جانا پڑا، مگر میں منالوں گا ایسے۔'' اس نے شرارت سے کہتے اس کا ناک دبایا، آیت نے پھر اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

''مسٹر معیز، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا صرف یہی جرم ہے تو غلط سمجھتے ہیں۔'' اس کا انداز تلخ تھا، تیکھا تھا، معیز نے سرد آہ بھری۔

''نو بلکہ میرا جرم یہ بھی ہے کہ میں نے اپنی بے حد خوبصورت لاڈلی بیوی سے روڈلی بات بھی کی، اس کی بھی معافی مانگوں گا۔'' اس نے اپنا سر آیت کی گود میں رکھنا چاہا تھا، آیت بے ساختہ سرک کر فاصلے پر ہو گئی۔

''بس؟'' وہ اسے گھور کر بولی، معیز نے سر کھجایا۔

''اور... تم بتا دو باقی خطائیں۔'' وہ عاجز ہونے لگا۔

''آپ نے مجھ پہ اپنی اس معمولی کزن کو فوقیت دی تھی۔'' وہ منہ پھلا کر بولی، معیز نے کاندھے جھٹکے۔

''صرف اس لئے کہ اس کی زندگی خطرے میں تھی، یہ محض انسانی ہمدردی تھی۔'' وضاحتی انداز تھا، آیت کا موڈ پھر بھی بحال نہیں ہو سکا۔

''ایسا کیا کیا ہے اس نے کہ جو اگر مجھے پتا چلے گا تو میرا دل میلا ہو جائے گا، آپ سے معیز صاحب؟'' اس کا لہجہ چبھتا ہوا تھا، معیز ایک دم ٹھٹک گیا۔

''کیا مطلب؟'' وہ خود کو سنبھال کر بولا، آیت کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

''آپ مجھے بتائیں گے اصل بات کیا ہے۔'' وہ لفظ چبا رہی تھی، معیز نے کچھ دیر اسے دیکھ پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے آیت کہ......'' اس کی بات ادھوری رہ جانے کا باعث آیت کا مشتعل رویہ تھا، اس نے اپنا ہاتھ پھر جھٹکے سے چھڑوالیا تھا اور اسے تند نظروں سے گھورتی ہوئی خود گویا ہوئی تو انداز از حد پرتپش تھا۔

''آپ مجھے بھلا کیوں بتانے لگے معیز چوہدری کہ اس نے یہ خودکشی کیوں کی وہ بھی ہماری شادی کی رات، کیونکہ اسے لگا تھا اب اس کی طرف آپ کے پلٹنے کے سب امکان ختم ہو گئے ہیں، کیوں...... درست کہہ رہی ہوں میں؟'' وہ پھنکار پھنکار کر بول رہی تھی، معیز کے دماغ کو اس درجہ درست قیافہ شناس نے جھٹکا سا لگایا تھا، کچھ کہے بغیر وہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا تھا، جبکہ وہ یونہی شعلہ بار تھی۔

''تو اب ازالہ کیونکر کیا آپ نے معیز چوہدری، اپنے ساتھ کا وعدہ کر کے آئے ہیں یا پھر کہیں نکاح کے بندھن میں باندھ کر ڈھارس بندھائی، بتانا پسند فرمائیں گے؟'' اب وہ غرارہی تھی، معیز نے گہرا سانس بھرا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو جو سوچنا ہے سوچو، پابندی کس بات کی۔'' اس کا انداز سرد تھا، جو آیت کو آگ لگا گیا۔

''تم میرے ساتھ اس طرح کیسے کر سکتے ہو؟'' اپنی جگہ سے اٹھ کر اسے دھکا دیتے ہوئے ہیجانی انداز میں چیخی، معیز کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا پھر اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹا دیئے تھے۔

''بدگمانی کی دھول کو جب تک آنکھوں سے نہیں ہٹاؤ گی تمہیں حقیقت نظر بھی کیسے آسکتی ہے، صد افسوس کہ اپنی خوشیوں کو آگ لگانے والی بھی تم خود ہو۔'' وہ تاسف سے کہہ کر باہر نکل گیا تھا، آیت وہیں بستر پہ گری روتی رہی، معیز کچن میں آیا تو ایشال کا پریشان چہرا اس کا منتظر تھا۔

''آپ کی لڑائی ہو گئی نا بھابھی سے۔'' وہ کتنی حواس باختہ نظر آ رہی تھی، معیز نے سر جھٹکا۔

''یہ لڑائی وہ فضول میں لڑ رہی ہے۔'' معیز کو غصہ چڑھ رہا تھا۔

''ابا کے منع کرنے پہ اگر آپ مان جاتے، نہ جاتے تو یہ سب نہ ہوتا، دیکھا جائے تو آیت بھابھی ٹوٹلی غلط نہیں ہیں۔'' ایشال اس کے دفاع کرتے ہوئے بولی تو معیز نے چونک کر اسے دیکھا تھا، جواباً وہ نظریں چرا گئی۔

''سوری بھائی، ایکچوئیلی میں آپ کا ناشتہ لائی تھی، لڑائی سن کر اندر آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔'' وضاحت کرتے وہ سر جھکا گئی تھی۔

''اچھا اب مجھے ناشتہ دو گی یا ایسے ہی بھوکا جاؤں؟'' معیز نے کسی بھی تبصرے سے گریز کرتے بات بدلی تو ایشال نے بے حد حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا مطلب، آپ تو آج چھٹی کر رہے تھے نا؟''

''فائدہ، جس کی وجہ سے کرنی تھی وہ محترمہ تو میری شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں۔'' معیز کا انداز نروٹھا تھا، ایشال نے ناراضگی سے اسے دیکھا۔

''کم آن بھائی، بھابھی کیوں ناراض ہیں آپ سے اس بات کو سمجھیں، انہیں منائیں، انہیں

وقت دیں، اس طرح تو ان کا گلہ اور بڑھے گا اور بدگمانی بھی۔'' ایشال کی بات پہ معیز کے چہرے پر تمسخر پھیل گیا۔

''بڑھنے دو، میں اس سے زیادہ منت سماجت نہیں کر سکتا، اس لڑکی کو تمیز ہی نہیں ہے ذرا بھی کسی رشتے کی۔'' اس کا چہرہ آیت کا رویہ یاد کر کے سرخ پڑا۔

''بھائی......؟'' وہ احتجاج کرنا چاہتی تھی کہ معیز نے ٹوک دیا۔

''ایشال پلیز تم اس معاملے میں نہ آؤ، مجھے خود ہینڈل کرنے دو۔'' اس کا انداز دوٹوک تھا، ایشال ہونٹ بھینچ کر رہ گئی۔

''تمہیں یاد ہوگا، میں نے تمہیں کہا تھا جتنا میں نے اس لڑکی کو سمجھا ہے جان سکا ہوں ہمارے ستارے نہیں ملتے، اگر ملے تو آپس میں ہمیشہ ٹکراتے رہیں گے، یہ تو آغاز ہے، ابھی سے اس کے رویئے نے مجھے تھکانا شروع کر دیا ہے، خود پسند اور انتہا کے رویے کے مالک لوگ خود سے وابستہ رشتوں کو یونہی خوار کر کے اذیت میں مبتلا رکھتے ہیں، میں کبھی اس سیڑھی نہ چڑھتا مگر قسمت نے مجھے مات دی، دیکھو یہ نصیب ہی تھا نا کہ ان ہونی ہوگئی، وہ خود آگئی یہاں میرے پاس، کیا میں پھر بھی بچاؤ کر سکتا تھا اپنا؟'' معیز کے لہجے کی اذیت ایشال کو شل کر کے رکھ گئی، اس کا دل دکھ سے ایسے لبریز ہوا کہ آنکھیں نم ہوتی چلی گئیں۔

''ایسا مت سوچیں بھائی پلیز، آیت صرف تھوڑی سی خود پسند ہے، آپ سے اہمیت اور فوقیت کی متمنی ہے، اس کی توقع سے زیادہ اسے نوازیں گے تو آپ کو بھی شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ نرمی سے سمجھا رہی تھی، معیز اب کی بار کچھ نہیں بولا، لاشعوری طور پہ سگریٹ ایشال کے سامنے سلگایا اور پھر احساس ہونے پہ بجھا بھی دیا، اگلے لمحے اٹھ کر چلا گیا تھا، اس کا ناشتہ یونہی ان چھوا پڑا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ جو جل گیا تھا ہمارا دل تری دھوپ میں
اسے آنسوؤں سے بھگوتا رہتا ہوں رات دن
یہ پہاڑ دل یہ براق دل یہ جوان دل
غم بے پناہ کے بوجھ سے نہ نکل سکا
کسی احتجاج کا رعب ہی تھا کہ سادگی
تھی جہاں جہاں یہ پگھل پگھل کے ہوا ہوئی
میرا رخ بدلتا ہے راستے میں یا شہر کا
یہ تو اپنے اپنے مزاج کا ہے مقابلہ
یہ حیات اگر کسی زندہ درد میں ڈھل گئی
تو سمجھ لو آج کے دن سے موت کی موت ہے

اب وہ اور زیادہ سمجھ دار اور محتاط ہوگئی تھی، ایک پیر کی حقیقت نے اتنا سبق تو دیا تھا اسے کہ وہ سمجھدار بھی ہوجائے اور عقل کا استعمال کرتے ہوئے محتاط رویہ بھی اختیار کر لے، جو اس نے کیا اور

شیر خان کو بھی اپنے رازوں سے بے دخل کر ڈالا۔
گروسری سے متعلق ایک لمبی لسٹ تیار کرنے کے بعد اس نے شیر خان کو بازار بھجوایا اور خود بھی اپنے مقصد کی تکمیل کی راہ لی۔

اس نے ایک نئی پیرنی کا پتا لگوا لیا تھا اور یہ یقین بھی حاصل کر لیا کہ اس کے کیے کام پختہ ہیں، اب یہ اطمینان تو تھا ہی کہ یہاں پیر کی مونث ذات ہونے کے باعث عزت کو کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا، ایک اور بات جو اس کے حق میں جاتی تھی کہ وہ پیرنی کی رہائش کا نزدیک ہونا بھی تھا، اسے وہاں تک پہنچنے میں زیادہ ٹائم نہیں لگا مگر قسمت ابھی اس کا ساتھ پوری طرح دینے پہ آمادہ نظر نہیں آتی تھی، پیرنی صاحبہ اپنی نشست پر موجود نہیں تھیں اور اگلے مزید دو دن وہ مریدوں کو فیض بخشنے پر بھی آمادہ نہیں تھیں، وہ سخت مایوس اور افسردہ نظر آتی پلٹی تھی کہ اچانک ٹھٹک گئی، فٹ پاتھ پہ چند کارڈز سجائے ایک طوطا فال نکالنے والے بابا ہر راہ چلتے کو قسمت کا حال محض معمولی قیمت میں بتانے کا لالچ دے رہے تھے مگر رکنے والے چند ایک ہی تھے، اس جیسے جن کے عقیدے کمزور اور ایمان ناقص تھا، انسان جب خدا سے دور ہو جائے تو شیطان یونہی اسے خوار کیے پھرتا ہے۔

وہ بھی خوار ہو گئی تھی، ہو رہی تھی اور جانے کتنی دیر تلک مزید ہوتی رہتی، خواہشیں اور وہ بھی اندھی خواہش صحیح غلط میں تمیز کے فرق کو مٹا دیا کرتی ہے، اسے بھی خواہش کے حصول کی خاطر اختیار کیا گیا کوئی بھی اقدام غلط نہیں لگتا تھا۔

اس وقت بھی وہ اک نئے جوش کے ساتھ اپنی قسمت کا حال جاننے کو لپک پڑی۔

''آپ پامسٹری بھی جانتے ہیں بابا۔'' فال نکال آئی تھی، جس میں تسلی ہی ملی تھی کہ کچھ مشکلات ہیں مگر اسے مقصد حاصل ہو جائے گا، وہ کھل اٹھی تھی، مشکلات کا کیا تھا، وہ تو ٹل ہی جائیں گی بالآخر، اس کی عقل نے یہ نہیں اسے بتایا کہ یہ چند کارڈ جن میں سے ایک کی خود ساختہ تحریر نے اس کی تسلی کروائی ہے یہ کسی انسانی ہاتھ کا ہی کرشمہ ہے اور محض ایک دھوکے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

''پامسٹری؟'' بابا ناخواندہ تھا، اس سوال پہ خود سوالیہ نشان بن گیا۔

''میرا مطلب ہے بابا جی آپ ہاتھ دیکھ کر بھی احوال بتا دیا کرتے ہیں؟'' اس نے وضاحت پیش کر دی، بابا کھل کر مسکرایا اور سر اثبات میں ہلاتے اسے ہاتھ پھیلانے کا اشارہ کیا، صندلین نے جھٹ اپنی گدلی شفاف اور گدلائی ہوئی نرم ہتھیلی بابا کے سامنے پھیلا دی، حالانکہ اس حقیقت سے آگاہ بھی تھی اچھی طرح کہ یہ عمل خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔

''جس سے میں محبت کرتی ہوں مجھے مل جائے گا، مطلب اس سے شادی ہو جائے گی؟'' اب وہ کھل کر سوال کر رہی تھی اور بابا اس کی ہتھیلی کو گھور رہا تھا۔

''تمہاری دو شادیاں ہوں گی لڑکی، پہلے شوہر کا بہت جلد انتقال ہو جائے گا۔'' بابا نے پیش گوئی کر دی اور صندلین نے تڑپ کر اپنی ہتھیلی سمیٹ لی، اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہیں بابا، اللہ نہ کرے۔'' وہ روہانسی ہونے لگی تھی۔

''میں نے وہی بتایا بچڑی جو تیرے ہاتھ کی لکیریں کہہ رہی ہیں۔'' بابا مطمئن تھا، صندلین ... بھینچ لئے۔

''تو جس سے محبت کرتی ہے اس سے کبھی شادی نہ کرنا اور اگر کرنا تو پہلی نہ کرنا'' بابا نے ... مایا، صندلین کانپتے وجود کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی، بابا اپنی فیس مانگ رہا تھا، بقول اس کے ... نہیں دیکھتا، صندلین نے پرس کھول کر جو نوٹ بھی ہاتھ لگا بابا کی طرف اچھالا اور ... لڑکھڑاتی ہوئی وہاں سے چل دی، اس کے ذہن میں جکڑ چل رہے تھے، طوفان کی ... آیا دل پوری بستی کو تاراج کرنے کے درپے ہوا جا رہا تھا۔

☆☆☆

میں بہت اکیلا کھڑا رہا ترا منتظر
کبھی چھوڑ چھاڑ کے چل دیئے تیرا راستہ
مجھے آرزوں پہ شک گزرتا ہے رات دن
کسی لمحہ ڈس ہی نہ لیں مزاج کی تازگی
مجھے اپنے آپ زمین ہی نہ دبوچ لے
میرے اردگرد کھڑے رہو نہ میرے لئے
شب بے قرار کا خوف تھا کہ میں شام تک
تیرے راستے سے پلٹ کے شہر نہ آ سکا
یہ جو آنکھ پر تنا ہوا ہے تیرا جمال سا
یہ جو ہٹے تو تیرے علاوہ کوئی دکھائی دے

اگلے کئی دن اس کا دماغ اسی شدید ہیجانی کیفیت کے زیر اثر رہا تھا، گم صم ویران افسردہ اسے خود کو یہ سمجھانے میں بہت دقت کا سامنا تھا کہ وہ حسین کو چھوڑ دے اور اگر کسی بھی طرح اسے حاصل کرتی بھی تو خدانخواستہ اس کی موت پھر سے دائمی جدائی کا زخم دے جاتی تو کیونکر سہہ سکتی تھی

یہ اذیت ناک سفاک سوچ بہت کرب میں مبتلا کرتی رہی اور بالآخر وہ اس نتیجے پہ پہنچی تھی کہ اسے زہر کا یہ گھونٹ پینا پڑے گا، حسین کے ساتھ ایک مستقل اور طویل رفاقت کی خاطر اسے یہ آزمائش سہنی ہوگی اگر وہ خود کو اس امر کے لئے تیار کر بھی لیتی تو ایسا کون فیاض دل ہو سکتا تھا جو اس سے شادی کو پھر بھی تیار ہو جاتا جبکہ نہ تو وہ ایسے پسند کرتی تھی نہ اسے قبول کرنا چاہتی تھی، بلکہ اس لئے اس کے ساتھ یہ عارضی رشتہ جوڑنا چاہتی تھی تاکہ حسین اس کا پہلا شوہر قرار نہ پائے، تاکہ اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو سکے۔

عقل اندھی ہو چکی تھی، یہ کوئی شرط نہیں تھی جسے قبول کیا جاتا، یہ محض ایک خدشہ تھا، محض ایک خوف تھا یا محض ایک من گھڑت بات، جسے اس نے سر پہ سوار کر لیا تھا۔

ان چند دنوں میں اس کی آنکھیں بجھ گئی تھیں، چہرا مرجھاتا جا رہا تھا، وہ ایسے گلاب کی مانند تھی ... جو اپنی تازگی کھوتا جاتا ہے، دادی بہت دنوں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور گویا اس سے بڑھ کر

اذیت سے دوچار تھیں، مزید برداشت ختم ہوئی تو شیر خان کو اسے بلانے بھیج دیا۔
وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، بے خیال بے دھیان جب شیر خان نے دروازہ ناک کر کے اسے آواز دی۔
''چھوٹا بی بی صیب۔'' وہ چونک گئی، پلٹ کر دروازے کو دیکھا۔
''بڑا بیگم صیب آپ کو بلاتا ہے۔'' کہتا فوراً آئیں۔
شیر خان بند دروازے کے پیچھے سے ہانک لگا رہا تھا، صندلین کے ذہن میں جھماکا سا ہوا تھا۔
''شیر خان!'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔
''شیر خان کیوں نہیں۔'' اس کی آنکھوں میں یکلخت جیسے زندگی کا احساس جاگ اٹھا وہ دروازے کی جانب لپکی تو انداز میں اک جوش و خروش سا پایا جاتا تھا۔
''شیر خان!'' اس نے پلٹ کر واپس جاتے شیر خان کو پکارا۔
''جی بی بی صیب۔'' شیر خان اس کی سوچوں خیالوں سے ناواقف سادگی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تم نے دادی سے میری شکایت تو نہیں نہ لگائی۔'' وہ لمبے ڈگ بھر کے اس کے ہمقدم ہوگئی تھی، اسے بڑی شوخی سے دیکھا۔
''نہیں، حالانکہ اس روز امارا جی چاہا تھا ام آپ کی شکایت بڑا بیگم صیب سے لگا دیں، جب ام کو مارکیٹ ٹرخا کر آپ خود گھر سے غائب ہوگیا تھا مگر ام چاہنے کے باوجود ایسا نہیں کر سکا۔'' وہ کچھ ملول سا ہو کر وضاحتی جواب دے رہا تھا۔
''وہ کیوں؟'' صندلین نے سیڑھیاں اترتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھا۔
''شاید اس لئے کہ ام آپ کے لئے کبھی کچھ برا نہیں کر سکتا، آپ کا شکایت لگانے سے بہتر ام نے آپ کے لئے دعا کیا کہ آپ سب غلط کام چھوڑ دو۔'' معصوم چہرا معصوم انداز صندلین جو اسے ہی دیکھ رہی تھی کچھ دیر قبل اپنی اس کے متعلق خود غرضانہ سوچ پہ نادم ہوگئی مگر یہ احساس لمحاتی تھا۔
''تم بہت اچھے ہو شیر خان اور میں بہت بری۔'' اس کے اعتراف جرم میں بھی ڈھٹائی تھی، شرمندگی نہیں۔
''نہیں نہیں ایسا بات نہیں ہے۔'' شیر خان جھینپ بھی گیا اور شرمندہ بھی نظر آنے لگا۔
''اچھا شیر خان اگر میں تمہاری کسی بہت حسین اور امیر لڑکی سے شادی کروا دوں تو تمہیں اچھا لگے گا؟'' اس نے بے حد اشتیاق سے سوال کر لیا تھا، شیر خان پہلے چونکا پھر بے انتہا سنجیدہ ہوگیا تھا۔
''نہیں۔'' اس کا جواب دینے کا انداز سخت اور ٹھوس تھا صندلین بھونچکی رہ گئی تھی اس انداز پہ اس کا تو خیال تھا شیر خان کی باچھیں چر جائیں گی اس بات کو سن کر۔
''واٹ، نہیں کیوں؟'' اس نے چڑ کر پوچھا تھا، انداز میں خفگی تھی۔

''ام کو دولت کا لالچ کبھی نہیں رہا چھوٹا بی بی، جہاں تک حسن کی بات ہے تو امارا منگیتر کو آپ دیکھو تو دنگ رہ جاؤ اتنا خوبصورت ہے، مگر ام نے اپنی ماں کو اپنی شادی سے خود روک دیا، ام کو ابھی بہت کام کرنا ہے، بہت پیسہ کما کر اپنے بہن بھائیوں کو منزل پہ پہچانا ہے، ام خود ابھی شادی نہیں کرنا مانگتا۔''

وہ بڑا مدبر بن کر تقریر کرنے لگا تو صندلین کے لبوں پہ معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

''اور اگر یہ پیسہ تمہیں محنت اور وقت ضائع کیے بغیر مل جائے تو اچھا نہیں، خوبصورت دلہن کا بونس الگ۔'' وہ اسے لالچ دے رہی تھی، شیر خان نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا پھر سر کو اسی شد و مد سے نفی میں ہلا دیا۔

''ام پھر بھی نہیں کرے گا، ام غیرت مند پٹھان ہے، خود کو اس طرح نہیں بیچے گا کبھی۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ اس سے پہلے سیڑھیاں اتر گیا، صندلین کو عجیب سی خفت کا احساس ہوا تھا مگر اگلے لمحے اس نے سر جھٹک ڈالا۔

''جی دادو۔'' وہ کمرے میں آئی تو دادی اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں، اسے دیکھتے ہی تسبیح ہاتھ سے رکھ دی، دونوں بازو پھیلا دیئے۔

''میری شہزادی ادھر آئے۔'' وہ گہرا سانس بھرتی ان کے پاس آ کر ان کے کاندھے سے لگ کر بیٹھ گئی۔

''اتنی محبت کرتی ہو اس نکمے لڑکے سے کہ دادی سے ایسی ناراض ہو گئیں، ایک ہی گھر میں رہتے تیری شکل دیکھنے کو ترس جاتی ہوں، وہ تو بھلا وہ شیر خان کا، اولاد سے بڑھ کر خیال رکھتا ہے میرا، جبھی تو تیری اتنی بے اعتنائی نے مجھے توڑا نہیں۔'' انہوں نے گلا کیا تھا صندلین خاموش رہی، البتہ آنکھیں ضرور نم ہو گئی تھیں۔

''میں اپنی بچی کو اس طرح اداس نہیں دیکھ سکتی، بلایا ہے حسین کو، جیسے ہی آتا ہے تمہارا اس سے نکاح پڑھوا کر اسی وقت رخصتی بھی کروا دوں گی، چاہے جیسے مرضی مناؤں اسے مگر منا لوں گی، دیکھنا تم انکار نہیں کر سکتا مجھے کسی طور بھی۔'' دادی جوش سے کہہ رہی تھیں، صندلین کے البتہ حواس مختل ہو گئے۔

''یہ کیا کرنے لگی تھیں دادی، وہ تو اب ہرگز بھی کبھی حسین سے پہلا نکاح نہ کرتی۔''

''کیا ہوا؟ خوشی نہیں ہوئی تمہیں؟'' دادی نے اس کی بے چینی اضطراب کو اس کے چہرے کے اڑتے رنگوں سے محسوس کیا تھا، چونک کر پوچھا، صندلین نے بے ساختہ ہونٹ کچلے تھے۔

''ایسے زبردستی کا کیا فائدہ دادی۔'' کچھ اور نہ سوجھا تو یہی کہہ سکی۔

''ارے بیٹے پرواہ نہ کرو، زبردستی کے رشتے میں بھی محبت پیدا ہو جایا کرتی ہے، میاں بیوی کا یہی ایسا ہوتا ہے اور پھر تم دیکھنا، ایک دو بچے ہوئے تو کیسا مضبوط ہو جائے گا یہ تعلق، وہ ہل بھی نہ سکے گا بھی۔'' دادی مطمئن تھیں اور مسکرا رہی تھیں، صندلین کو سمجھ نہ آئی کیا کرے، تو ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اس کے ہر انداز سے عجیب سی وحشت ٹپکنے لگی تھی۔

''نہیں، آپ اس سے ایسی کوئی بات نہیں کریں گی، دادی، آپ حسین کو ایسے مجبور نہ کریں

پلیز۔'' وہ کچھ ایسے بے اوسان ہو کر روئی کہ دادی گنگ رہ گئیں، کتنی دیر بول نہ سکی تھیں۔

''باؤلی ہوئی ہو، کبھی گلہ کرتی تھیں کہ زور زبردستی سے کیوں نہ منوایا اس سے اور اب انا کو بیچ میں لے بیٹھی ہو۔'' دادی کو غصہ آیا تھا اس کے بچکانہ فعل پہ۔

''آپ کچھ بھی سمجھیں مگر میں ایسے حسین کی مرضی کے بغیر اس کے سر پہ کبھی خود کو مسلط نہیں کروں گی۔'' اس نے تنفر سے کہا اور پیر پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی، دادی عجیب سی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی تھیں، انہیں سمجھ نہیں آئی صندلین کو کیسے سمجھائیں کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے۔

☆☆☆

سفر خیال کی چال بھی ذرا دیکھئے
کہ گھما پھرا کر وہیں پہ لایا ہے آرزو
وہ جو آپ لکھتے تھے داستانوں کی داستاں
انہیں جانے کس نے کہانیوں میں جکڑ لیا
میں نے اپنے آپ کو حکم دے کر یہ کہہ دیا
میں تیرے لئے شب انتظار کو روک لوں
مجھے اپنے بارے میں معتبر نہ سمجھ مجھے
تیرے دل کے بارے میں نظریات کا علم ہے
تیرا احترام بجا مگر میرے پارسا
تیرا سب ثواب تو تیرا اپنا ثواب ہے

''اسد، بیٹے دیکھو باہر کون ہے، بیل ہو رہی ہے۔'' بابا کھانے کی ٹیبل پہ آ کے بیٹھے ہی تھے جب کچن سے ماما کی آواز سن کر اسد کو رکنے کا اشارہ کرتے خود اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں دیکھتا ہوں۔'' انہوں نے کچن کی کھڑکی سے جھانکتی ماما کو تسلی دی اور بیرونی دروازے کی جانب آ گئے۔

''کون؟'' انہوں نے عادتاً پوچھا تھا ساتھ ہی بالٹ گرا دیا۔

''دروازہ کھولئے صاحب، ابھی تو ڈاکو نہیں آئے، آپ تو دن دہاڑے ہی ڈرنے لگ گئے ہیں۔'' خوش شکل خوش پوش دراز قامت نوجوان بہت بے ڈھنگے انداز میں کہتا زبردستی دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہو گیا، بابا حیران ہوتے ہی رہ گئے۔

''معذرت بیٹے مگر بیٹے آپ کو پہچان نہیں سکے ہم۔'' انہوں نے اس کی غیر شائستگی کے مظاہرے کے باوجود خود شائستگی کا دامن نہیں چھوڑا۔

''سورما کو سلمان بٹ کے نام سے دنیا جانتی ہے، آپ کو بزرگوار ہم اپنے خسر ہونے کا مرتبہ عطا کرنا چاہتے ہیں، اندر آنے کا نہیں کہیں گے؟'' بڑی شان استغنا سے کہتا وہ ترچھی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا، بابا کے چہرے پر یکلخت سنجیدگی چھا گئی۔

''دیکھو بیٹے، آپ کی والدہ کو ہم اگر انکار کر چکے تھے تو آپ کی آمد کی وجہ نہیں بنتی کوئی۔'' انہوں نے منطقی نرمی سے بات کی تھی حالانکہ اس کا غنڈہ گردی کا انداز انہیں طیش دلانے کا باعث

چکا تھا مگر بیٹی کے والد ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اس معاملے کو بہت تدبر سے حل کرنا تھا، وہ اسی روز سمجھ گئے تھے جب انہیں فون کال وصول ہوئی تھی جس میں سلمان نے تقریباً ایسے ہی انداز میں اپنا تعارف کروا کے رشتہ قبول کرنے کی دھمکی دی تھی۔

''اگر ہمارا تعارف ادھورا ہے تو ہم اسے مکمل کروا دیتے ہیں کہ ہم ایک عادی مجرم اور تین قتل کر چکے ہیں، پچھلے دنوں موتی بازار میں جو واردات ہوئی وہ بھی ہمارے کریڈٹ پر ہے، ہم اگر تھرو اپر چینل طریقے سے آپ کی فرزندی میں آنا چاہ رہے ہیں تو آپ کو اسے اپنی خوش بختی سمجھتے ہوئے انکار سے گریز کرنا چاہیے۔'' بے نیازی ونخوت سے کہتا وہ خود اندرونی حصے کی جانب آ گیا تھا۔ ماما اور عمامہ نے اسے کچن کی کھڑکی سے دیکھا تھا، ماما کا اڑتا رنگ دیکھ کر ہی عمامہ سمجھ گئی تھی کہ وہ کون ذات شریف ہو سکتا ہے، بابا نے اس فون کال کا تذکرہ سرسری سہی مگر سب سے کر دیا تھا اور خاص کر عمامہ کو بہت محتاط رہنے کی تاکید بھی کر ڈالی تھی۔

''یہ کیسی بدمعاشی ہے، یہ بڑا غنڈہ ہوگا تو اس گھر کی دہلیز سے باہر تک، میں برداشت نہیں کر سکتی۔'' عمامہ اسے ریوالور نکالتے دیکھ کر بپھر اٹھی تھی، لپک کر باہر جانا چاہتی تھی کہ ماما نے لرزتے ہاتھوں میں اس کی کلائی دبوچ لی۔

''خبردار تم ہرگز باہر نہیں نکلو گی، کچھ بھی ہو جائے تم نہیں نکلو گی سنا؟'' انہوں نے بھینچی ہوئی آواز میں کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر خود سرعت سے باہر آ گئیں، جہاں اب منظر مزید تشویش ناک ہو چکا تھا۔

''یہ غالباً آپ کا سپوت ہے، لازماً آپ کو پیارا بھی ہوگا، آف کورس اسی سے آپ کی نسل آگے بڑھے گی؟؟'' ریوالور لہراتا ہوا وہ اسد کے قریب جا کھڑا ہوا، ماما کے حلق سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

''دیکھو تم اسے کچھ نہیں کہو گے، میرے بیٹے کو کچھ نہیں کہو گے۔'' ماما تڑپ کر اسد کے قریب آئیں اور اسے اپنے بازوؤں میں چھپانے کی سعی کی، اسد کا چہرا دھواں ہو رہا تھا، اس صورتحال نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا، سلمان نے مسکرا کر حظ لیتے انداز میں انہیں دیکھا جو سب کے سب بے بس کھڑے تھے، خوفزدہ نظر آتے تھے۔

''دیکھیے آنٹی آپ کو کوئی ایک اولاد تو چھوڑنا ہوگی، بیٹا یا بیٹی، یہ طے ہے کہ اگر آپ نے با خوشی تسلیم نہ کیا تو بہرحال میں اپنی سی کروں گا، عمامہ صرف میری ہے، چاہے اسے میں یہاں خون خرابے کے بعد حاصل کروں یا، باعزت طریقے سے رخصت کروا کے لے جاؤں، فیصلہ آپ پہ ہے۔'' سلمان بٹ بڑے بے نیاز انداز میں بات کر رہا تھا، عمامہ سے مزید صبر نہ ہوا، دروازہ کھول کر باہر آ گئی، سلمان نے چونک کر پلٹتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور یکدم چہک اٹھا۔

''آہاہ، بڑی دیر کر دی مہرباں آتے آتے۔''

''شٹ اپ۔'' جواباً وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھتی دھاڑی، تو اس کی جرأت کو سلمان بٹ نے ابرو اچکا کر بڑے دلچسپ انداز میں دیکھا تھا۔

''شیرنی بہادر بھی ہوتی ہے، تم نے ثابت کر دیا'' اس کے سراہنے کا انداز میں بڑا عجیب تھا،

عمامہ نے نفرت بھرے انداز میں اسے دیکھا۔
''بہت ناز ہے تمہیں اپنے گناہ پہ اور اس ہتھیار پہ، اس کے بغیر تو تم کاغذ کے پتلے ثابت ہو گے محض۔'' حقارت بھرا تجزیہ سلمان بٹ کی غیرت پہ تازیانہ بن کر لگا۔
''مجھے للکار رہی ہو؟'' وہ اسے غصے سے گھور کر بولا تھا، عمامہ نے اسی تمسخر سے سرنفی میں ہلا دیا۔
''نہیں، للکارا غیرت مندوں کو جاتا ہے۔'' سلمان بٹ کا چہرا تضحیک سے سرخ پڑ گیا۔
''ایسی باتیں کر کے تم کیا سمجھتی ہو مجھ سے بچ جاؤ گی۔'' وہ اس کے قریب آ کر غرایا اور ایک دم سے پھر ریوالور اسد پہ تان دیا۔
''جانتا ہوں تم سب کی جان اسی طوطے میں ہے اگر تمہیں حاصل کرنے کو مجھے اس گردن مروڑنی پڑی تو ہرگز گریز نہیں برتوں گا۔'' وہ غراتے ہوئے بولا تھا، ہاتھ کی انگلی ٹریگر پہ زور بڑھا چکی تھی کہ ماما بے ساختہ رونے بلکنے لگیں۔
''خدارا ایسا مت کرو، میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔''
''ایسا اب تب ہوگا بڑھیا جب تو اس کے بدل میں مجھے اپنی بیٹی بخوشی دینے کو تیار ہوگی، ورنہ ایک دن کے انتظار کے بعد اس کی لاش وصول کر لینا۔'' اس نے اسد کو ریوالور سے دھکیلتے ہوئے اپنے آگے لگایا، اب تک بابا جو خود کو سنبھالے کھڑے تھے ایک دم ڈھے سے گئے۔
''بات سنو۔'' عمامہ بے ساختہ چیخی تھی۔
''پلیز رک جاؤ۔'' وہ اس کے پیچھے بھاگی اور ہر لحہ زرد پڑتے اسد کا بازو دبوچ لیا، سلمان بٹ نے پلٹ کر سرخ رو مگر قہر آلود نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔
''راستے سے ہٹ جاؤ، ورنہ میں ایک دن کی مہلت بھی ہٹا دوں گا۔'' وہ دھاڑا۔
''مجھے تمہاری شرط منظور ہے، چھوڑ دو میرے بھائی کو۔'' وہ ایک دم سے رو دی تھی، سلمان نے البتہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا، بابا سخت متوحش نظر آنے لگے۔
''کیسے مان لوں؟''
''کیسے مانو گے؟'' عمامہ نے آنسوؤں سے جل تھل چہرا اٹھایا، سلمان ان نم جھیلوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر بامشکل ابھرا۔
''چلو مان لیتے ہیں، حرج نہیں، یہ لو چھوڑ دیا اور کچھ؟'' اس کا لہجہ اس کا انداز یکسر تبدیل ہو گیا تھا، عاشقانہ نظریں فدیانہ انداز عمامہ کو مگر اس وقت ہوش کہاں تھی۔
''کب چلو گی میرے ساتھ میری جان؟'' وہ اسے گہری متبسم نظروں میں سموئے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔
''جب مرضی اپنے پیرنٹس کو لا کر نکاح کر لینا۔'' وہ ہونٹ کچلتے ہوئے بولی تھی، سلمان بٹ ایک دم ہنس دیا۔

ان حسینوں سے اللہ بچائے
ماہ جمالوں سے اللہ بچائے

لوٹ لیتے ہیں یہ مسکرا کر
ان کی چالوں سے اللہ بچائے

وہ دھیرے سے گنگنایا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام لیا، جو کپکپا رہا تھا، اس کی گرفت میں ذرا سا پایا اور پھر ہر مزاحمت ترک کر ڈالی۔

''دھوکے کی بو محسوس کرتے ہوئے بھی دھوکہ کھاؤں گا اس لئے کہ جانتا ہوں بہر حال ہاروں گا، چلو کرتے ہیں یقین پھر آئیں گے آپ کے تمام جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کرانے۔''

کا ہاتھ دبا کر چھوڑنے کے بعد سلمان نے بہت استحقاق بھرے انداز میں اس کا گال تھپتھپایا اس زعم سے کہا تھا، عمامہ کچھ نہیں بولی، خاموش کھڑی کانپتی رہی تھی، سلمان چند لمحے اسے تکتا رہا پھر ایک دم پلٹ کر باہر چلا گیا، اس کے چلے جانے کے کتنی دیر بعد بھی اس کی دہشت کا احساس ایسا تھا کہ وہ اسی طرح اپنی اپنی جگہ پہ ساکن اسی احساس سے نہیں نکل سکے تھے۔

☆☆☆

جہاں تیرگی سے چراغ جلتے تھے نور کے
اسی خاص سمت میں لے گئی مجھے روشنی
وہ ملا تو ملنے کا علم تک بھی نہ ہو سکا
وہ بچھڑ گیا تو میں گم ہوا اسے ڈھونڈتا
شب انتظار کے طول ارض کے خوف سے
مجھے شام ہی سے دکھائی دیتے ہیں رتجگے
تجھے کیا خبر میرے اضطراب میں کون ہے
مجھے کسی نے میرے ہی واقعات کا غم دیا
مجھے ان ستاروں کی گردشوں کا شعور ہے
جو اداس راتوں میں ڈوب جاتے رہے کہیں

وہ اتنی تاخیر سے گھر لوٹا تھا کہ کسی کے جاگتے پائے جانے کی امید نہ ہونے کے برابر تھی، دروازہ ایشال نے کھولا تو اس کی آنکھوں میں بھی نیند کا خمار صاف دیکھا جا سکتا تھا۔

''آپ اتنی دیر سے کہاں تھے بھائی، آپ کا فون بھی بند جا رہا تھا۔'' اسے دیکھتے ہی وہ شاکی تھی، معیز نے اندر آتے ہی جیکٹ اتاری۔

''آف ہو گیا ہوگا، مجھے دھیان نہیں رہا۔'' وہ بے نیاز تھا، ایشال نے اسے ذرا شاکی نظروں سے دیکھا۔

''چند دن ہوئے شادی کو، اور آپ گھر سے ایسے غائب پائے جاتے ہیں۔''

''اسے چارجنگ پہ لگا دو، کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' معیز نے فون نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھا اور کہا، ایشال کو اب اس پہ غصہ آیا، آیت ٹھیک اور وہ غلط لگنے لگا۔

''بھابھی کا ذرا خیال نہیں، انہوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔''

جس قدر الزام دیتے انداز میں بات کر کے اس پہ چڑھائی کر رہی تھی اب کے معیز کو بھی

عمامہ نے نفرت بھرے انداز میں اسے دیکھا۔
''بہت ناز ہے تمہیں اپنے گناہ پہ اور اس ہتھیار پہ، اس کے بغیر تو تم کاغذ کے پتلے ثابت ہو گے محض۔'' حقارت بھرا تجزیہ سلمان بٹ کی غیرت پہ تازیانہ بن کر لگا۔
''مجھے للکار رہی ہو؟'' وہ اسے غصے سے گھور کر بولا تھا، عمامہ نے اسی تمسخر سے سر نفی میں ہلا دیا۔
''نہیں، للکارا غیرت مندوں کو جاتا ہے۔'' سلمان بٹ کا چہرا تضحیک سے سرخ پڑ گیا۔
''ایسی باتیں کر کے تم کیا سمجھتی ہو مجھ سے بچ جاؤ گی۔'' وہ اس کے قریب آ کر غرایا اور ایک دم سے پھر ریوالور اسد پہ تان دیا۔
''جانتا ہوں تم سب کی جان اسی طوطے میں ہے اگر تمہیں حاصل کرنے کو مجھے اس گردن مروڑنی پڑی تو ہرگز گریز نہیں برتوں گا۔'' وہ غراتے ہوئے بولا تھا، ہاتھ کی انگلی ٹریگر پہ زور بڑھا چکی تھی کہ ماما بے ساختہ رونے بلکنے لگیں۔
''خدارا ایسا مت کرو، میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔''
''ایسا اب تب ہوگا بڑھیا جب تو اس کے بدل میں مجھے اپنی بیٹی بخوشی دینے کو تیار ہوگی، ورنہ ایک دن کے انتظار کے بعد اس کی لاش وصول کر لینا۔'' اس نے اسد کو ریوالور سے دھکیلتے ہوئے اپنے آگے لگایا، اب تک بابا جو خود کو سنبھالے کھڑے تھے ایک دم ڈھے سے گئے۔
''بات سنو۔'' عمامہ بے ساختہ چیخی تھی۔
''پلیز رک جاؤ۔'' وہ اس کے پیچھے بھاگی اور ہر لحہ زرد پڑتے اسد کا بازو دبوچ لیا، سلمان بٹ نے پلٹ کر سرخ رو مگر قہر آلود نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔
''راستے سے ہٹ جاؤ، ورنہ میں ایک دن کی مہلت بھی ہٹا دوں گا۔'' وہ دھاڑا۔
''مجھے تمہاری شرط منظور ہے، چھوڑ دو میرے بھائی کو۔'' وہ ایک دم سے رو دی تھی، سلمان نے البتہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا، بابا سخت متوحش نظر آنے لگے۔
''کیسے مان لوں؟''
''کیسے مانو گے؟'' عمامہ نے آنسوؤں سے جل تھل چہرا اٹھایا، سلمان ان نم جھیلوں کی گہرائیوں میں ڈوب کر بامشکل ابھرا۔
''چلو مان لیتے ہیں، حرج نہیں، یہ لو چھوڑ دیا اور کچھ؟'' اس کا لہجہ اس کا انداز یکسر تبدیل ہو گیا تھا، عاشقانہ نظریں فدیانہ انداز عمامہ کو مگر اس وقت ہوش کہاں تھی۔
''کب چلو گی میرے ساتھ میری جان؟'' وہ اسے گہری متبسم نظروں میں سموئے ہوئے گمبھیر لہجے میں بولا۔
''جب مرضی اپنے پیرنٹس کو لا کر نکاح کر لینا۔'' وہ ہونٹ کچلتے ہوئے بولی تھی، سلمان بٹ ایک دم ہنس دیا۔

ان حسینوں سے اللہ بچائے
ماہ جمالوں سے اللہ بچائے

لوٹ لیتے ہیں یہ مسکرا کر
ان کی چالوں سے اللہ بچائے

وہ دھیرے سے گنگنایا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام لیا، جو کپکپا رہا تھا، اس کی گرفت میں ذرا سا کسمسایا اور پھر ہر مزاحمت ترک کر ڈالی۔

''دھوکے کی بو محسوس کرتے ہوئے بھی دھوکہ کھاؤں گا اس لئے کہ جانتا ہوں بہر حال ہاروں مانہ نئوں گا، چلو کرتے ہیں یقین پھر آئیں گے آپ کے تمام جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کرانے۔''
ن کا ہاتھ دبا کر چھوڑنے کے بعد سلمان نے بہت استحقاق بھرے انداز میں اس کا گال تھپتھپایا تھا اس زعم سے کہا تھا، عمامہ کچھ نہیں بولی، خاموش کھڑی کانپتی رہی تھی، سلمان چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر ایک دم پلٹ کر باہر چلا گیا، اسی کے چلے جانے کے کتنی دیر بعد بھی اس کی دہشت کا احساس ایسا تھا کہ وہ اسی طرح اپنی اپنی جگہ پہ ساکن اسی احساس سے نہیں نکل سکے تھے۔

☆☆☆

جہاں تیرگی سے چراغ جلتے تھے نور کے
اسی خاص سمت میں لے گئی مجھے روشنی
وہ ملا تو ملنے کا علم تک بھی نہ ہو سکا
وہ بچھڑ گیا تو میں گم ہوا اسے ڈھونڈتا
شب انتظار کے طول ارض کے خوف سے
مجھے شام ہی سے دکھائی دیتے ہیں رتجگے
تجھے کیا خبر میرے اضطراب میں کون ہے
مجھے کسی نے میرے ہی واقعات کا غم دیا
مجھے ان ستاروں کی گردشوں کا شعور ہے
جو اداس راتوں میں ڈوب جاتے رہے کہیں

وہ اتنی تاخیر سے گھر لوٹا تھا کہ کسی کے جاگتے پائے جانے کی امید نہ ہونے کے برابر تھی، دروازہ ایشال نے کھولا تو اس کی آنکھوں میں بھی نیند کا خمار صاف دیکھا جا سکتا تھا۔

''آپ اتنی دیر سے کہاں تھے بھائی، آپ کا فون بھی بند جا رہا تھا۔'' اسے دیکھتے ہی وہ شاکی ہوئی تھی، معیز نے اندر آتے ہی جیکٹ اتاری۔

''آف ہو گیا ہو گا، مجھے دھیان نہیں رہا۔'' وہ بے نیاز تھا، ایشال نے اسے ذرا شاکی نظروں سے دیکھا۔

''چند دن ہوئے شادی کو، اور آپ گھر سے ایسے غائب پائے جاتے ہیں۔''

''اسے چارجنگ پہ لگا دو، کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' معیز نے فون نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھا اور آگے بڑھ گیا، ایشال کو اب اس پہ غصہ آیا، آیت ٹھیک اور وہ غلط لگنے لگا۔

''آپ کو بھابھی کا ذرا خیال نہیں، انہوں نے بھی کھانا نہیں کھایا۔''

وہ کس قدر الزام دیتے انداز میں بات کر کے اس پہ چڑھائی کر رہی تھی اب کے معیز کو بھی

غصہ آ گیا۔
''تو کھا لیتی، میں نے پابندی نہیں لگائی کسی پہ اور بات سنو، تم خود کو میری ماں نہ سمجھا کرو، جاؤ جا کے آرام کرو، بہت سر کھا لیا میرا۔''
بد اخلاقی بد مزاجی چڑ چڑا پن اس کے ہر انداز سے عیاں تھا، ایشال نے اسے متاسفانہ نظروں سے کچھ دیر دیکھا تھا پھر گہرا سانس بھرے گویا ہوئی تھی۔
''ویسے تو آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں بھائی مگر، اپنی خوشیوں کو اپنے ہاتھوں سے برباد نہ کریں، انا کے حصار سے نکل کر دیکھیں زندگی میں بہت دلکشی نظر آئے گی آپ کو۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھی، معیز نے بہت غصے میں اسے دیکھا تھا، پھر سر جھٹکتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا، وکمبل میں دبکی نظر آئی، کھانے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ جوں کی توں دھری تھی، اسے ایشال کی بات یاد آئی تو ہونٹ بھینچ لئے۔
(پتا نہیں کب سے بھوکی ہے، ایسے نیند بھی آئے گی یا نہیں)
اسے کروٹ بدلتے دیکھ کر وہ مضطرب ہوا، کچھ دیر کھڑا رہا، عجیب سا تذبذب واقعی انا پیش رفعت میں حائل تھی، رسٹ واچ اتارتے جوتے موزے اتارتے اور پھر شرٹ کے بٹن کھولتے وہ خود کو مائل کر پایا تھا کہ وہ اسے پکارے۔
''آیت!''
کمبل میں کوئی ہلچل نہیں ہوئی، معیز نے گہرا سانس بھرا۔
''مجھے معلوم ہے تم سو نہیں رہی ہو، اٹھو۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر کمبل کھینچ لیا، گلابی چہرا تمام تر دلکشی سمیت سامنے تھا آنسوؤں کی نمی لئے معیز کا دل جیسے کسی نے بھینچ ڈالا۔
''کیوں رو رہی ہو؟''
''آپ کو کیا؟'' وہ چڑ گئی۔
''پھر اور کسے ہے؟'' وہ مسکرایا اور اس کے قریب بیٹھ گیا، وہ چہرا ناراضگی سے پھیر گئی، معیز نے اس کے نرم لچکیلے بال سہلائے تھے۔
''کیوں سیدھی سادی زندگی کو مشکل بناتی ہو آیت، میں نسبتاً روڈ انسان ہوں، رومینس سے کوسوں دور، نہیں بار بار نہیں منا سکتا، ناز نہیں اٹھا سکتا۔'' وہ جیسے بہت تھک کر سمجھا رہا تھا۔
''ہاں ناراض ضرور کر سکتے ہیں۔'' وہ شاکی ہوئی، معیز نے حیران مستفر نظروں سے اسے دیکھا۔
''میں نے ہرگز یہ گستاخی نہیں کی۔''
''آپ کو کیا ضرورت تھی مجھے اس طرح چھوڑ کر جانے کی۔'' وہ بسور کر بولی تھی۔
''اس کے باوجود کہ وہ مر رہی تھی؟'' معیز کے سوال نے اسے شرمسار کر دیا تھا۔
''اور لوگ بھی تو تھے، آپ مجھے جانے سے قبل بتا دیتے۔'' وہ گلہ آمیز انداز میں بولی، معیز نے سرد آہ بھری۔
''محض اس لئے کہ تمہاری نیند خراب نہ ہو، تم پیچھے پریشان ہوتی رہتی اس خیال سے نہیں

نایا۔'' انداز وضاحتی تھا، آیت کچھ نہیں بولی۔
''آپ نے مجھے منایا بھی نہیں، معیز، ابھی تو ہماری شادی کو چند دن ہوئے، کیا آپ مجھے ناراض کر کے منایا نہیں کریں گے؟'' وہ یاس میں مبتلا تھی۔
''منایا تو ہے۔'' معیز اٹھ کھڑا ہوا۔
''کھانا کھاؤ گی؟ گرم کر لاتا ہوں۔'' وہ بات بدل چکا تھا، آیت اسے دیکھتی رہ گئی۔
''ایسے...... اتنی دیر بعد...... اور منانا ایسے تو نہیں ہوتا۔'' وہ بجھ سی گئی تھی بالکل۔
''پھر کیسے ہوتا ہے؟'' معیز نے سادہ نظروں سے اسے دیکھا، آیت کے اندر عجیب سا دکھ آ ٹھہرا۔
وہ اتنا روکھا اور سرد انسان ہوگا یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا، اب وہ اسے کیسے بتاتی پیار اور ناز و ادا ایک عورت کے جذبوں کو ہرا بھرا کر دیا کرتا ہے۔
''کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے معیز؟'' وہ بہت ڈر کر پوچھ رہی تھی، معیز نے اب اسے عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔
''یہ کیسا سوال ہے؟''
''بہت اہم سوال ہے۔'' وہ اب کے غصے میں آ گئی۔
''اگر جواب نہ دینا چاہیں تو الگ بات ہے۔'' اس نے ناراضگی کا مظاہرہ کیا۔
''اگر محبت نہ ہوتی تو شادی نہ کرتا، سو سمپل۔'' معیز نے معاملہ ہی نپٹا دیا، وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔
''شادی آپ نے تو نہیں کی، بچپن میں ہمارے والدین نے کروا دی اور اب، اب میں خود زبردستی آپ کے پاس آ گئی، آپ نے کیا ایفٹ کی میرے لئے؟'' وہ پتا نہیں کیوں یہ سب کہتی چلی گئی تھی، معیز نے اسے بہت دھیان سے دیکھا تھا پھر کس قدر سرد انداز میں سوال کیا تھا۔
''تو تم کیا چاہتی ہو میں تمہارے لئے دودھ کی نہر کھودوں، یا آسمان سے تارے توڑ کر لاؤں، بتاؤ کیا کروں کہ تمہیں اس محبت کا یقین آئے۔'' آیت کی آنکھوں میں ایک دم آنسو آ گئے، اس نے چہرا پھیر لیا۔
''کھانا گرم کر لائیں، مجھے بھوک لگی ہے۔'' اس کی آواز بھیگ رہی تھی، معیز ایسے ٹرے اٹھا کر باہر نکلا گویا جان بخشی کروالی ہو، آیت نے سر گھٹنوں پہ رکھ دیا، آنسوؤں کو بہنے کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔
(نہر فرمائش کر کے نہیں کھدوائی جاتی معیز صاحب اور نہ آسمان سے تارے تڑوانے کے لئے کہنا پڑتا ہے، یہ محبت از خود کروایا کرتی ہے سب جتن جو آپ نہیں کر سکتے اور اگر کر سکتے ہیں تو کسی کے لئے پھر وہ میں نہیں ہوں گی۔)
وہ پتا نہیں کسی صحیح نتیجے پہ پہنچ کر سسک رہی تھی یا یونہی زود و رنج ہوئی جا رہی تھی، معیز کھانا گرم کر کے لوٹا تو وہ سو چکی تھی، چہرے پہ آنسوؤں کی نمی اس کی گریہ کی گواہ تھی۔
(جاری ہے)

محبت کم نہیں ہوگی

علینہ قریشی



''مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' نزہت کے لہجے میں دبا دبا جوش محسوس کرتے ہوئے منیر اپنے اندازے کی درستی پر دل ہی دل میں مسکرانے لگے، آج وہ سب ایک قریبی رشتے دار کے بیٹے کی شادی میں گئے ہوئے تھے جہاں وہ کچھ دیر پہلے ہی گھر لوٹے تھے اور منیر نے راستے میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ نزہت ان سے کوئی بات کرنے کو بے تاب ہیں لیکن بچوں کی موجودگی کی وجہ سے خاموش ہیں، منیر عادت کے مطابق گھر پہنچتے ہی کپڑے بدلنے چلے گئے اور جیسے ہی وہ باتھ روم سے باہر آئے ان کے انتظار میں بیٹھی نزہت فوراً بولنے لگیں۔

''بیگم صاحبہ آرام سے کپڑے بدل لیں چائے کا ایک کپ لا دیں پھر ایک چھوڑ دس ضروری غیر ضروری باتیں کر لیجئے گا۔'' منیر بستر پر بیٹھتے ہوئے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہنے لگے۔

''ایک تو آپ کی چائے ہر ضروری بات سے ضروری ہے۔'' نزہت کو اس وقت چائے کی فرمائش ایک آنکھ نہ بھائی تھی لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ اب چائے کے بنا بات نہیں ہو گی اس لئے بڑبڑاتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں، سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے شادی سے واپسی پر سب ہی تھکے ہوئے تھے اس لئے نزہت نے ہانیہ یا عفت کو چائے کا کہنا مناسب نہیں سمجھا ویسے بھی ان کی عادت تھی کہ ایسے بے وقت منیر کی سبھی فرمائشیں خود ہی پوری کر دیا کرتیں تھیں۔

نزہت گرما گرم چائے کا مگ لئے واپس آئیں تو منیر کو اپنا منتظر پایا۔

''ہاں بھئی اب کہو کیا ضروری بات کرنی ہے؟'' منیر مگ ہاتھ میں تھامتے ہوئے اطمینان سے پوچھنے لگے۔

مکمل ناول



''آج شادی میں مجھے شمسہ ملی تھی اس نے باتوں باتوں میں اپنی ہانیہ کے لئے دلچسپی کا اظہار کیا ہے، آپ تو جانتے ہیں مجھے تو عمیر ہمیشہ سے ہی پسند ہے سیرت صورت تعلیم ماشاء اللہ کسی چیز میں کوئی کمی نہیں، شمسہ بتا رہی تھی کہ ابھی پچھلے مہینے اسے آفس کی طرف سے گاڑی بھی مل گئی ہے اور پروموشن بھی ہوئی ہے، سچی بات ہے مجھے تو امید نہ تھی کہ وہ اپنے لائق فائق بیٹے کے لئے خاندان میں لڑکی دیکھیں گی۔''

کوئی اور وقت ہوتا تو نزہت شاید فوراً بات نہ سنے جانے پر تھوڑی بہت ناراضگی جتاتیں مگر آج بات ہی ایسی تھی کہ وہ سب بھول بھال جوش وخروش سے بتانے لگیں۔

''کیوں بھائی لائق فائق اولاد کے لئے خاندان کی لڑکی کیوں نہیں دیکھی جا سکتی؟ بہت ساری اچھی پڑھی لکھی خوبصورت لڑکیاں ہیں ہمارے خاندان میں۔'' منیر جو دلچسپی سے ان کی بات سن رہے تھے انہیں یہ آخری بات بہت ناگوار محسوس ہوئی تو اس منطق پر بولے بنا نہ رہ سکے۔

''آپ کو دفتر اور اخبار سے فرصت ملے تو پتا چلے کہ زمانہ کس طرف جا رہا ہے۔'' نزہت ان کے اعتراض پر منہ بناتے ہوئے بولیں۔

''اچھا خیر اس بحث کو رہنے دیں اصل بات پر آئیں۔'' اس سے پہلے کہ منیر ان کی بات کا جواب دیتے اور بات کہیں سے کہیں چلی جاتی نزہت نے ان کی توجہ اس بات کی طرف کروائی جس نے انہیں بے حد خوش کر رکھا تھا۔

''بھئی میں نے کیا کہنا ہے عمیر خاندان کا لڑکا ہے، دیکھا بھالا بچہ ہے مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے لیکن ہانیہ کی مرضی معلوم کرنا ضروری ہے اگر اس کو یہ رشتہ قبول ہو تو میری طرف سے بھی ہاں سمجھو۔'' منیر نے ان کی بات کا تفصیل سے جواب دیا۔

''ہانیہ کو اختیار دے دوں تاکہ باقی سارے رشتوں کی طرح آپ کی لاڈلی اس رشتے کو بھی بنا سوچے سمجھے انکار کر دے۔'' نزہت جواب تک آئے ہر رشتے پر ہانیہ کا انکار سنتی آ رہی تھیں ناگواری سے بولیں۔

''بھئی انکار کرے یا اقرار بہرحال ہم اس کی مرضی کے خلاف تو اس کی زندگی کا فیصلہ نہیں کر سکتے نا۔'' منیر نے بیٹی کی محبت سے مغلوب ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''کیوں؟ کیوں نہیں کر سکتے ہم اس کی زندگی کا فیصلہ ہم اس کے ماں باپ ہیں اس کا برا تھوڑا ہی چاہیں گے اور پھر عالیہ اور فرحان کی شادی کا فیصلہ بھی تو ہم نے ہی کیا تھا کیا دونوں بچے خوشگوار زندگی نہیں گزار رہے۔'' نزہت نے ناراضگی سے کہتے ہوئے بڑے بیٹے اور بیٹی کا حوالہ دیا۔

''تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن انہوں نے خود ہمیں اپنے فیصلے کرنے کا اختیار دیا تھا جبکہ ہانی تھوڑی مختلف ہے وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنا چاہتی ہے اور میرے خیال میں اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔'' منیر نے ہانیہ کا پیار کا نام لیتے ہوئے جواب دیا ان کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''جی کوئی برائی نہیں ہے لیکن آپ کی اس بیٹی میں عقل نام کو نہیں ہے، اگر اس کے ہر فیصلے پر یونہی اس کا ساتھ دیتے رہے تو خدانخواستہ ساری عمر گھر بیٹھی نہ رہ جائے۔'' نزہت شاید فیصلہ کیے بیٹھی تھیں۔

''اللہ نہ کرے ایسی باتیں کیوں منہ سے نکالتی ہو۔'' منیر نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

''آپ بھی مجھ پر ہی خفا ہونے لگے، دیکھا ؤں آج تک جو بھی رشتے آئے آپ کی بیٹی نے نا کسی وجہ کے سب کو منع کر دیا ورنہ عالیہ کے ساتھ اس کے فرض سے بھی فارغ ہو چکے ہوتے، ں نے کہہ دیا اس بار میں کسی کی نہیں سنوں گی ہی کروں گی جو مجھے بہتر لگے گا چاہے آپ میرا ساتھ دیں یا نہ دیں، میں کل ہانیہ کو اس رشتے کا بتا یتی ہوں۔'' نزہت ہانیہ کے نخروں سے بہت زیادہ ہی تنگ آ چکی تھیں اس لئے منیر کو بھی دھمکی گا دی۔

''اچھا ٹھیک ہے بھی لیکن تم خود بات نہ کرنا عالیہ سے کہنا وہ بات کر لے بہنیں ایسے معاملات یں زیادہ بہتر طریقے سے بات کر سکتی ہیں اور مجھا بھی سکتی ہیں۔'' نزہت کے غصے کو دیکھتے وئے منیر نے مصالحت کا راستہ اپنایا۔

''چلیں یہ بھی کر کے دیکھ لیتے ہیں۔'' زہت کے آسانی سے مان جانے پر منیر نے شکر دا کیا۔

''چلو اب سکون سے سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو بہت تھکن محسوس ہو رہی ہے۔'' منیر نے معاملہ سمیٹتے ہوئے کہا نزہت خود بھی تھکن حسوس کر رہی تھی اس لئے بنا کچھ کہے کپڑے لنے باتھ روم میں چلی گئیں۔

☆☆☆

منیر احمد ایک سرکاری محکمے میں اچھی پوسٹ تھے، سالوں پہلے وراثت میں ملے گھر کو روخت کر کے انہوں نے اس نئی بننے والی کالونی یں زمین خرید کر گھر بنوالیا تھا اب تو یہ علاقہ بہت لی کر چکا تھا اور شہر کے پوش علاقوں میں شمار نے لگا تھا، منیر احمد کے تین بچے تھے سب سے فرحان تھا جو پڑھ لکھ کر اچھے عہدے پر کام کر تھا دوسرے نمبر پر عالیہ تھی جس نے ماسٹرز کیا تھا دو سال پہلے ہی منیر دونوں بچوں کی شادی سے فارغ ہوئے تھے، تیسرے نمبر پر ہانیہ تھی دونوں بہن بھائیوں کے برعکس اسے پڑھائی لکھائی میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں تھی مارے باندھے گریجوایٹ تو کر لیا تھا لیکن آگے پڑھنے کا اس کا بالکل بھی کوئی ارادہ نہیں تھا اور یہ بات وہ صاف صاف گھر والوں کو کہہ بھی چکی تھی۔

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا ارے ایسی کہاں کی رانی مہارانی ہو بی بی جو تمہیں تعلیم کی ضرورت نہیں۔''

''آگے کیوں نہیں پڑھنا چاہتی؟'' کے جواب میں ہانیہ کا لاپرواہی سے ''مجھے ضرورت نہیں'' کہنا تو غضب ہی ڈھا گیا اور پھر نزہت نے ہانیہ کی وہ کلاس لی کہ لاڈ پیار میں پلی ہانیہ زور وشور سے رونے لگی ماں ہمیشہ باپ کے مقابلے میں اس کے ساتھ سخت رہی تھی مگر آج جیسی بات تو پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اس لئے رونا تو بنتا ہی تھا، کئی دن اسی بحث میں گزر گئے نہ منیر کا سمجھانا کام آیا نہ نزہت کا غصہ کوئی اثر دکھا سکا ہانیہ نے نہ پڑھنے کی جو ضد لگائی تو آخر اپنی بات منوا کر ہی دم لیا، انہوں نے منیر کے سمجھانے پر ہانیہ سے ناراضگی تو ختم کر لی تھی لیکن انہوں نے اسی دن فیصلہ کر لیا تھا کہ جیسے ہی کوئی مناسب رشتہ ملا وہ ہانیہ کی شادی کر دیں گی، نزہت کو اپنی اس نکمی بیٹی کی بہت زیادہ فکر تھی وہ ایک حقیقت پسند ماں تھیں جانتی تھیں کہ آج کے دور میں صرف اچھی صورت اور شریف خاندان ہونا کافی نہیں، بلکہ لڑکی کا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا بھی بہت ضروری تھا، لیکن ہانیہ نے تو جیسے انہیں پریشان کرنے کی ٹھان لی تھی جب ان کی بہن نے اپنے لائق فائق بیٹے کے لئے لاڈلی بھانجی کا ہاتھ مانگا تو وہ سجدہ شکر بجا لائیں، پہلا ہی رشتہ اتنا اچھا آ جائے گا

انہیں بالکل بھی امید نہ تھی ابھی وہ ٹھیک سے خوش بھی نہ ہو پائی تھی کہ ہانیہ نے ایک اور بم پھوڑا۔

''مجھے حارث سے شادی نہیں کرنی۔'' ہانیہ نے رشتے کا سنتے ہی بڑے آرام سے انکار کر دیا سب اس انکار کی وجہ جاننے کو بے چین تھے مگر کوئی وجہ ہوتی تو وہ بتاتی، نزہت سر پکڑ کر بیٹھ گئیں سب کے سمجھانے کے باوجود ہانیہ کی ناں ہاں میں نہ بدلی۔

''آخر کوئی وجہ ہوگی جو اس نے انکار کیا ورنہ اتنی بھی ناسمجھ نہیں ہے ہماری بیٹی کہ اپنا اچھا برا نہ سمجھ سکے تم اس رشتے سے انکار کر دو۔'' منیر ایک بار پھر اپنی لاڈلی کی مدد کو آئے اور بیوی کو سمجھانے لگے تو آخر نزہت نے بجھے دل سے بہن سے معذرت کر لی، یہ سلسلہ وہیں نہیں رکا تھا اس کے بعد ایک کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا رشتہ بھی ہانیہ میڈم نے اتنی ہی بے نیازی کے ساتھ لوٹا دیا تو نزہت کے ساتھ ساتھ فرحان اور عالیہ بھی فکر مند ہو گئے انہیں اب لگنے لگا تھا کہ شاید ہانیہ ابھی سمجھدار نہیں ہوئی یا کسی وجہ سے اس معاملے میں کنفیوز ہے اور وہ اپنی زندگی کا یہ فیصلہ بھی نہیں کر پائے گی اس لئے اب وہ دونوں بھی ماں کے حامی بن گئے تھے بس ایک منیر صاحب ہی تھے جو ابھی بھی ہانیہ سے کوئی اچھا فیصلہ کرنے کی امید لگائے بیٹھے تھے۔

☆☆☆

''اٹھ جاؤ نکمی لڑکی اب تو دن بھی آدھے سے زیادہ گزر گیا ہے۔'' رات دیر تک وہ فائزہ کے ساتھ موبائل پر گپیں لگاتی رہی تھی یہی وجہ تھی کہ صبح ناشتے کے لئے بھی اس سے نہیں اٹھا گیا تھا اور اب عالیہ نے اس پر سے چادر کھینچی تو وہ بمشکل آنکھیں کھول پائی لیکن پھر عالیہ کو سامنے دیکھ کر اس کی ساری نیند غائب ہو گئی اور وہ چھلانگ لگا کر بستر پر بیٹھ گئی، عالیہ سے ملتے ہوئے اس نے مایا کو اس کی گود سے لے لیا۔

''کیسی ہے میری گڑیا؟'' وہ بھانجی کو گلے لگاتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی ایک سالہ گول مٹول سی مایا بھی خالو کو بہت اچھے سے پہچانتی تھی اور اس کی گود میں بیٹھی توتلی زبان میں بہت کچھ ایک ساتھ بولنے کی کوشش کرنے لگی تو اس کے اس طرح بولنے پر دونوں بہنوں کو بے اختیار ہنسی آ گئی ان کی اس طرح ہنسنے پر مایا نے ناراضگی سے انہیں دیکھا تو وہ دونوں لب بھینچ کر ہنسی روکنے کی کوشش کرنے لگیں ورنہ اپنی بات کا مذاق اڑائے جانے پر مایا اپنا باجا بجانا شروع کر دیتی۔

''آپ کے ٹام کروز ساتھ نہیں آئے؟'' ہانیہ کو بہنوئی کا خیال آیا تو شرارت سے پوچھنے لگی۔

''شرم کرو بڑے بہنوئی ہیں تمہارے کبھی تو عزت سے بات کر لیا کرو۔'' عالیہ نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا تو ہانیہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''اس سے زیادہ اور کیا عزت دوں؟ ارے آپ کیا جانیں آج بھی ایک دنیا مرتی ہے ٹام کروز پر۔'' ہانیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''وہ ہمیں چھوڑ کر گئے ہیں کچھ کام تھا تھوڑی دیر میں لینے آئیں گے تب بیٹھیں گے۔'' عالیہ نے ارسلان کے بارے میں بتایا۔

''کیا مطلب آپ ابھی سے واپس چلی جائیں گی؟ نہ جی یہ تو نہیں ہو سکتا پورے پندرہ دن بعد شکل دکھائی ہے اور اتنی جلدی واپسی، ایسا تو کبھی نہیں ہو سکتا دو چار دن رک کر جائیں میاں جی کو بھی کچھ قدر آئے اور سسرال میں بھی اہمیت بنے سمجھا کریں آپی۔'' ہانیہ نے بڑی چالاکی سے عالیہ کو رکنے پر راضی کرنے کی کوشش

''اپنی سمجھداری اپنے تک ہی رکھو، بہن کو
بڑے مشورے دینے کی کوئی ضرورت نہیں
'' نزہت نے کمرے میں داخل ہوتے
ہانیہ کی بات سن لی تھی تبھی عالیہ کی جگہ خود
ہانیہ کو جواب دینے لگیں اس بے سبب (ہانیہ کے
خیال میں)'' ڈانٹ پر ہانیہ نے مدد طلب نظروں
سے بہن کی طرف دیکھا تو وہ کندھے اچکاتے
ہوئے مسکرا دی۔

''لاؤ اسے مجھے دو اور ارسلان کے آنے
سے پہلے تم اس سے وہ بات کر لو جس کے لئے
خاص طور سے سب چھوڑ چھاڑ کر آئی ہو۔''
نزہت نے مایا کو اس کی گود سے لیتے ہوئے عالیہ
کو مخاطب کیا۔

''جی امی کر لیتی ہوں آپ فکر نہ کریں۔''
عالیہ نے ان کی تسلی کرائی جبکہ ہانیہ اس ساری
گفتگو کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے
الجھی ہوئی نظروں سے ماں اور بہن کو دیکھے جا
رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' ماں کے باہر جاتے ہی ہانیہ
پوچھنے لگی۔

''شمسہ آنٹی نے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔''
عالیہ نے اِدھر اُدھر گھمانے کی بجائے سیدھی بات
کی۔

''اوہ اچھا تو یہ بات ہے، اب سمجھ آئی۔''
ہانیہ اس کی بات سن کر گردن ہلاتے ہوئے بولی تو
عالیہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اب مجھے سمجھ آئی کہ شادی میں شمسہ آنٹی کو
مجھ پر اتنا پیار کیوں آ رہا تھا میرے ساتھ خاص
طور پر تصاویر بھی بنوائیں اور وہ عمیر کتنا گھور گھور
کے دیکھ رہا تھا اور بلاوجہ بتیسی بھی دکھا رہا تھا۔''
ہانیہ کے بات کرنے کا انداز ایسا تھا کہ عالیہ
مسکرائے بنا نہیں رہ سکی۔

''امی ابو کو یہ رشتہ بہت پسند ہے اب تمہاری
رائے جاننے کے لئے مجھے یہاں بلوایا ہے۔''
عالیہ نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''تو یہ بات تو امی خود بھی مجھ سے پوچھ سکتی
تھیں اس کے لئے اسپیشلی آپ کو بلوانے کی بھلا
کیا ضرورت تھی، خیر آپ ان کو بتا دیں کہ میں
نے عمیر سے شادی نہیں کرنی۔'' ہانیہ کے اطمینان
سے دیئے گئے اس جواب نے عالیہ کا اطمینان
رخصت کر دیا۔

''دیکھو ہانیہ تم اب بچی نہیں رہیں۔'' عالیہ
نے بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے گویا اطلاع
دی۔

''اچھا اور؟'' ہانیہ نے ہتھیلی پر ٹھوڑی ٹکاتے
ہوئے غیر سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہانی بی سیریس پلیز، اس بار امی ہی نہیں
ہم سب بھی تمہارا انکار سننے کے موڈ میں نہیں
ہیں۔'' عالیہ نے اسے معاملے کی سنجیدگی کا
احساس دلانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ یعنی آپ لوگ
میرے ساتھ زبردستی کریں گے؟'' ہانیہ نے اپنی
بڑی بڑی آنکھوں کو حیرت سے مزید پھیلاتے
ہوئے سوال کیا۔

''اگر تم نے بنا کوئی مناسب وجہ بتائے
انکار کیا تو سمجھ لو کہ زبردستی بھی کر سکتے ہیں۔''
عالیہ نے دانستہ لہجے کو سخت بناتے ہوئے کہا وہ
ماں کو مزید پریشان ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی اور
ہانیہ سے نرم لہجے میں بات کرنے کا مطلب ہوتا
اس بار بھی بلاوجہ کا انکار۔

''بولو ہانیہ، کیا مسئلہ ہے اگر تم کسی کو پسند
کرتی ہو تو بھی تم مجھے بتا سکتی ہو۔'' اس نے ہانیہ کو
خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے دیکھا تو اس سے وہ

سوال کیا جو آج کل ان سبھی کے ذہن میں بار بار آ رہا تھا۔

''اف یہ کیا اوٹ پٹانگ باتیں سوچ رہی ہیں آپ، ایسا کچھ نہیں ہے بھئی۔'' ہانیہ اس سوال پر جھنجھلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے میں امی سے کہہ دیتی ہوں وہ شمسہ آنٹی کو ہاں کر دیں۔'' ہانیہ کے ری ایکشن سے عالیہ کے سر سے منوں بوجھ سرک گیا ورنہ اس کو اکثر یہ خیال ستاتا تھا کہ کہیں ہانیہ اپنی بے عقلی میں کسی ایسے ویسے لڑکے کو پسند کیے نہ بیٹھی ہو جس کے بارے میں گھر والوں کا ماننا مشکل ہو اور اسی لئے ہانیہ گھر والوں کو اس کے بارے میں نہ بتا رہی ہو۔

''میں نے یہ تو نہیں کہا۔'' ہانیہ فوراً بولی۔

''تو پھر کیا کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو، جب تمہیں کوئی پسند بھی نہیں ہے تو پھر عمیر کا انکار کرنے کی کیا وجہ ہے؟'' عالیہ کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''مجھے ابھی کوئی پسند نہیں ہے لیکن جب کوئی پسند آ جائے گا تب اس سے شادی کرلوں گی اور آپ وعدہ کریں تب آپ میرا ساتھ دیں گی پلیز۔'' اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے آخر میں ہانیہ کا لہجہ التجائیہ ہو گیا۔

''اور وہ کون خوش نصیب ہو گا جسے میری پیاری بہنا پسند کرے گی؟'' اس بار عالیہ کا لہجہ دوستانہ تھا۔

''وہ تو مجھے بھی ابھی نہیں پتا، جب کوئی ملے گا بتا دوں گی۔'' ہانیہ نے جواب دیا۔

''مگر کچھ تو پتا تو چلے وہ کون سی خوبیاں ہیں جو تمہیں ابھی تک کسی بھی لڑکے میں دکھائی نہیں دیں؟'' عالیہ کے اس سوال پر ہانیہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔

''بولو شاباش یقین کرو میں تمہاری ہیلپ کروں گی؟'' اسے ہچکچاتے دیکھ کر عالیہ نے یقین دہانی کرائی اور جواب میں ہانیہ نے جو کچھ کہا اسے سن کر پہلے تو عالیہ جی بھر کر حیران ہوئی اور پھر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

☆☆☆

''مجھے اس لڑکی سے ایسی ہی کسی احمقانہ سوچ کی امید تھی۔'' عالیہ نے ماں کو ہانیہ کی پسند بتائی تو وہ بے اختیار سر تھام کر رہ گئیں۔

''اب بتاؤ بھلا ساری دنیا ہینڈسم داماد ڈھونڈتی ہے اور ہماری لاڈلی کی ڈیمانڈ ہے ایک کم صورت یا بدصورت انسان، کبھی دنیا میں کسی کے منہ سے ایسی انوکھی بات سنی آپ نے؟'' عالیہ سے بات کرتے کرتے اب وہ منیر سے پوچھ رہی تھیں جو خود بھی کچھ الجھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

''مگر بیٹا اس پسند کی کوئی وجہ بھی تو بتائی ہو گی اس نے تمہیں۔'' منیر، نزہت کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے عالیہ سے پوچھ رہے تھے۔

''جی اس کا کہنا ہے کہ ہینڈسم اور اچھی شکل وصورت کے مرد اچھے شوہر نہیں ہوتے اور نہ بیوی کے وفادار ہوتے ہیں۔'' ہانیہ کی کہی سب باتیں باپ کے سامنے دہرانا ممکن نہ تھا اس لئے وہ مناسب لفظوں میں ساری بات کہہ گئی۔

''میری تو سمجھ میں یہ نہیں آتا ایسی بیکار باتیں اس کے ذہن میں آ کیسے جاتی ہیں آخر؟ تم نے اس سے پوچھا نہیں آخر ایسے مرد کہاں دیکھے ہیں اس نے اور کن باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے؟'' نزہت کو سمجھ نہ آ رہی تھی کیسے بیٹی کے دماغ سے یہ خناس نکالیں۔

''میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی امی لیکن آپ جانتی ہیں جو بات اس کے ذہن

میں بیٹھ جائے پھر وہ کہاں کسی کی سنتی ہے۔'' عالیہ نے اپنی بے بسی بیان کی کیونکہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ نزہت اسے پھر سے ہانیہ کو سمجھانے کی ڈیوٹی دیں وہ اپنی ہر کوشش کر چکی تھی۔

''اگر وہ ایسا ہی چاہتی ہے تو میرے خیال میں اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔'' منیر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ چکے تھے تبھی تحمل سے بولے۔

''آپ کا مطلب ہے کہ اس بیکار ضد میں بھی آپ اپنی لاڈلی کا ساتھ دیں گے؟'' نزہت کو منیر سے اس ناسمجھی کی امید نہ تھی تبھی حیران ہوتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''بے کار ضد تو یہ تمہارے لئے ہے وہ تو اس معاملے میں بہت سنجیدہ ہے کیا تمہیں اس کے اب تک کے رویے اور عالیہ کی باتوں سے اندازہ نہیں ہو گیا؟'' منیر نے قائل کرنے والے انداز میں کہا تبھی گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا۔

''ارسلان آ گئے ہیں، میں دیکھتی ہوں۔'' عالیہ شوہر کی گاڑی کا ہارن پہچانتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی پیچھے پیچھے نزہت بھی کمرے سے نکل گئیں کہ داماد کو پروٹوکول دینے میں انہوں نے کبھی کوئی کمی نہیں رکھی تھی، ہر سمجھدار ماں کی طرح وہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں کہ بیٹی کی خوشیوں کا راز داماد کے خوش ہونے میں چھپا ہوتا ہے۔

☆☆☆

''تم کھانا کھانے نیچے کیوں نہیں آئی؟'' وہ اوندھے منہ بیڈ پر لیٹی ہوا میں ٹانگیں ہلاتی موبائل سے نکلتے سروں میں کھوئی ہوئی تھی جب عفت دروازے پر ہلکی سی دستک دیتی اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''مجھے بھوک نہیں ہے۔'' نند بھابھی کے رشتے کے باوجود عفت کی فطرت ایسی تھی کہ وہ عالیہ کی طرح عفت سے بھی نخرے اٹھوا لیا کرتی تھی۔

''اب کیا ہوا؟ منہ کیوں سوجا ہوا ہے؟'' عفت ہانیہ کے انداز پر مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''جو شام کو قہقہے لگائے تھے سب نے مل کر یہاں تک آواز آ رہی تھی۔'' اس نے ناراض لہجے میں شکوہ کرنے پر عفت نے بمشکل اپنی ہنسی روکی اس وقت ہنس کر وہ ہانیہ کا موڈ اور زیادہ خراب کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی سب کھانے کی ٹیبل پر ان دونوں کے منتظر تھے۔

''ہاں وہ ارسلان بھائی نے اتنے مزے کے لطیفے سنائے کہ کوئی بھی ہنسے بنا نہیں رہ سکا۔'' عفت نے بات بنانے کی کوشش کی۔

''اس وقت تک ارسلان بھائی آئے بھی نہیں تھے، اچھی طرح معلوم ہے مجھے کس بات پر ہنس رہے تھے آپ سب۔'' ہانیہ نے عفت کی کوشش کو ناکام بنا دیا۔

''اچھا یار یہ سب باتیں بعد میں کریں گے ابھی تم نیچے چلو فٹافٹ سب لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔'' عفت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

''میں نہیں جاتی مجھے دیکھ کر پھر سب ہنسیں گے۔'' ذہن میں اٹھتے خدشات کو بیان کرتی وہ بیچارگی سے بولی تو عفت اس بار اپنی ہنسی نہیں روک پائی۔

''جھلی ہو بالکل کوئی نہیں ہنسے گا میں ہوں ناں تمہارے ساتھ۔'' عفت نے اس کا حوصلہ بڑھایا تو وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگی، کھانے کی ٹیبل پر وہ لاشعوری طور پر منتظر ہی رہی، کہ اس کی شادی کے بارے میں کوئی بات ہو لیکن سب روزمرہ کی

باتوں میں مصروف رہے یوں جیسے ہانیہ نے کوئی بات بھی نہ کی ہو سب کچھ نارمل دیکھ کر ہانیہ نے سکون کا سانس لیا اور دل جمی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

ہانیہ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آئی تبھی اس کا موبائل بجنے لگا اس نے موبائل اٹھا کر سکرین دیکھی تو فائزہ کالنگ لکھا دیکھ کر اس کے چہرے سے ناراضگی جھلکنے لگی کچھ لمحے وہ سوچتی رہی کہ فون اٹھایا جایا یا نہیں لیکن جب فون لگاتار بجتا چلا گیا تو آخر ہانیہ نے کال ریسیو کر ہی لی۔

''خیال آ گیا تمہیں میرا؟'' چہرے پر نظر آتی ناراضگی لہجے میں اتر آئی تو دوسری طرف فائزہ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی وہ اس سے اسی رویے کی امید کر رہی تھی۔

''سوری یار آج میری پریزینٹیشن تھی اتنا تھک گئی کہ گھر آتے ہی بستر پر گری اور ایسا سوئی کہ اب امی کے جگانے پر بڑی مشکل سے آنکھ کھلی ہے۔'' فائزہ نے معذرت کی۔

''پورے پانچ بار کال کی تھی میں نے۔'' ہانیہ کی ناراضگی اتنی آسانی سے جانے والی نہیں تھی۔

''موبائل سائلنٹ پر نہ ہوتا تو تمہاری کال پر ضرور ہی جاگ گئی ہوتی اب تم یہ سب چھوڑ اور یہ بتاؤ کہ آخر کس وجہ سے مابدولت کو اتنی بے چینی سے یاد کیا جا رہا تھا۔'' فائزہ نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ہلکا پھلکا انداز اپنایا۔

''بات تو بہت خاص تھی لیکن ابھی مجھے بہت نیند آ رہی ہے تو کل بات کرتی ہوں تم سے۔''

فائزہ اس کی واحد اور بہت ہی پکی والی دوست تھی، ہانیہ جو دوپہر عالیہ سے بات ہونے کے بعد سے فائزہ کے ساتھ سب کچھ شیئر کرنے کو بے چین تھی اب اس کی بے چینی کا لطف لینا چاہ رہی تھی بھی بات اگلے دن پر ٹال دی اور پھر فائزہ کے لاکھ کہنے پر بھی ہانیہ نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اگلے دن ملنے کا وعدہ کرتے ہوئے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا، فون بند کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی بچپن کی دوستی تھی وہ اچھے سے جانتی تھی کہ فائزہ کے لئے کل تک کا وقت کیسا گزرنے والا تھا۔

فائزہ اور ہانیہ کی دوستی کب ہوئی کیسے ہوئی انہیں خود بھی یاد نہ تھا، گھر والوں نے بتایا تھا کہ جب وہ دونوں ابھی پنگوڑے میں تھیں تب بھی ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہو جایا کرتی تھیں اور پھر جیسے جیسے ان کی عمر بڑھتی گئی ان کا سارا وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزرنے لگا دراصل ان کے والدین ایک دوسرے کے ہمسائے ہی نہیں دوست بھی تھے بلکہ ان کی دوستی اور آپس کا میل جول اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ بہت سے لوگ انہیں قریبی رشتے دار سمجھتے تھے، ابھی ہانیہ سکول میں تھی جب اس کی فیملی اپنا پرانا گھر فروخت کر کے اس نئی کالونی میں آ بسی ہانیہ کو جہاں نئے گھر جانے کا اشتیاق تھا وہیں وہ فائزہ سے دور ہو جانے کا سوچ کر کئی بار روئی بھی تھی اور آنسو بہانے میں فائزہ نے بھی اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا ان کا رونا دھونا دیکھ کر فرحان نے ان کا خوب ہی ریکارڈ لگایا تھا، ان کے نئے گھر میں آ جانے کے بعد کچھ عصہ تو دونوں سہیلیاں بہت اداس اور بے چین رہیں کہ اب وہ ایک دوسرے کے گھر کے دن میں دس چکر نہیں لگا سکتی تھی مگر پھر گزرتے وقت کے ساتھ دونوں نے حالات سے سمجھوتا کر لیا اب ان کی ملاقات صرف سکول میں یا پھر ویک اینڈ پر ہوا کرتی باقی کی کسر وہ

...ں روزانہ لمبی لمبی کالز کے باعث اپنے ... ین کی اپنے سے وابستہ امیدوں کا بہت اچھی ... اندازہ تھا اس لئے بجھے دل کے ساتھ ہی ... ہی لیکن اس نے ہانیہ کے بغیر ہی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا، اگلے دن فائزہ سے ہونے والی ملاقات کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ ...ھ ہی دیر میں نیند کی وادیوں میں اترتی چلی گئی۔

☆☆☆

سب لوگ ناشتے کے لئے بیٹھے ہوئے تھے عفت کچن اور ڈائننگ ہال کے درمیان بھاگ دوڑ میں لگی ہوئی تھی کہ سب کو گرما گرم اور اپنی اپنی پسند کا ناشتہ چاہیے ہوتا تھا، نوراں (کام والی) جو ...بجے کے بعد آتی تھی اس لئے ناشتے کی ساری ذمہ داری عفت پر ہی تھی اور وہ پچھلے تین سالوں سے بڑی خندہ پیشانی سے اسے نبھاہ رہی تھی عفت ان لڑکیوں میں سے تھی جن کی ساری زندگی ان کے گھر اور گھر والوں کے گرد گھومتی ہے یہی وجہ تھی کہ وہ نہ صرف شوہر کے دل پر راج کرتی تھی بلکہ سسرال میں سبھی اسے بے حد پسند کرتے تھے حتیٰ کہ گھر کے سبھی فیصلوں میں نہ صرف یہ کہ اس کی رائے لی جاتی تھی بلکہ مانی بھی جاتی تھی یوں باہمی تعاون اور احترام نے اس گھر کو گھر والوں کے لئے جنت بنا رکھا تھا۔

''بھئی دیکھنا کہیں آج سورج مغرب سے تو نہیں نکلا۔'' ہانیہ کے زور وشور سے کیے گئے سلام پر سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے ...ور اس کے اتنی جلدی جاگنے اور ناشتے کے لئے آنے پر تھوڑا حیران ہوتے ہوئے سب نے سلام کا جواب دیا تھا جبکہ فرحان مسکراتے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔

''یہی سمجھ لیجئے۔'' ہانیہ نے مسکراتے ہوئے ...عان کی بات کا جواب دیا اور اپنی کرسی سنبھال لی۔

''بیٹا کہیں جانا ہے کیا؟'' اس کی تیاری کو دیکھتے ہوئے منیر نے سوال کیا۔

''جی ابو مجھے یونیورسٹی جانا ہے۔'' اس نے بریڈ پر جیم لگاتے ہوئے کہا اور اپنے کپ میں چائے ڈالنے لگی۔

''اب اگر ناشتے کے لئے آ ہی گئی ہو تو ڈھنگ سے ناشتہ کر لو، ٹھہرو میں تمہارے لئے پراٹھا بنا کے لاتی ہوں۔'' نزہت نے اسے بریڈ اٹھاتے دیکھ کر ٹوکا اور کرسی سے اٹھنے لگیں کیونکہ ہانیہ کو اپنی ماں کے ہاتھ کا بنا پراٹھا بے حد پسند تھا اور وہ فرمائش کر کے انہی سے اپنے لئے پراٹھا بنوایا کرتی تھی۔

''نہیں امی رہنے دیں ابھی بالکل بھی موڈ نہیں، ویسے بھی آج فائزہ کا پرس خالی کرواؤں گی۔'' ہانیہ نے مسکراتے ہوئے ماں کو اٹھنے سے روک دیا۔

''بھائی آپ مجھے یونیورسٹی ڈراپ کر دیں پلیز۔'' اب وہ فرحان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''بالکل کروں گا اگر تم دو منٹ میں ریڈی ہو جاؤ تو۔'' فرحان نے چائے کا آخری سیپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

''دو نہیں بس ایک منٹ میں اپنا پرس لے آؤں۔'' وہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

''ارے چائے تو ختم کر لیتی۔'' نزہت نے پیچھے سے پکارا۔

''فائزہ کے ساتھ پی لوں گی امی۔'' وہ جواب دیتی کمرے میں چلی گئی۔

''بچی ہے بالکل۔'' اس کے اس طرح دوڑ کر جانے پر منیر مسکراتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولے تو فرحان اور نزہت بھی مسکرا دیئے۔

''چلیں بھائی میں تیار ہوں۔'' وہ واقعی ایک منٹ میں فرحان کے سامنے کھڑی تھی کیونکہ جانتی تھی فرحان کو آفس سے لیٹ ہونا بالکل بھی پسند نہیں تھا اور اگر وہ اسے ساتھ لے کر نہ جاتے تو پھر اسے رکشہ، ٹیکسی کے چکر میں پڑنا پڑتا۔

کچھ ہی دیر میں وہ فرحان کے ساتھ کار میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی بچوں جیسے اشتیاق سے باہر تیزی سے پیچھے بھاگتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔

''بچی ہے بالکل۔'' اسے کچھ دیر پہلے کہے باپ کے الفاظ یاد آئے تو لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ جگمگانے لگی۔

فرحان اسے فائزہ کے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے اتار کر چلا گیا تو ہانیہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے فائزہ کو تلاش کرنے لگی جب اسے فائزہ کہیں دکھائی نہیں دی تو اس نے بیگ سے موبائل نکالا اور فائزہ کا نمبر ملا دیا دوسری بیل پر ہی کال کاٹ دی گئی۔

''یار تھوڑا سا ویٹ کرو میں آتی ہوں۔'' چند لمحوں میں فائزہ کا میسج آ گیا۔

''گراؤنڈ یا کینٹین میں بیٹھ جاؤ میں وہیں آتی ہوں۔'' دوسرا میسج آیا تھا۔

''مشورے کا شکریہ جلدی آنا۔'' ہانیہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا جس کے جواب میں فوراً ہی دانت نکالتا سمائلی آیا تھا ہانیہ نے موبائل بیگ میں ڈال دیا اور ڈیپارٹمنٹ کے گراؤنڈ کی طرف قدم بڑھا دیئے، جلد ہی اسے ایک بینچ دکھائی دے گیا جو ذرا سائیڈ پر تھا ہانیہ اپنا بیگ سائیڈ پر رکھتے ہوئے بینچ پر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

تیز تیز قدموں سے اپنے مطلوبہ ڈیپارٹمنٹ کی طرف جاتے ہوئے ہادی کی نظر بینچ پر اکیلی بیٹھی لڑکی پر پڑی تو اس کے بڑھتے قدموں کو بے اختیار سٹاپ لگا تھا۔

پنک اور وائٹ کنٹراس کے شلوار سوٹ میں ملبوس وہ لڑکی اسے اپنی طرف متوجہ کر گئی تھی اور اس حد تک متوجہ کر گئی تھی کہ وہ فون پر بات کرنا بھی بھول گیا تھا، دوسری طرف سے آتی، ہیلو ہیلو کی آواز پر ہادی کو فون کا خیال آیا تو اس نے بعد میں بات کرنے کا کہہ کر فون بند کر دیا اس کی نظریں لڑکی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جس کے چہرے پر ناراضگی اور بیزاری کے انداز اتنے واضح تھے کہ بے اختیار ہادی کا دل چاہا وہ اس کے پاس جا کر کچھ ایسا کہے کہ روٹھا وہ چہرہ مسکرا دے۔

اپنی اس سوچ پر وہ خود ہی مسکرا دیا تھا، بالوں میں ہیئر کیچ لگا کر کندھے تک آتے بالوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا تھا ہونٹوں پر لگی نیچرل پنک کلر کی لپ سٹک نے اس کے حسن کو نکھار دیا تھا، پنک دوپٹہ دونوں کاندھوں پر پڑا تھا ہادی اس کا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا بھی شاید اپنے چہرے پر جمی ہادی کی نظروں کو محسوس کرتے ہوئے ہانیہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور ہادی کو خود کو گھورتے پا کر اس کے چہرے اور آنکھوں سے شدید ناگواری جھلکنے لگی اور اس نے رخ موڑ لیا۔

فاصلے پر ہونے کے باوجود اس کے چہرے اور آنکھوں میں چھائی ناگواری کو بخوبی دیکھ سکتا تھا ہانیہ کے اس طرح رخ موڑنے پر ہادی کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، یہ شاید پہلی لڑکی تھی جس نے اسے دیکھ کر اتنی ناگواری سے رخ موڑا تھا اس بات نے ہادی کی دلچسپی اور روٹھی لڑکی میں اور بڑھا دی تھی، وہ بالکل بھول گیا کہ وہ یونیورسٹی کسی کام سے آیا تھا اور اسے یہاں سے فارغ ہو کر کہیں بہت ضروری پہنچنا تھا جہاں اس کی بہت اہم میٹنگ ہونے والی تھی، سب کچھ بھول کر وہ اس بینچ کی طرف بڑھا تھا۔

''ایکسکیوزمی۔'' ہانیہ کے قریب پہنچ کر اس نے بے حد شائستگی سے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔
''بڑی جرأت ہے آپ میں؟ یا یہ کہوں کہ بہت ہی ڈھیٹ ہیں آپ؟'' ہادی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ایکسکیوزمی کا جواب ان الفاظ میں ملے گا۔
''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوتا پوچھ رہا تھا۔
''مطلب یہ کہ دور سے گھور گھور کر دیکھنا کافی نہیں تھا جو آپ یہاں تک چلے آئے۔'' ہادی کے معصومیت بھرے سوال نے ہانیہ کو مزید تپا دیا تھا۔
''ایم سوری مگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے آپ کو دیکھ کر مجھے لگا کہ آپ کچھ پریشان ہیں اور میں اسی ارادے سے آپ کے پاس چلا آیا کہ شاید میں آپ کی کوئی مدد کرسکوں۔'' ہادی اس کی بات اور انداز پر تھوڑا بوکھلایا ضرور تھا لیکن اس نے اپنی بوکھلاہٹ کو ہانیہ پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا اور فوراً ہی مدبر بنا ہانیہ کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن یہ اس کی خام خیالی ہی تھی کہ مدد والی بات کر کے وہ ہانیہ کو شرمندہ کرسکتا تھا۔
''اوہ اچھا سوری مجھے پتا نہیں تھا کہ آپ این جی او چلاتے ہیں، آپ کی یہ این جی او صرف خوبصورت لڑکیوں کی مدد تک محدود ہے یا پھر لڑکوں اور بوڑھے بزرگوں کی بھی کچھ مدد کرتے ہیں آپ؟ ویسے ہی جنرل نالج کے لئے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ تو جیسے انگارے چبا رہی تھی۔
''دیکھئے محترمہ اب آپ زیادتی کر رہی ہیں کسی کو جانے سمجھے بنا ایسے الزامات لگانا کوئی اچھی عادت نہیں ہے، نقصان اٹھائیں گی آپ۔'' اپنی اس قدر بے عزتی کرنے پر ہادی کا برا منانا جائز تھا اور وہ برا مان بھی گیا تھا اسی لئے اس بار اس کا لہجہ ذرا سخت تھا۔
''ارے جائیں جائیں بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں آپ جیسے لڑکوں کو اللہ نے ذرا اچھی شکل وصورت کیا دے دی اسی کو ہتھیار بنا کر خوبصورت معصوم بیچاری لڑکیوں کو الو بناتے ہیں اور پھر بہانے بنا کر انہیں چھوڑ جاتے ہیں اور وہ بیچاری لڑکیاں ساری زندگی اس ناکام محبت کا غم اور اپنی ذات کی تذلیل کا احساس لئے یا تو مر مر کر جیتی رہتی ہیں یا پھر خودکشی کر لیتی ہیں۔'' ہانیہ نے اس کی بات کے جواب میں اچھی خاصی تقریر کر ڈالی، جذبات کی شدت سے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی اور یہ تو اس کے ساتھ ہمیشہ ہی ہوتا تھا غصہ کرتی تو ساتھ ہی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔
''مجھے نہیں پتا آپ کا پرابلم کیا ہے لیکن میں پھر یہی کہوں گا کہ آپ کو بہت بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے اور باقی لڑکیوں کا تو مجھے نہیں پتا لیکن آپ تو کہیں سے بھی خوبصورت اور معصوم نہیں لگ رہیں اور بیچاری تو خیر آپ ہو ہی نہیں سکتیں۔'' ہادی کی برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ بھی کھری کھری سنانے پر اتر آیا۔
''بالکل درست فرمایا مجھے بیچاری بننا بھی نہیں ہے۔'' ہانیہ نے شروع کے الفاظ پر غور کیے بنا جواب دیا تھا۔
''بہت بے وقوف اور جذباتی لڑکی ہیں آپ اینی ویز بائے۔'' ہادی افسوس سے گردن ہلاتا اپنی بات کہہ کر واپسی کے لئے پلٹ گیا اور اس کے جانے کے بعد ہانیہ کی سمجھ میں پوری بات آئی کہ وہ اسے کیا کہہ گیا تھا اس بدتمیز بدتہذیب (ہانیہ کی نظر میں) لڑکے کے پیچھے جا کر اپنی معصومیت اور خوبصورتی پر کیے اس کے کمنٹس کا

جواب دینے کا دل تو بہت چاہ رہا تھا لیکن تب تک ہادی کافی دور نکل گیا تھا اس لئے ہانیہ دل ہی دل میں اسے دو چار سنانے تک ہی محدود رہی تھی۔

ہادی کا موڈ اتنا زیادہ خراب ہو چکا تھا کہ وہ جو اپنی کزن سے ملنے کے لئے یونیورسٹی آیا تھا اسے ملے بنا ہی واپسی کے لئے کار میں آبیٹھا۔

''سٹوپڈ۔'' اس نے سر جھٹک کر ہانیہ کے خیال کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کی تھی اور تھوڑی دیر بعد ہونے والی میٹنگ کے بارے میں سوچنے لگا، یونیورسٹی سے نکل کر مین روڈ آنے تک وہ ہانیہ کو پوری طرح فراموش کر چکا تھا گاڑی میں اس کے پسندیدہ گانے کی آواز تھی اور ہونٹوں پر شوخ سیٹی کی دھن، نظریں سامنے نظر آتے راستے پر جمائے وہ آگے بڑھتا چلا گیا اتنا آگے کے ہانیہ اور اس کا خیال بہت پیچھے رہ گئے، وہ ایسا ہی تھا زندگی کو جی بھر کر جینے والا اور ہر آنے والے لمحے کا مسکرا کر کھلی بانہوں سے استقبال کرنے والا، برے دنوں اور بری یادوں کو ایک طرف رکھ کر خوش رہنے والا اسی لئے وہ چند منٹس میں ہی ہانیہ سے ہوئی تلخ کلامی کو بھول چکا تھا۔

☆☆☆

''سوسوری یار مجھے دیر ہوگئی۔'' ہانیہ کو وہاں بیٹھے ڈیڑھ گھنٹہ ہونے کو آیا تھا جب فائزہ تیز تیز بولتی اس پاس آبیٹھی۔

''بہت ناراض ہو ناں، معاف کر دو یار، اگلے ہفتے سے ایگزام سٹارٹ ہو رہے ہیں اور سر باقر کا سلیبس ابھی باقی تھا اس لئے انہوں نے اچانک کلاس لے لی ورنہ پہلے دو پیریڈ فری ہی تھے میرے؟'' فائزہ نے وضاحت دیتے ہوئے کہا، لیکن ہانیہ نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اس کی خاموشی شدید غصے کا پتا دے رہی تھی۔

''سوری پلیز۔'' فائزہ نے پھر سے معذرت کی۔

''اٹس اوکے۔'' اس بار ہانیہ نے جواب دے دیا لیکن لہجہ سنجیدہ ہی رہا اس کے اتنی آسانی سے مان جانے پر جہاں فائزہ نے سکون کا سانس لیا وہیں اس کی بے انتہا سنجیدگی اسے کھٹک بھی رہی تھی ایسے کسی بھی موقع پر وہ فائزہ پر جرمانہ عائد کرتی تھی پھر مانتی تھی اور اب سیدھا سادہ ''اٹس اوکے'' فائزہ کو بالکل بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''اچھا چلو کینٹین چل کر ناشتہ کرتے ہیں اور پھر ڈھیر ساری باتیں بھی۔'' فائزہ کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بنا کچھ بولے فائزہ کے ساتھ ساتھ قدم اٹھانے لگی۔

☆☆☆

''توبہ ہے یار بیچارے نے ایسا بھی کیا جرم کر دیا تھا جو تم نے اسے اتنا کچھ سنا دیا۔'' تھوڑی دیر بعد ناشتہ کرتے ہوئے ہانیہ نے اسے ہادی سے ہوئی باتوں کے بارے میں بتایا تو فائزہ کو اس انجانے بندے پر جی بھر کے ترس آیا تھا اور وہ اس بندے کی حالت کا تصور کرتے ہوئے ہنس رہی تھی لیکن پھر بھی ہانیہ کو ٹوکے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

''تو تمہارا مطلب ہے کہ میں اسے جرم کرنے کا موقع دیتی اور پھر ڈانٹتی؟'' ہانیہ نے نروٹھے پن سے سوال کیا۔

''اف میرا یہ بھی مطلب نہیں تھا بس میں یہ کہہ رہی تھی کہ انجان لوگوں سے بات کرتے ہوئے ذرا ہولا (ہلکا) ہاتھ رکھا کرو پتا نہیں اگلا بندہ کون ہو کیسا ہو، ایویں کسی مشکل میں نہ پڑ

جاؤ تم۔'' فائزہ نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے ساتھ ہی سمجھانے کی کوشش بھی کی فائزہ کے آخری الفاظ پر ہانیہ کو جیسے کچھ یاد آیا تھا اور اس کے چہرے پر پریشانی کی لکیر دکھائی دینے لگی۔

''اب کیا ہوا؟'' ہانیہ کے چہرے کے بدلتے تاثرات پر فائزہ نے سوال کیا۔

''تمہارے کہنے سے مجھے یاد آیا اس نے مجھے دھمکی دی تھی اس نے کہ تھا۔''

''تم نقصان اٹھاؤ گی۔'' ہاں یہی کہا تھا نا اس نے۔'' ہانیہ نے اپنی پریشانی کی وجہ بتائی۔

''ہائے سچ اس نے تمہیں ''تم'' کہہ کر بات کی بڑا ہی بدتہذیب انسان تھا بھئی ایک انجان لڑکی کو آپ کی بجائے تم کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔'' ہانیہ کے بتانے پر فائزہ بھی فکر مند ہوگئی تھی، لیکن ہانیہ کی پریشانی دور کرنے کو اس نے جان بوجھ کر ہلکا پھلکا انداز اپنایا تھا۔

''ہاں بدتمیز تو بہت تھا، پتا ہے مجھے کہنے لگا نہ تو تم معصوم ہو اور نہ ہی خوبصورت۔'' ہانیہ کو ایک بار پھر وہ بات یاد کر کے بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

''ہاہاہا، سچ اس نے ایسا کہا؟'' فائزہ کو بے اختیار ہنسی آئی تھی۔

''اور کیا کیا کہا؟'' ہانیہ کے گھورنے پر اس نے ہنسی کنٹرول کرتے ہوئے معصومیت سے سوال کیا۔

''اور جاتے جاتے مجھے بے وقوف اور جذباتی بھی کہہ گیا۔'' ہانیہ نے مزید بتایا۔

''اور پھر بھی تم کہہ رہی ہو کہ وہ انجان شخص تھا۔'' فائزہ نے بے حد معصوم لہجے میں سوال کیا۔

''ہاں اور کیا میں......'' اپنی رو میں اس کی باتوں کا جواب دیتی ہانیہ اس بار جواب دیتے دیتے رک گئی اور فائزہ کو گھورنے لگی تو ہانیہ کے اس طرح گھورنے پر فائزہ نے مصنوعی گھبراہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کان پکڑ لئے۔

''ویسے کیا تم اسے واقعی بالکل بھی نہیں جانتی، میرا مطلب ہے کہ تم نے اسے کبھی دیکھا بھی نہیں؟'' فائزہ نے اپنا سوال دہرایا اور ساتھ وضاحت بھی کر دی۔

''نہیں نا مجھے کیا پتا کون تھا، پوچھ تو ایسے رہی ہو جیسے میں پورے شہر کے لوگوں کو ان کے چہرے اور نام سے جانتی ہوں۔'' ہانیہ نے برا سا منہ بنایا۔

''اچھا دیکھنے میں کیسا تھا؟'' فائزہ نے اس خیال سے پوچھا کہ شاید وہ لڑکا اس کے اپنے ڈیپارٹمنٹ کا ہو تو وہ حلیے سے اسے پہچان سکتی تھی۔

''ویل ڈریسڈ، دراز قد، ڈارک براؤن بال اور ہاں آنکھیں بھی ڈارک براؤن ہی تھیں۔'' ہانیہ کے بے حد تفصیل سے حلیہ بتانے پر فائزہ معنی خیز انداز میں ہنسی۔

''اتنی دیر سامنے کھڑا رہا تو اسے لئے یاد رہ گیا۔'' ہانیہ نے جیسے وضاحت دی۔

''تو میں نے کیا کہا ہے بھلا؟'' فائزہ انجان بنی۔

''چلو خیر اب مجھے حیرت نہیں ہو رہی اتنا گڈ لکنگ بندہ تھا تو تمہارے ہاتھوں پہ درگت تو بننا ہی تھی۔'' فائزہ نے چائے کے کپ سے آخری سپ لیتے ہوئے کہا۔

''فضول باتیں نہ کرو، پہلے ہی میرا موڈ خراب کر دیا اس بندے نے۔'' ہانیہ نے سامنے رکھی پلیٹ سے سینڈوچ اٹھاتے ہوئے تنبیہ کی۔

''اچھا چھوڑو یہ سب وہ بات بتاؤ جس کے لئے میرا رات کاٹنا مشکل ہو گیا تھا۔'' فائزہ کے سوال پر ہانیہ کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''میں نے گھر والوں کو بتا دیا ہے کہ مجھے کیسے بندے سے شادی کرنا ہے۔'' ہانیہ نے فخریہ انداز میں بتایا گویا کہ کوئی قلعہ سر کر لیا ہو۔

''سچ۔'' اس کی بات سن کر فائزہ کا منہ کی طرف سینڈوچ لے جاتا ہاتھ وہیں تھم گیا اور وہ بے یقینی سے پوچھنے لگی۔

''مچ۔'' ہانیہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''اور اس کے باوجود تم اس وقت میرے سامنے بیٹھی ہو، میرا تو خیال تھا یہ بات سن کر انکل آنٹی فوراً سے پہلے تمہیں کسی مینٹل ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرا دیں گے یا کم از کم سائیکارٹسٹ کے پاس لے جانا تو بنتا ہی ہے نا؟'' فائزہ اب سینڈوچ کھاتے ہوئے اپنے نادر خیالات بیان کر رہی تھی۔

''سب تمہاری طرح عقل سے پیدل نہیں ہوتے۔'' ہانیہ نے بدلہ چکانے کی کوشش کی۔

''ویسے انکل آنٹی نے جواب کیا دیا؟'' فائزہ نے جوابی حملہ کرنے کی بجائے تجسس سے پوچھا۔

''کہنا کیا تھا بس میں نے آپی کے پوچھنے پر اپنی ڈیمانڈ بتا دی اور انہوں نے امی ابو کو بتا دیا۔'' ہانیہ نے عالیہ کے ہنسنے کے ذکر کو گول کرتے ہوئے جواب دیا۔

''اور عالیہ آپی ہنسی نہیں؟'' فائزہ اس کو اور اس کی فیملی کو بہت اچھے سے جانتی تھی اس لئے اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والی نہیں تھی۔

''نہیں تو اس میں ہنسنے کی بھلا کیا بات ہے۔'' ہانیہ نظریں چراتے ہوئے الٹا سوال کر رہی تھی۔

''قسم ہے؟ ذرا سا بھی نہیں ہنسیں؟'' فائزہ کی سوئی اسی ایک بات پر اٹک گئی تھی۔

''مروتم ہنسی تھیں بہت ہنسیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے میری بات تو گھر والوں تک پہنچ گئی ہے نا۔'' ہانیہ نے ہار مانتے ہوئے عالیہ کے ہنسنے سمیت اگلی بات بھی بتا دی۔

''یار مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ تمہاری اس بات کو کوئی اہمیت دیں گے۔'' فائزہ نے تبصرہ کیا۔

''اہمیت کیوں نہیں دیں گے؟ تم جانتی ہو نا ابو مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں اور یہ ابو ہی ہیں جن کی وجہ سے میں اب تک بچی ہوئی ہوں ورنہ امی تو کب کی مجھے کسی ایرے غیرے کے ساتھ رخصت کر چکی ہوتیں۔'' ہانیہ کے لہجے میں باپ کی محبت کا مان تھا۔

''ہاں آنٹی تو تمہاری ماں ہی نہیں ہیں نا دشمن ہیں تمہاری جو کسی ایرے غیرے کے ساتھ رخصت کر دیتیں اور اتنے اچھے اچھے لڑکوں کو ایرا غیرا کہتے ہوئے کچھ تو خدا کا خوف کھاؤ۔'' اس کی بات فائزہ کو بری لگی تھی۔

''سوری یار میرا یہ مطلب نہیں تھا، میرا مطلب تھا امی سے زیادہ ابو مجھے سمجھتے ہیں اور دیکھنا اس بار بھی وہ میرا ساتھ ضرور دیں گے۔'' فائزہ کے احساس دلانے پر وہ شرمندہ ہوتی وضاحت دینے لگی۔

''مجھے نہیں لگتا اس بار انکل تمہارا ساتھ دیں گے۔'' فائزہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''انشاء اللہ ضرور ساتھ دیں گے، تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو جانتی نہیں ابو مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں؟'' ہانیہ کو باپ پر خود سے بڑھ کر یقین تھا۔

''جانتی ہوں تبھی تو کہہ رہی ہوں وہ اتنی بڑی بے وقوفی میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتے۔'' فائزہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

''چلو تم دیکھ لینا جو میں چاہوں گی وہی ہو گا۔'' ہانیہ نے اس فضول کی بحث کو سمیٹتے ہوئے

ہما اور فائزہ کے امی ابو کی خیریت پوچھنے لگی۔

موضوع بدلتا رہا ان کی باتیں چلتی رہیں اس طرح کئی گھنٹے ایک ساتھ گزار کر اور ساتھ میں لنچ کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئیں۔

☆☆☆

دن بھر کا تھکا ہارا ہادی کچھ دیر پہلے ہی گھر پہنچا تھا ڈنر وہ راستے میں ہوٹل سے کرتا ہوا آیا تھا نہا دھو کر فریش ہوا تو سڑونگ سی چائے کی خواہش اسے کچن تک لے آئی، ویسے تو کام کے لئے اس نے ایک ملازم رکھا ہوا تھا جو چوبیس گھنٹے اس کے گھر میں رہتا تھا، گھر اور ہادی کے سبھی کام منظور ہی دیکھتا تھا لیکن اس نے منظو کو کہا ہوا تھا کہ۔

''اگر میں نو بجے گھر نہ پہنچوں تو تم اپنے کوارٹر میں چلے جانا۔'' رات میں چائے کافی وہ خود بنالیا کرتا تھا۔

''آج تو ماما سے بھی بات نہیں ہوئی۔''

اسے اچانک یاد آیا کہ دن بھر کی مصروفیت میں سے وقت نکال کر وہ دو یا تین بار ماں سے بات ضرور کیا کرتا تھا یہ اس کی ہمیشہ کی روٹین تھی جب وہ پڑھائی کے دنوں میں ہاسٹل رہتا تھا تب بھی وہ اب سے دو تین بار بات کیے بنا اس کا دن نہیں گزرتا تھا یوں تو وہ اپنے باپ (واجد) کے بھی کافی قریب تھا لیکن ماں کے ساتھ جو اس کا رشتہ تھا وہ صرف ماں بیٹے کا نہیں بلکہ دوستی کا بھی تھا، بہت سوشل تھا اس کے ڈھیر سارے دوست تھے جو دوستی ماں سے تھی اس کا کوئی بدل نہ تھا چائے کی چسکیاں بھرتا ہادی اسی بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے اپنے موبائل کی بیل سنائی دی، اس نے فون اٹھایا تو موبائل کی سکرین پر ماما کے الفاظ دیکھ کر اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''دل کو دل سے راہ ہوتی ہے ابھی میں آپ کو ہی یاد کر رہا تھا اور آپ کی کال آ گئی۔'' سلام دعا کے بعد وہ محبت بھرے لہجے میں بتانے لگا تو دوسری طرف کوکب بھی مسکرا دی۔

''اچھا یہ بتاؤ وہ چیزیں پہنچا دی تھی تم نے ریحانہ آپی کے گھر۔'' ایک دوسرے کی خیریت پوچھنے کے بعد کوکب اچانک خیال آنے پر پوچھنے لگیں۔

''سوری ماما آج بہت بزی رہا آنٹی کی طرف نہیں جا سکا، ان کا گھر بھی تو یہاں سے بہت دور ہے نا دو گھنٹے تو جانے میں ہی لگ جاتے ہیں۔'' وہ شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

''بیٹا جی شاید آپ بھول رہے ہیں اسی سفر کی وجہ سے میں نے ڈیسائیڈ (فیصلہ) کیا تھا کہ تم یونیورسٹی جا کر فائزہ کو سب چیزیں دے آؤ گے، یونیورسٹی تو تمہارے آفس کے راستے میں پڑتی ہے وہاں بھی نہیں جا سکے؟'' کوکب نے یاد دلاتے ہوئے سوال کیا۔

''گیا تو تھا مام مگر......'' ماں کے سوال پر اسے صبح والی بدتمیز لڑکی پھر سے یاد آ گئی تو وہ کچھ کہتا کہتا رک گیا۔

''مگر کیا؟'' کوکب نے پوچھا تو جواب میں ہادی نے ساری تفصیل سنا دی۔

''شاید اس کا موڈ خراب ہوگا یا پھر اس کی زندگی میں کوئی تلخ تجربہ رہا ہوگا تبھی اس نے اس طرح ری ایکٹ کیا۔'' کوکب پہلے تو ہنس دیں پھر تجزیہ کرتے ہوئے کہنے لگیں۔

''آپ ہمیشہ ہر نیگیٹو میں سے کچھ پازیٹو تلاش کر لیتی ہیں۔'' ہادی کے لہجے میں ماں کے لئے پیار ہی پیار تھا۔

''اچھی زندگی گزارنے کا راز مثبت سوچ میں ہی چھپا ہوتا ہے بیٹا جی۔'' کوکب نے

مسکراتے ہوئے جواب دیا، کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد جب فون بند ہوا تو ایک بار پھر ہادی کے ذہن کے پردے پر ہانیہ کا عکس لہرانے لگا اور اس بار اس کا ذہن ہانیہ کی آنکھوں میں جمع ہوتے آنسوؤں کو فوکس کر رہا تھا ہادی کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا۔

''ہو گی کوئی بات مجھے اس سے کیا۔'' اس نے خود کو اس سوچ سے آزاد کرنے کی کوشش کی لیکن اس رات وہ نیند میں جانے تک ہانیہ کے تصور سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔

☆☆☆

''بی بی جی ہادی صاحب آئے ہیں۔'' فائزہ اپنے کمرے میں بیٹھی نوٹس تیار کر رہی تھی جب رضیہ نے بڑے جوش و خروش سے اطلاع دی۔

''ہیں سچی؟ کہاں ہیں وہ؟'' ہادی کی آمد کا سن کر فائزہ پر جوش دکھائی دینے لگی۔

''ہم یہاں ہیں محترمہ۔'' رضیہ کے پیچھے آتا ہادی فائزہ کی بات سن چکا تھا تبھی آگے آتے ہوئے اس کے سوال کا جواب دیا تھا۔

''السلام علیکم ہادی بھائی کیسے ہیں آپ؟'' فائزہ کتابیں چھوڑ کر اٹھتے ہوئے پوچھنے لگی، ہادی اس کا فیورٹ کزن تھا جس کی وجہ سے فائزہ کو کبھی بھائی کی کمی کا احساس نہیں ہوتا تھا، ہادی بھی بھائیوں سے بڑھ کر اس کا خیال رکھتا آیا تھا۔

''ایسے اچانک کیسے آ گئے؟'' فائزہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''بس وہ منادی والا ملا نہیں تھا، مسجد کے سپیکر پر اعلان کرنے کی اجازت مولوی صاحب نے نہیں دی اس لئے ایسے ہی آنا پڑا۔'' وہ شوخی سے کہتا فائزہ کو ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

''آج کے دور میں اعلان کرنے کے لئے ایک اور چیز بھی ہے جسے فون کہا جاتا ہے۔'' فائزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا، چلو میں واپس چلا جاتا ہوں۔'' وہ فائزہ کو تنگ کرنے کے لئے مصنوعی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

''سوری ہادی بھائی میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔'' فائزہ کی تو جیسے جان پر بن آئی تھی، ہادی کی ناراضگی وہ بالکل بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی تبھی فوراً معذرت کی تھی۔

''آپ بیٹھیں میں آپ کو اچھی سی چائے پلواتی ہوں۔'' فائزہ کو اچھے سے معلوم تھا کہ ہادی چائے کا شیدائی تھا اور یہ آفر وہ کبھی بھی رد نہیں کرتا تھا سو اس کا موڈ ٹھیک کرنے کو فوراً چائے کی بات کر دی۔

''صرف چائے؟ ارے لڑکی میں نے تو ناشتے کے بعد سے ابھی تک کچھ نہیں کھایا ہے چائے کے ساتھ کچھ بلکہ بہت کچھ منگواؤ تاکہ پیٹ پوجا کا کوئی انتظام ہو سکے۔'' ہادی نے اسے زیادہ تنگ نہ کرتے ہوئے واپس اپنے مخصوص انداز میں دہائی دی تو فائزہ کی جان میں جان آئی۔

''آپ بیٹھیں میں ابھی لاتی ہوں۔'' فائزہ دل ہی دل میں گھر میں موجود چیزوں کے بارے میں سوچتے ہوئے ہادی کی پسند کا مینیو تیار کرتے ہوئے بولی۔

''میں لاؤنج میں بیٹھا ہوں تم بھی وہیں آ جاؤ۔'' ہادی کے جواب پر فائزہ اثبات میں سر ہلاتی کچن کی طرف چلی گئی اور ہادی نے لاؤنج میں آ کر ٹی وی آن کر لیا کچھ ہی دیر میں وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے شام کی چائے پی رہے تھے۔

''ارے مجھے یاد آیا میرے پاس تمہارے لئے کچھ ہے۔'' ہادی کو اچانک کار میں

پارسل کا خیال آیا تو کہنے لگا۔
''رضیہ کار میں سے شاپر اٹھا لاؤ۔'' ہادی نے کار کی چابی رضیہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔
''کیا لائے ہیں؟'' فائزہ نے اشتیاق بھرے لہجے میں پوچھا۔
''صبر کرو لڑکی جو بھی ہے ابھی آ جاتا ہے تو خود دیکھ لینا، ویسے اصل بات یہ ہے کہ مجھے خود بھی نہیں پتا اس میں ہے کیا۔'' ہادی نے جواب دیا۔
''کیا مطلب آپ کو کیسے نہیں پتا؟'' فائزہ نے مشکوک ہوتے ہوئے سوال کیا۔
''کیونکہ یہ چیزیں میں نے نہیں خریدیں بلکہ میں صرف کوریئر کا کردار ادا کر رہا ہوں۔'' ہادی نے مزے سے جواب دیا۔
''مجھے پہلے ہی پتا تھا آنٹی کو ہی میرا خیال رہتا ہے آپ تو سدا کے کنجوس ہیں۔'' اس بار فائزہ نے اسے چڑانے کی کوشش کی مگر ہادی اتنی آسانی سے تنگ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔
''بس یار کیا کروں غریب سا بندہ ہوں۔'' وہ عاجزی سے کہہ رہا تھا۔
''اگر آپ غریب ہیں تو میں دعا کروں گی کہ ساری دنیا آپ کے جیسی غریب ہو جائے۔'' اس کے انداز پر فائزہ ہنستے ہوئے کہنے لگی تو وہ بھی مسکرا دیا اتنے میں رضیہ ہاتھوں میں ایک بڑا پارسل تھامے نمودار ہوئی۔
''بے صبری لڑکی میرے جانے کے بعد یہ سب دیکھتی رہنا ابھی میرے ساتھ باتیں کرو میں بس تھوڑی دیر کے لئے ہی دستیاب ہوں۔'' فائزہ کو شاپر کھولتے دیکھ کر ہادی نے کہا تو نہ چاہتے ہوئے بھی فائزہ نے اس کی بات مان لی اور شاپر کو واپس رضیہ کے حوالے کرتے ہوئے اپنے کمرے میں رکھنے کی ہدایت کرتی وہ دوبارہ ہادی کی طرف متوجہ ہوگئی۔
''اتنی دیر ہوگئی انکل آنٹی ابھی تک واپس نہیں آئے، ویسے سچی کسی کی فوتگی میں گئے ہیں یا کوئی اور معاملہ ہے؟'' چائے اور لوازمات سے انصاف کرنے کے بعد اب وہ دونوں لان میں آ بیٹھے تھے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے ہادی پوچھ رہا تھا۔
''کوئی اور معاملہ مطلب؟'' اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے فائزہ نے سوال کیا۔
''میرا مطلب ہے تمہارے لئے پرستان کا کوئی سب سے حسین و جمیل جن، میرا مطلب ہے پرنس چارمنگ دیکھنے تو نہیں گئے؟'' لفظ جن پر فائزہ کے گھورنے سے اس نے بات بدل دی اور جن کی جگہ پرنس چارمنگ بول دیا۔
''جی نہیں ایسا کچھ نہیں ابھی تو میرا ماسٹرز بھی مکمل نہیں ہوا، ویسے آپ کب شادی کر رہے ہیں؟ آنٹی نے ابھی تک آپ کے لئے کوئی چڑیل نہیں پسند کی؟'' اپنے تئیں فائزہ نے حساب برابر کرنے کی کوشش کی تو ہادی بے اختیار ہنس پڑا۔
''اپنے لئے پری یا چڑیل میں خود ہی پسند کروں گا بس دعا کرو کوئی ایسی مل جائے جو تمہارے ہینڈسم بھائی کے دل کو چھو جائے۔'' ہادی نے جواب دیا۔
''کیا ہوا کس سوچ میں گم ہوگئیں؟'' فائزہ کی لمحاتی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے ہادی نے پوچھا۔
''کچھ نہیں بس ایسے ہی۔'' فائزہ نے ٹالا۔
''بتاؤ بھی۔'' ہادی نے اصرار کیا۔
''وہ نا میری ایک بہت اچھی بہت پیاری دوست ہے، وہ اتنی اچھی ہے کہ میں اکثر سوچتی

ہوں کاش وہ میری بھابھی بن سکتی۔'' فائزہ کے لہجے میں اپنی دوست کے لئے پیار ہی پیار تھا اور حسرت بھی۔

''اچھا جی تو یہ بات ہے، مجھے پتا بھی نہیں اور میری پیاری بہن میرے لئے لڑکی بھی پسند کیے بیٹھی ہے، ویسے کون ہے وہ خوش نصیب؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''میری دوست ہانیہ۔'' فائزہ نے جواب دیا۔

''اوہ جسے انکل آنٹی تمہاری جڑواں بہن کہتے ہیں؟'' ہادی نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے ہانیہ کی صورت کو یاد کرنے کی کوشش کی لیکن ایک دھندلی سی تصویر کے علاوہ وہ کچھ بھی یاد نہیں کر پایا۔

''جی بالکل وہی، آپ کو یاد ہے نا وہ کتنی پیاری ہے اور اچھی بھی بہت ہے۔'' فائزہ کے لہجے میں دبا دبا جوش جھلکنے لگا۔

''ہاں تھوڑی بہت یاد ہے۔'' ہادی نے ایمانداری سے جواب دیا۔

''کاش وہ میری بھابھی بن سکتی۔'' فائزہ کے لہجے میں اپنی دوست کے لئے پیار ہی پیار تھا۔

''تو اس میں کون سی بڑی بات ہے اگر وہ میری بہن کو اتنی ہی زیادہ پسند ہے تو بنا دیتے ہیں اسے تمہاری بھابھی۔'' ہادی نے اسے بڑے بھائیوں والا مان دیتے ہوئے کہا۔

''سچ ہادی بھائی، کیا ایسا ہو سکتا ہے؟'' فائزہ کی خوشی دیدنی تھی۔

''کیوں نہیں ہو سکتا، اپنی اس پیاری سی بہن کے لئے تو میں سچ مچ کی چڑیل سے شادی کر لوں تمہاری دوست تو پھر بھی انسان ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''لیکن وہ نہیں مانے گی۔'' فائزہ اداسی سے بولی۔

''کیوں نہیں مانے گی کیا کمی ہے تمہارے بھائی میں؟'' اس کی اداسی سے کہنے پر ہادی کا سوال بے ساختہ تھا اس سے پہلے کہ فائزہ اس کی بات کا جواب دیتی گیٹ پر وجاہت ملک کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔

''امی ابو آ گئے۔'' فائزہ گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو ہادی بھی انکل آنٹی سے ملنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور اس طرح ان کی بات ادھوری رہ گئی۔

ہادی، ریحانہ اور وجاہت سے دعا سلام کے بعد وہ واپسی کے لئے اٹھ گیا تھا، اس کے جانے کے بعد فائزہ بھی دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی اور سب بھول بھال کر نوٹس بنانے میں لگ گئی۔

☆☆☆

ہادی فائزہ کا خالہ زاد تھا ہادی کی ماں کوکب اور فائزہ کی ماں ریحانہ سگی بہنیں تھیں اور دونوں میں بے حد محبت تھی جس طرح ہادی اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا اسی طرح فائزہ بھی اکلوتی تھی، والدین کے گہرے تعلقات اور دونوں کا اکلوتا پن انہیں بچپن سے ہی ایک دوسرے کے بہت قریب لے آیا تھا، شروع میں ان دونوں کے والدین نے یہی سوچا تھا کہ بڑے ہونے پر ہادی اور فائزہ کی شادی کر دی جائے گی لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ان دونوں کے درمیان سگے بہن بھائیوں جیسا تعلق قائم ہو گیا، دونوں ایک دوسرے کے وجود سے اپنا اکلوتا ہونے کی وجہ سے زندگی میں پیدا ہو جانے والے خلا کو پر کر رہے تھے، وہ ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے فائزہ ہادی سے چھوٹی بہنوں والے نخرے اٹھواتی

تھی تو ہادی بھی اس پر بڑے بھائیوں والا حق جتایا کرتا وہ دونوں اسی طرح خوش تھے یہ سب دیکھتے ہوئے ان کے والدین نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ان کی شادی کی بات کر کے ان کے معصوم سے بے جھجک رشتے میں فرق نہیں ڈالیں گے اور انہوں نے ان دونوں کی شادی کا فیصلہ آنے والے وقت اور قسمت پر چھوڑ دیا تھا، ہادی کے ددھیال میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا ہادی کے کزنز میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی اور سب کے ساتھ اس کا بہت اچھا تعلق تھا جب بھی کبھی وہ سب اکٹھے ہوتے تو خوب ہی رونق لگ جایا کرتی تھی لیکن پھر بھی ہادی کی چھٹیوں کا زیادہ حصہ ریحانہ خالہ کے گھر ہی گزرتا تھا، ریحانہ اور وجاہت ملک کی محبت اور ناز برداری کے علاوہ اس کے وہاں رہنے کی سب سے بڑی وجہ فائزہ تھی اسے بہت اچھی طرح اندازہ تھا کہ فائزہ کتنی شدت سے ہادی کی آمد کی منتظر رہا کرتی ہے اور وہ اسے کبھی بھی مایوس نہیں کیا کرتا تھا اور اب ہادی کا ٹرانسفر اتفاق سے اسی شہر میں ہو گیا تھا فی الحال وہ اکیلا ہی شفٹ ہوا تھا کیونکہ واجد کا اپنا شہر چھوڑنے کا من نہیں تھا اور کوکب شوہر کو اکیلا چھوڑ کر نہیں آ سکتی تھیں، لیکن اس کا ارادہ تھا کہ جلد ہی ماں باپ کو راضی کر کے اپنے پاس لے آئے گا کیونکہ ماں باپ کے بنا رہنا اس کے لئے بھی آسان نہیں تھا۔

☆☆☆

اس رات ہادی سونے کے لئے اپنے بستر آیا تو دن بھر کی باتوں کو یاد کرتے ہوئے اسے فائزہ سے کی ہوئی باتیں بھی یاد آ گئیں۔

''کمال ہے ہادی صاحب ایک انجان لڑکی کے لئے اتنی بڑی بات کہہ دی۔'' اسے اپنا فائزہ کا دوست سے شادی کے لئے تیار ہونے والی بات یاد آئی تو وہ خود کو ٹوکے بنا نہیں رہ پایا، ہادی بچپن سے ہانیہ اور فائزہ کی دوستی کے قصے سنتا آ رہا تھا اور کسی نہ کسی حد تک ہانیہ سے اس کا تعارف بھی تھا، بچپن میں وہ لوگ ساتھ کھیلتے بھی رہے تھے لیکن جیسے جیسے وہ تھوڑے بڑے ہوئے ہانیہ اور ہادی کے درمیان ایک دیوار سی کھڑی ہوتی چلی گئی پھر ہادی کو محسوس ہوا کہ جن دنوں وہ خالہ کے گھر آیا ہوتا ان دنوں میں اس نے کئی بار انکل آنٹی کی زبان سے سنتا کہ نہ جانے کیوں ہانیہ آج کل ان کے گھر نہیں آ رہی ہے، کبھی کبھار فائزہ اسے کھینچ کھانچ کر لے بھی آتی تو تھوڑی ہی دیر میں وہ کچھ نہ کچھ وجہ بنا کر واپس اپنے گھر چلی جایا کرتی تھی پھر ایک بار ہادی آیا تو اسے فائزہ کی زبانی پتا چلا کہ وہ لوگ یہ علاقہ چھوڑ کر کہیں اور شفٹ ہو گئے ہیں ہادی کے لئے اس خبر اور ہانیہ دونوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی اسے دلچسپی تھی تو صرف اس بات سے کہ ہانیہ کی فیملی کے چلے جانے سے فائزہ بہت زیادہ ڈسٹرب تھی اس لئے وہ جتنے دن بھی ان کے گھر رہا سارا وقت فائزہ کو بہلانے اور سمجھانے کی کوششیں ہی کرتا رہا تھا اور اپنی ان کوششوں میں کافی حد تک کامیاب بھی تھا، اسے حیرت بھی ہوتی تھی کہ فائزہ جیسی شوخ شرارتی لڑکی کی ہانیہ جیسی سنجیدہ لڑکی کے ساتھ گہری دوستی ہو کیسے گئی تھی لیکن وہ اس راز سے بے خبر تھا کہ ہانیہ کی سنجیدگی اور خاموشی صرف اس کی موجودگی کی وجہ سے ہوتی تھی ورنہ آگے پیچھے وہ شرارتوں میں فائزہ کی استاد تھی۔

''ہو گی کوئی وجہ، شاید ان کی فیملی میں آؤٹ آف فیملی شادی نہ کرتے ہوں یا پھر وہ انگیجڈ ہو کہیں، یا پھر ہو گا کوئی اور پرابلم جیسا کہ اس لڑکی کے ساتھ ضرور کوئی مسئلہ تھا تبھی اس نے مجھ سے ایسے بات کی تھی ماما نے بھی تو یہی کہا تھا۔''

''فائزہ نے کہا تھا کہ وہ آپ سے شادی

کے لئے نہیں مانے گی۔'' یہ بات ذہن میں آئی تو وہ بلا ارادہ سوچنے لگا اور اپنی اس آخری سوچ پر نیند میں جاتا اس کا ذہن ایکدم سے بیدار ہو گیا تھا اس کی بند آنکھیں یوں کھل گئیں گویا ان میں بھی نیند آئی ہی نہیں رہی تھی۔

''وہ لڑکی بیچ میں کہاں سے آ گئی میں تو فائزہ کی دوست کے بارے میں سوچ رہا تھا نا۔'' وہ بے چین سا ہو کر بستر پر اٹھ بیٹھا اور اپنے آپ سے پوچھنے لگا۔

''یونہی خیال آ گیا یہ کوئی ایسی خاص بات بھی نہیں۔'' اس نے تاویل دی لیکن دل اور دماغ دونوں نے اس کی اس دلیل کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اس کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا وہ کمرے میں ٹہلنے لگا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس انجان لڑکی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا اور اپنی یہ بات اسے خود بری طرح کھٹک رہی تھی یہ کوئی عام بات نہیں تھی اس لڑکی سے ملنے کے بعد سے دو دن میں یہ دوسری بار تھا جب ہادی کو اس لڑکی کا خیال آیا تھا اور اس بار اس میں پہلی بار سے زیادہ شدت تھی۔

''مجھے ایسے نہیں بولنا چاہیے تھا۔'' غصے سے بولتی ہانیہ کی آنکھوں میں سمٹ آنے والے آنسوؤں کا خیال آیا تو وہ اپنے آپ سے ناراض ہوتا سوچنے لگا وہ جو ہمیشہ حق کی بات پر ڈٹ جاتا تھا جو کسی سے بھی مرعوب نہیں ہوتا تھا ایک انجان لڑکی کے لئے غلطی پر نہ ہوتے ہوئے بھی اپنی غلطی تسلیم کر رہا تھا یہ کوئی عام بات نہیں تھی اور یقیناً وہ لڑکی بھی کوئی عام لڑکی نہیں تھی کم از کم ہادی کے لئے تو بالکل بھی نہیں، وہ ایزی چیئر پر آ بیٹھا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا پھر اس نے آنکھیں بند کر کے کچھ اور سوچنے کی کوشش کی لیکن آنکھیں بند ہوتے ہی ہانیہ کا عکس ذہن کے پردے پر لہرانے لگا تھا اس بار ہادی نے اس تصور کو جھٹکنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ بہت دھیان سے اسے دیکھا تھا اسے اس لڑکی کے لباس کی ایک ایک تفصیل یاد تھی حتیٰ کہ اسے تو یہ بھی یاد تھا کہ کتنی بار ہوا کی شرارت سے اس کے بالوں کی کتنی لٹوں نے اس کے چہرے کو چھوا تھا، ہادی کی وہ رات سوچتے اور تجزیہ کرتے ہوئے گزری تھی اور صبح ہونے تک وہ اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا کہ اسے اس روٹھی ہوئی لڑکی سے دوبارہ ملنا تھا آگے کے بارے میں اس نے ابھی کچھ نہیں سوچا تھا مگر یہ طے تھا کہ اسے یونیورسٹی جا کر اسے تلاش کرنا تھا یہ فیصلہ کرنے کے ساتھ ہی وہ جیسے پرسکون سا ہو گیا تھا اور اس رت جگے کے بعد آخر نیند اس پر مہربان ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ہادی کی آنکھ کھلی تو صبح کے دس بج رہے تھے آفس کا وقت تو گزر ہی چکا تھا سو وہ بڑے سکون سے بستر پر لیٹا رہا پھر وہ اٹھا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھے انٹر کام کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگاتے ہوئے بٹن دبایا اور منظور کو ناشتہ بنانے کا کہہ کر الماری سے کپڑے نکالنے لگا جب تک وہ نہا کر باہر آیا منظور نے اس کا ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا تھا، ناشتے کے دوران وہ باقی کے دن کے بارے میں پلاننگ کر رہا تھا پھر ناشتے سے فارغ ہو کر گھر سے نکل آیا، کچھ ہی دیر میں اس کی گاڑی یونیورسٹی کی طرف جانے والے روڈ پر رواں دواں تھی، پارکنگ سے ڈیپارٹمنٹ تک آتے ہوئے وہ متلاشی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لیتا رہا تھا پھر وہ سیدھا اس بینچ کی طرف آیا جہاں اس نے کل ہانیہ کو بیٹھے دیکھا تھا، گراؤنڈ اور کینٹین پر کئی سارے طلبا و طالبات بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے اکثریت گروپ میں تھی جبکہ اکا دکا سٹوڈنٹ

اکیلے بیٹھے نوٹس سامنے رکھے ناشتے کے ساتھ پڑھنے میں بھی مگن تھے، کسی کے چہرے پر امتحانات کی فکر نظر آ رہی تھی اور کئی بے فکری سے خوش گپیاں لگاتے مگن سے بیٹھے تھے ایک ایک چہرہ کا جائزہ لیتی ہادی کی نظریں جس خاص چہرے کی تلاش میں تھی وہ اسے کہیں دکھائی نہیں دیا وہ بہت دیر تک اس بینچ پر بیٹھا رہا کہ شاید ہانیہ کا ڈیپارٹمنٹ کہیں قریب ہی ہو اور وہ آج پھر وہاں آ کر بیٹھے لیکن اس روز ادی کو مایوس ہی لوٹنا پڑا تھا۔

☆☆☆

آج منیر ہاؤس میں خوب رونق لگی ہوئی تھی وردہ کی سالگرہ تھی اور عالیہ کا آنا تو لازمی تھا ہمسایوں کے علاوہ کچھ قریبی رشتے دار اور فائزہ کی فیملی انوائٹڈ تھی لوگ تھوڑے تھے اور بہت قریبی بھی اس لئے کسی تکلف میں پڑے بغیر گھر ہی میں ٹی وی لاؤنج کو خالی کر کے تقریب کے لئے سجا لیا گیا تھا ہاں کھانا اور کھانا سرو کرنے کے لئے کیٹرنگ والوں کی سروسز لے لی گئی تھی، منیر اور نزہت بھی لاڈلی پوتی کی سالگرہ کی خوشی میں کافی ایکٹو دکھائی دے رہے تھے بلکہ منیر تو وردہ کی فرمائش بھی غبارے بھی پھلاتے رہے تھے اس کی سالگرہ کے لئے عالیہ ایک بہت ہی خوبصورت پنک فراک لے کر آئی تھی جو وردہ کو بے حد پسند آئی تھی اور اب وردہ وہی لباس پہنے تتلی کی مانند سارے گھر میں دوڑی پھر رہی تھی، گھر کے خوشگوار ماحول کو محسوس کرتے ہوئے مایا بھی اپنی توتلی زبان میں بول بول کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی، ہانیہ نے آج بلیک کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا جس پر سلور دبکے کا ہلکا سا کام تھا دائیں ہاتھ میں نازک سا بریسلٹ اور کانوں میں جھولتے سلور کلر کے آویزے پہنے وہ نظر لگنے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی، سب کی تعریفیں وصول کرتی بچوں کے ساتھ بچہ بنی ہانیہ سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

''یار دیکھو شمسہ آنٹی کتنے پیار سے تمہیں دیکھ رہی ہیں۔'' کیک کٹنے کے بعد سب لوگ کھانا کھا رہے تھے جب فائزہ نے ہانیہ کے کان میں سرگوشی کی تو ہانیہ نے بے ساختہ نظر اٹھا کر سامنے دیکھا شمسہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں، ہانیہ کو اپنی طرف دیکھتے پا کر وہ اپنے سامنے رکھی پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''تمہیں بڑا ترس آ رہا ہے، کہو تو تمہاری بات چلوا دوں؟'' ہانیہ نے جوابی سرگوشی کی۔

''نیکی اور پوچھ پوچھ؟'' فائزہ نے ایک لحہ دیر کیے بنا جواب دیا۔

''رئیلی، ویسے آئیڈیا برا نہیں ہے، اسی بہانے شمسہ آنٹی کو بہو مل جائے گی اور تم بھی نمٹائی جاؤ گی، میں کہتی ہوں شمسہ آنٹی سے کہ تمہیں اپنی بہو بنا لیں۔'' ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے چمکتی آنکھوں کے ساتھ بولتی ہانیہ کو فائزہ نے بڑی فرصت سے گھورا تھا۔

''ذرا میرے ساتھ آؤ۔'' ہانیہ اپنا کھانا چھوڑ کر اٹھتے ہوئے بولی اور بولنے کے ساتھ ہی فائزہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے پر مجبور بھی کر دیا۔

''کیا مصیبت ہے یار کھانا تو ٹھیک سے کھانے دو۔'' فائزہ کو ہانیہ کا اس کے اور کھانے کے درمیان آنا ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا تبھی ہانیہ کی اس زبردستی پر جھنجلاتے ہوئے بولی تھی۔

''ارے آؤ تو۔'' ہانیہ اس کی ایک بھی سنے بنا اسے ہی فائزہ کا ہاتھ پکڑے پکڑے آگے بڑھنے لگی۔

''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' ہانیہ کا رخ شمسہ کی ٹیبل کی طرف دیکھ کر فائزہ رکتے ہوئے

بولی، ہانیہ سے کچھ بعید بھی نہ تھا کہ سچ مچ شمسہ آنٹی سے کچھ کہہ دیتی۔

''کچھ نہیں ہوتا تم آؤ تو۔'' ہانیہ اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے تقریباً گھسیٹتے ہوئے اس ٹیبل کے قریب لے گئی جہاں شمسہ آنٹی کے ساتھ عالیہ اور دو خواتین بھی بیٹھی تھیں جو ان کے پڑوس سے آئی تھیں۔

''السلام علیکم۔'' قریب جا کر ہانیہ نے زور دار سلام جھاڑ تو اس کی تقلید میں فائزہ کو بھی سلام کرنا پڑا، خود بہت شرارتی ہونے کے باوجود اس صورتحال میں فائزہ کچھ گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔

''آنٹی یہ میری بہت اچھی دوست فائزہ ہے پیاری اس لئے نہیں کہا کہ پیاری تو یہ ہے ہی وہ تو آپ بھی دیکھ رہی ہیں۔'' ہانیہ نے اپنی بونگیوں کا آغاز کیا (بقول فائزہ) سلام کا جواب دیتی شمسہ آنٹی کی نظروں کا فوکس فائزہ تھی جس نے ہانیہ کے سوٹ جیسا سوٹ اور جیولری پہن رکھی تھی ان دونوں کی بچپن سے عادت تھی جب بھی کوئی ایسی تقریب یا موقع ہوتا جہاں وہ دونوں ہوتیں تو وہ ہمیشہ ایک جیسا تیار ہوا کرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ کالج میں بھی بہت سی لڑکیاں انہیں دوست کے بجائے جڑواں بہنیں سمجھا کرتی تھیں، چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ لئے ہانیہ کو تنبیہ کرتی نظروں سے دیکھتی فائزہ شمسہ کو اچھی لگ رہی تھی۔

''اور آنٹی میری دوست ہونے کے باوجود یہ میرے جیسی نکمی بالکل بھی نہیں ہے بلکہ بہت ہی لائق فائق ہے یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے، جس گھر میں جائے گی اجالا کر دے گی، گھر والوں کو سدھار دے گی میرا مطلب گھر سنوار دے گی۔'' مناسب الفاظ کی شدید قلت کے باوجود ہانیہ نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں فائزہ کی خوبیاں گنوانا شروع کیں اس کے ان الفاظ پر ٹیبل کے گرد بیٹھی سبھی خواتین کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی جس نے فائزہ کو شرمندگی میں مبتلا کر دیا تھا لیکن ہانیہ کی اس طرف بالکل بھی توجہ نہیں تھی، وہ صرف شمسہ آنٹی کی طرف متوجہ تھی اور ان کے چہرے کے تاثرات جانچتی اپنے الفاظ کے اثرات کو پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''پتا ہے میری امی بھی یہیں کہتی ہیں کہ وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوں گے جنہیں فائزہ جیسی بہو ملے گی۔'' ہانیہ نے ماں کا حوالہ دے کر اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی۔

''ماشاء اللہ۔'' شمسہ آنٹی نے مسکراتے ہوئے فائزہ کے گھبرائے گھبرائے شرمندہ چہرے کو دیکھتے ہوئے ماشاء اللہ کہا تو ہانیہ کھل سی گئی۔

''یعنی میری باتوں کا اثر ہو رہا ہے۔'' ہانیہ نے دل ہی دل میں خوشی محسوس کرتے ہوئے سوچا۔

''اور تو اور آنٹی جی یہ تو روٹی بھی بالکل گول بناتی ہے۔'' ہانیہ نے اپنی طرف سے تعریف کی انتہا کر دی۔

''ہانی مجھے امی بلا رہی ہیں۔'' اس کی نان اسٹاپ بونگیاں اور سب خواتین کی مسکراہٹ فائزہ کو بے چین کرنے لگیں تو اس نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے وہاں سے جانے کی ٹھانی۔

''ارے ہاں شمسہ آنٹی وہ سامنے جو بلیو (نیلے) رنگ کی ساڑھی میں نائس سی خاتون بیٹھی ہیں نا میری امی کے ساتھ وہ ریحانہ آنٹی ہیں اس کی امی۔'' ہانیہ نے فائزہ کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے شمسہ آنٹی کو بتایا۔

''آپ کھانا کھا لیں پھر ریحانہ آنٹی سے ضرور ملیے گا آپ کو ان سے مل کر خوشی ہو گی۔''

ہانیہ نے مزید کہا۔

''میں جا رہی ہوں امی کو شاید کوئی کام ہے مجھ سے۔'' ہانیہ کو اپنی جگہ ڈٹے دیکھ کر فائزہ نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور سب سے معذرت کرتی وہاں سے چلی گئی۔

''تم نے جھوٹ کیوں بولا؟ آنٹی تو امی کے ساتھ باتوں میں لگی ہوئی ہیں۔'' ہانیہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی تھی۔

''تمہارا دماغ کیا بالکل ہی خراب ہو گیا ہے۔'' ہانیہ کے کہنے پر فائزہ نے سوال کیا لہجے میں دبا دبا غصہ تھا اور چہرا ابھی سرخ ہو چلا تھا۔

''سچ میں آنٹی تمہیں نہیں بلا رہیں ہیں پوچھ لو بیشک وہ تو تمہاری طرف دیکھ بھی نہیں رہیں ہیں۔'' ہانیہ کی معصومیت پر فائزہ کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے مگر بھری محفل میں ایسی حرکت مناسب نہ جان کر اس نے دانت کچکچانے پر ہی اکتفا کر لیا۔

''میں امی کی نہیں تمہارے اس کارنامے کی بات کر رہی ہوں جو ابھی تم نے انجام دیا ہے۔'' فائزہ نے کہا۔

''اوہ اچھا وہ۔'' ہانیہ نے وہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اس میں غلط کیا تھا یار میں نے تمہارا تعارف ہی تو کروایا ہے۔'' وہ انجان بنی۔

''تعارف ایسے کرواتے ہیں۔'' فائزہ بری طرح تپی ہوئی تھی۔

''ہاں تو اور کیسے کرواتے ہیں بتاؤ ذرا؟ اللہ معاف کرے تھوڑا سا جھوٹ بول کر تمہاری تعریفیں ہی تو کی ہیں دوست ہونے کے ناطے یہ تو میرا فرض تھا نا باقی کچھ باتیں سچ بھی تو تھیں۔'' وہ فائزہ کو غصے سے لطف اٹھاتی اسے مزید تپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''اچھا جی جیسا کہ۔'' فائزہ نے سوال کیا۔

''جیسا کہ گول روٹی والی بات کیا تم سچ میں گول روٹی نہیں بناتی ہو۔'' ہانیہ کے جواب پر فائزہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''بہت بکواس چیز ہو تم، قسم سے آج تو تم نے حد ہی کر دی۔'' فائزہ نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے رائے دی۔

''نوازش۔'' ہانیہ نے سر خم کرتے ہوئے گویا تعریف وصول کی۔

''یہ چاول تو اور منگوا لو ٹھنڈے ہو گئے ہیں بالکل۔'' فائزہ کے کہنے پر ہانیہ نے ویٹر کی تلاش میں اِدھر اُدھر دیکھا ویٹر اسے اسے دیکھتا دیکھ کر ان کی طرف چلا آیا اور وہ اسے گرم کھانا لانے کے لئے کہنے لگی، اس دن کی ہانیہ کی محنت رنگ لائی اور اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے شمسہ جانے سے پہلے ریحانہ سے ملی تھیں بلکہ انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دے دی تھی اور کچھ ہی دنوں میں وہ اپنے بیٹے عمیر کے لئے فائزہ کا رشتہ لے کر گئیں تو فائزہ ہانیہ کو شاباشی دیے بنا نہیں رہ سکی تھی، منگنی کی چھوٹی سی تقریب کر کے شادی فائزہ کی ماسٹرز مکمل ہونے کے بعد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا جس پر دونوں فیملیز کو کوئی اعتراض نہیں تھا اور ہانیہ نے تو فائزہ سے باقاعدہ ٹریٹ لی تھی اور تحفے میں اسے عمیر کا فون نمبر دے دیا تھا جسے پا کر فائزہ سچ میں بہت خوش ہو گئی تھی۔

☆☆☆

ازل سے تا ابد جاناں!
فلک کے چاند تاروں سے
مری دھرتی کے ذروں سے
پہاڑوں کی بلندی سے
صبا کی خوشیوں اور پھولوں کی ملاحت سے

تپش خورشید کی اور چاند کی روپہلی کرنوں سے
افق کی وسعتوں اور نیلگوں گہرے سمندر سے
کہیں زیادہ کہیں بڑھ کر
مجھے تم سے محبت ہے

ہادی کو ایک ہفتے سے زیادہ ہو گیا تھا وہ آفس سے کسی نہ کسی بہانے نکل آتا اور یونیورسٹی جا کر ہانیہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا لیکن ہر بار اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا حتیٰ کہ وہ ایک ایک کر کے سارے ڈیپارٹمنٹس دیکھ آیا تھا۔

''کم از کم مجھے اس کا نام تو پوچھنا چاہیے تھا۔'' وہ جھنجھلا کر خود کو ہی ڈانٹنے لگتا اور پھر اس دن ہانیہ سے ہوئی باتوں کو یاد کرتا تو اسے احساس ہوتا کہ نام پوچھنے والے حالات ہی کب تھے، آج بھی وہ ناامید لوٹا تھا اور اگر انسان کہیں سے ناامید لوٹے تو تھکن بھی حد سے سوا ہوا کرتی ہے اس کا حال بھی یہی تھا، اتنے دن وہ ہانیہ کی تلاش میں اتنا مصروف رہا تھا کہ وہ فائزہ کے گھر چکر لگا سکا نہ ہی اسے فون کر پایا تھا حالانکہ فائزہ اس دوران میسج پر رابطے میں تھی لیکن وہ اس کے میسج کے بھی بہت مختصر جواب دیتا رہا تھا، وہ آنے والے دنوں کا لائحہ عمل سوچ رہا تھا کہ کس طریقے سے ہانیہ کو تلاش کرے اور آخر اس کے ذہن میں ایک زبردست آئیڈیا آ ہی گیا، اسے اچانک یاد آیا کہ اس کے ایک کولیگ کا بہنوئی یونیورسٹی میں ایڈمن بلاک میں جاب کرتا تھا وہاں سے وہ یونیورسٹی کے سبھی سٹوڈنٹس کی تصویر دیکھ کر ہانیہ کا پتا لگا سکتا تھا اس آئیڈیے کے آتے ہی اس کی ساری ناامیدی اور اداسی اڑن چھو ہو گئی اور تھکن سا مرجھایا ہوا چہرہ ہشاش بشاش دکھنے لگا۔

''مجھے پہلے کیوں یہ خیال نہیں آیا۔'' وہ اپنے آپ سے کہتا خوشی خوشی کولیگ کا نمبر ملانے لگا لیکن دوسری طرف موبائل پاور آف پا کر اس کی ساری خوشی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی، تبھی اس کے موبائل پر فائزہ کی کال آنے لگی اگرچہ اس وقت اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا بالکل دل نہیں کر رہا تھا لیکن پھر بھی اس نے فائزہ کی کال ریسیو کر لی۔

''سنا ہے آج کل کوئی یونیورسٹی کے بہت چکر لگا رہا ہے؟ میں نے سوچا پتا کروں کہ آخر چکر کیا ہے۔'' سلام دعا کے بعد وہ شوخ لہجے میں بولی تو ہادی کو ہنسی آ گئی۔

''واہ بھئی درست کہتے ہیں دنیا والے پاکستان کی سیکرٹ ایجنسی دنیا میں نمبروں پر ہے۔'' ہادی نے فائزہ کی بات کا سیدھا جواب دینے کی بجائے ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''اب آپ بات نہ گھمائیں اور سیدھے سیدھے میری بات کا جواب دیں۔'' فائزہ کہاں جان چھوڑنے والی تھی، ہادی کو بات ٹالتے دیکھ کر اس نے اس بار سیدھا سوال کر دیا۔

''کچھ نہیں یار تھوڑا کام تھا تو بس اس لئے ایک دو بار یونیورسٹی جانا ہو گیا۔'' ہادی نے جواب دیا۔

''وہ ایک بار نہیں جناب آپ پچھلے پورے ایک ہفتے سے یونیورسٹی کی خاک چھان رہے ہیں اور اطلاع کے مطابق شاید کسی کی تلاش میں ہیں تبھی کبھی ایک تو کبھی دوسرے ڈیپارٹمنٹ میں دکھائی دیتے ہیں۔'' فائزہ نے اسے اپنی معلومات سے آگاہ کیا تو وہ اس کے اس قدر باعلم ہونے پر سچ مچ بہت حیران ہو گیا۔

''یہ کون سے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں تم نے جو تمہیں میرے ایک ایک پل کی خبر دیتے رہتے ہیں۔'' وہ حیران ہوتا پوچھ رہا تھا اور اس کی حیرت سے حظ اٹھاتی فائزہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''ہاں یار کسی کی تلاش کر رہا ہوں مگر وہ مل ہی نہیں رہا۔'' ہادی نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے اقرار کیا۔

''مل نہیں رہا یا مل نہیں رہی؟'' فائزہ نے اس کی تصحیح چاہتے ہوئے سوال دہرایا تو ہادی بے اختیار ہنس پڑا۔

''بہت تیز نہیں ہوتی جا رہی ہو تم چالاکو ماسی بن گئی ہو پوری۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور پھر اس نے فائزہ کو ساری بات بتا دی ہادی کی باتیں سنتی فائزہ کو شروع میں ہی پتا چل گیا تھا کہ ہادی ہانیہ کو تلاش کر رہا ہے لیکن وہ سکون سے ہادی کی پوری بات سنتی رہی۔

''یہ حسین ملاقات تیرہ تاریخ بروز جمعرات کو ہوئی تھی۔'' جیسے ہی ہادی نے اپنی بات ختم کی فائزہ نے ایک اور سوال داغا۔

''تمہیں یہ سب کیسے پتا، اور پلیز اب یہ مت کہنا کہ اتفاق سے پتا چل گیا یا دوستوں کے ساتھ مل کر اندازہ لگا لیا، تم اسے جانتی ہو نا؟'' وہ لمحوں میں بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔

''ایک منٹ ذرا اپنا وٹس ایپ آن کریں۔'' فائزہ نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اسے وٹس ایپ آن کرنے کو کہا تو ہادی نے بھی مزید کوئی سوال کیے بنا اس کی بات پر عمل کیا کچھ ہی لمحوں میں فائزہ کے موبائل سے تصاویر آنا شروع ہو گئیں وہ تصاویر کسی سالگرہ کے فنکشن کی لگ رہی تھیں تصویر میں فائزہ کے ساتھ کھڑی ہانیہ کو دیکھ کر ہادی بے اختیار گہرا سانس بھر کر رہ گیا اور جلدی سے فائزہ کا نمبر ملانے لگا۔

''ہادی بھائی چوائس تو آپ کی کمال کی ہے لیکن مجھے یہ پوچھنا تھا کہ آپ کو پورے شہر میں ہانیہ کے علاوہ کوئی لڑکی نہیں ملی؟'' فائزہ کے سوال پر ہادی چونکا تھا۔

''ارے یہ ہانیہ ہے تمہاری ہم زاد۔'' ہادی بچپن میں ان دونوں کو ایک دوسرے کا ہم زاد کہہ کر چڑایا کرتا تھا ہادی کو اب سمجھ آئی تھی کہ وہ لڑکی اسے جانی پہچانی کیوں لگ رہی تھی۔

''جی ہاں یہ ہانیہ ہی ہے۔'' فائزہ نے تصدیق کی لیکن اس کے لہجے میں وہ جوش و خروش نہیں تھا جس کی ہادی توقع کر رہا تھا، ہادی کے خیال میں تو ہادی کی پسند جان کر فائزہ کو خوشی سے چھلانگیں لگانا چاہیے تھا لیکن وہ تھی کہ اتنے ڈھیلے ڈھالے انداز میں اس سے الٹے سیدھے سوال کر رہی تھی۔

''تو یار یہ تو اچھا ہو گیا نا تم بھی یہی چاہتی ہو کہ ہانیہ تمہاری بھابھی بن جائے اور اب میں بھی یہی چاہتا ہوں۔'' ہادی نے الجھتے ہوئے سوال کیا۔

''لیکن وہ ایسا کبھی نہیں چاہے گی بھائی۔'' فائزہ نے جواب دیا۔

''اور وہ کیوں نہیں چاہے گی؟'' ہادی نے پوچھا۔

''آپ کے اس سوال کا جواب بہت لمبا ہے بھائی۔'' فائزہ نے کہا۔

''کوئی مسئلہ نہیں ہمارے پاس پوری رات ہے۔'' ہادی سب کچھ جاننے کو بے چین ہو رہا تھا بات تو فائزہ بھی کرنا چاہ رہی تھی لیکن وہ ابھی ہادی کے جذبات سے اچھی طرح آشنا نہیں ہوئی تھی یا اسے وقتی پسند سمجھ رہی تھی تبھی اس کی دلچسپی کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بات کر رہی تھی ہادی کا جواب سن کر فائزہ نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے جیسے خود کو ایک طویل داستان سنانے کے لئے تیار کیا اور پھر کچھ اس طرح گویا ہوئی۔

''ہانیہ کی عمر اس وقت آٹھ نو سال رہی ہو گی جب وہ اپنی فیملی کے ساتھ ایک بار چھٹیاں

گزارنے کے لئے اپنے چچا کے گھر گئی تھی باقی سب تو کچھ دنوں کے بعد واپس آ گئے لیکن ہانیہ ضد کر کے کچھ اور وقت کے لئے وہاں رک گئی، شہر میں رہنے والی ہانیہ کے لئے گاؤں کا ماحول اور لوگ بہت کشش رکھتے تھے، اس سارے عرصے میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کے علاوہ اس کا ایک اور پسندیدہ مشغلہ یہ تھا کہ جب بھی اس کی چچی کی چھوٹی اور بہت ہی چہیتی بہن تھی عمروں میں بہت زیادہ فرق نہ ہونے کے باوجود رخسانہ چچی نبیلہ کو اپنی اولاد کی طرح پیار کرتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ رخسانہ چچی کے بچپن میں ہی ان کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا اس وقت رخسانہ جو کہ خود ابھی بچی تھیں چھوٹی بہن کی محرومی کو محسوس کرتے ہوئے کسی کے کچھ سمجھائے بنا چھوٹی بہن کے لئے ماں کا کردار ادا کرنے لگیں وہ نبیلہ کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلاتیں، اسے نہلاتیں اور اس کا ہر کام خود اپنے ہاتھوں سے کرتیں، رخسانہ چچی کے ابا دوسری شادی کر کے گھر میں سوتیلی ماں لے آئے تو رخسانہ چچی کی فکر نبیلہ کے لئے اور بھی زیادہ بڑھ گئی وہ سوتیلی ماں کا ہر برا رویہ سہتی سارے کام جوان کی عمر کے لحاظ سے بہت مشکل اپنے ہاتھوں سے کرتیں لیکن نبیلہ کو اس سب سے دور رکھتیں۔'' فائزہ تسلسل سے بول رہی تھی اور ہادی بڑے صبر اور توجہ کے ساتھ اسے سن رہا تھا۔

''آگے کیا ہوا؟'' فائزہ لمحہ بھر کو سانس لینے کو رکی تو ہادی بے اختیار سوال کر بیٹھا فائزہ نے ایک بار پھر بولنا شروع کر دیا اور وہ ہادی کو ایک ایک کر کے ہر بات بتاتی چلی گئی۔

☆☆☆

''چچی جان آپ کہاں جا رہی ہیں؟'' ہانیہ کمرے میں آئی تو رخسانہ چچی کو برقع پہنتے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''ہاں میں ذرا نبیلہ کی طرف جا رہی ہوں۔'' انہوں نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''میں بھی چلوں آپ کے ساتھ؟'' ہانیہ نبیلہ کے گھر جانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔

''تم اچھا چلو۔'' رخسانہ نے ایک لمحے کی ہچکچاہٹ کے بعد اسے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی تو ہانیہ خوش ہو گئی اور پھر ان کے ساتھ چلتے ہوئے وہ باتیں کرتی رہی لیکن خلاف معمول رخسانہ اس کی ہر بات کا جواب بس ہاں ہوں میں ہی دے رہی تھی اتنے مختصر جواب سن کر ہانیہ بھی چپ کر کے چلنے لگی، نبیلہ کے گھر پہنچ کر رخسانہ نبیلہ کے کمرے کی طرف چلی گئی اور ہانیہ دوسرے کمرے کی طرف بھاگ گئی جہاں آصف کے بھائی اپنی فیملی کے ساتھ رہتے تھے لیکن وہاں جا کر اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا سارے بچے اپنی نانی کے گھر گئے ہوئے تھے ہانیہ منہ لٹکائے نبیلہ کے کمرے میں چلی آئی لیکن کمرے کا منظر دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گئی نبیلہ اور رخسانہ بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے اور نبیلہ بے تحاشا رو رہی تھی جبکہ رخسانہ اسے چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی ان دونوں نے ہانیہ کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا ہانیہ بھی چپ چاپ کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھ گئی نبیلہ اس طرح روتے دیکھ کر اسے بہت دکھ ہو رہا تھا لیکن ظاہر ہے وہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی تھی اسے تو یہ تک معلوم نہ تھا کہ وہ رو کیوں رہی تھی، شاید آصف انکل نے نہیں ڈانٹا ہوگا۔

وہ اپنے تئیں بات کی تہہ تک پہنچ گئی اور اسے آصف پر غصہ آنے لگا۔

''لیکن آصف انکل تو کتنے اچھے ہیں کتنے ڈیسنٹ اور کیسے پیار سے بات کرتے ہیں، وہ

آنٹی کو کیسے ڈانٹ سکتے ہیں ضرور کوئی اور بات ہوئی ہو گی، شاید آنٹی بیمار ہیں اس لئے رو رہی ہیں۔'' نیلی آنکھوں والے سرخ سفید خوبرو آصف کا مسکراتا ہوا خوبصورت سراپا اس کے ذہن کی سکرین پر جگمگایا تو اس نے خود ہی اپنی بات کی نفی کر دی اور آصف کو بھی باعزت بری کرتے ہوئے ایک اور وجہ تلاش لی۔

''باجی آپ تو مجھ سے اتنا پیار کرتی ہیں پھر میرے لئے ایسا انسان کیسے پسند کر لیا آپ نے؟'' نیلہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''اس بات سے بے خبر کہ رخسانہ کے ساتھ ساتھ ہانیہ بھی پوری توجہ سے اسے سن رہی تھی۔''

''میں نے تو اپنی طرف سے اچھا ہی سوچا تھا گاؤں کا سب سے زیادہ امیر گھر شہزادوں جیسی صورت والا لڑکا، یہی سب تو دیکھتے ہیں شادی کرتے وقت تو میں نے بھی یہ سب دیکھا مجھے کیا پتا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ اتنا برا سلوک کرے گا۔'' رخسانہ دکھ بھرے لہجے میں بولیں۔

''شہزادوں جیسی صورت اور اتنی زیادہ دولت نے ہی تو اسے ایسا بنا دیا ہے، اس سے اچھا ہوتا کہ وہ ایک بدصورت اور غریب انسان ہوتا پھر کوئی اس کی طرف توجہ دیتی نہ وہ کسی کو اپنے ...ن اور دولت کے جال میں پھنسا سکتا تو میری ...ندگی میں بھی کوئی خوشی ہوتی۔'' نبیلہ کے رونے کی آواز کچھ اور اونچی ہو گئی اس بار رخسانہ بھی اس ...ے ساتھ رونے لگی تھی، ہانیہ ان دونوں کو روتا ...یلھ کر بہت پریشان ہو گئی تھی اب اسے خود بھی رونا آ رہا تھا۔

''میں آپ کو بتا رہی ہوں باجی میں اپنی ...ان لے لوں مجھے اتنے گھٹیا انسان کے ساتھ ...گی نہیں گزارنی یا تو آپ مجھے اس سے طلاق ...وا دیں یا پھر میں خودکشی کر لیتی ہوں اور میرے پاس کوئی راستہ نہیں ہے اب۔'' نبیلہ کی اس بات پر رخسانہ نے دہل کر اسے دیکھا تھا اور ہانیہ کی آنکھوں میں بھی خوف سمٹ آیا تھا۔

''پاگل ہوئی ہو کیا کیسی باتیں کر رہی ہو، مریں تمہارے دشمن، دیکھو میری پیاری عورتوں کی زندگی میں یہ سب حالات آتے رہتے ہیں بہادری سے ان کا مقابلہ کرو ایک دن آئے گا جب آصف کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔'' رخسانہ اسے سمجھا رہی تھی۔

''نہیں باجی اب میری برداشت ختم ہو گئی ہے میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کہ جب وہ میرے قریب آتا ہے تو مجھے اپنے آپ سے کتنی گھن آتی ہے، آپ بس مجھے طلاق دلوا دیں۔'' نبیلہ نے اپنا مطالبہ دہرایا۔

''خبردار جو دوبارہ یہ منحوس لفظ اپنی زبان پر لے کر آئیں تم، جانتی بھی ہو طلاق یافتہ عورت کی ہمارے معاشرے میں کیا حیثیت ہوتی ہے اور پھر طلاق لے کر تم جاؤ گی کہاں، باپ کے گھر تو پہلے ہی ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں تھی تو اب کوئی امید رکھنا بیکار ہے میں خود سسرال میں ہوں میرے لئے ممکن نہیں کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھ سکوں ہے کوئی ٹھکانہ تمہارے پاس؟'' رخسانہ اس کے طلاق کے مطالبے کو دہرانے پر غصے میں آ گئیں لیکن بات کے آخر تک آتے آتے وہ خود روہانسی ہو گئی تھیں، رخسانہ یہ کیسی مشکل آ پڑی تھی جس بہن کو وہ گرم ہوا سے بھی بچا کے رکھتی تھی آج وہی بہن اتنی تکلیف میں تھی اور رخسانہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے اسے وہ تکلیف سہتے رہنے کا مشورہ دے رہی تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہ تھا بھائی ہوتا تو شاید اس مشکل وقت میں بہن کے سر پر سائبان بن جاتا اور کچھ نہیں تو آصف سے پوچھ تاچھ تو کرتا اپنی بہن کے حق کی

بات تو کرتا رخسانہ کو زندگی میں پہلی بار خدا سے بھائی نہ ہونے پر شکوہ ہو رہا تھا۔

''تو پھر ٹھیک ہے جو مجھے ٹھیک لگے گا میں وہی کروں گی۔'' نبیلہ اب رو نہیں رہی تھی بلکہ وہ حیرت انگیز طور پر پرسکون دکھائی دے رہی تھی اس کے چہرے پر وہی سکون اور سختی تھی جو کسی مشکل فیصلے پر پہنچنے کے بعد انسان کے چہرے پر آ جایا کرتی ہے۔

''تم ایسا ویسا کچھ نہیں کرو گی سمجھی تم۔'' رخسانہ کا لہجہ سخت ہو گیا۔

''تمہارے بھائی کی کال ہے یقیناً وہ گھر آ گئے ہوں گے اب مجھے جانا ہوگا انہوں نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا ہوا انہیں کھانا دینا ہو گا۔'' ہاتھ میں پکڑا فون بجنے لگا تو رخسانہ نبیلہ کو کہتے ہوئے فون سننے لگیں۔

''میں ابھی جا رہی ہوں کل آنے کی کوشش کروں گی، تم اب بس اپنا خیال رکھنا۔'' چچا کے فون کی وجہ سے نا چاہتے ہوئے بھی رخسانہ چچی کو گھر واپس جانا پڑ رہا تھا حالانکہ وہ بہن کو اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھیں لیکن مجبوری تھی، وہ برقع پہننے لگیں تو ہانیہ بھی ان کے ساتھ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئی واپسی کے راستے پر دونوں خاموش رہے تھے اپنی اپنی سوچ میں گم ساتھ ساتھ چل رہے تھے، ہانیہ کو پہلی بار گاؤں سے بیزاری محسوس ہو رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا وہ فوراً یہاں سے واپس چلی جائے۔

☆☆☆

آصف اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تو نہیں تھا اس سے بڑے دو اور بھائی بھی تھے لیکن آصف سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ماں باپ کا کچھ زیادہ ہی لاڈلا تھا، وہ فطرتاً خود غرض اور ضدی تھا رہی سہی کسر اس کی خوبصورتی نے پوری کر دی ہوش سنبھالنے سے اب تک وہ جو چاہتا تھا وہ منوا کر دم لیتا تھا گھر میں ہی نہیں گاؤں میں بھی اس کے جیسا خوبصورت نوجوان کوئی نہیں تھا، گاؤں کی جوان لڑکیاں اسے دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرتیں تو نوجوان اس کی اس اہمیت پر دل ہی دل میں اس سے حسد بھی محسوس کرتے، وہ جس لڑکی سے ہنس کر بات کر لیتا وہ اپنے آپ کو خوش قسمت خیال کرتی اس بات نے جہاں اسے بہت مغرور بنا دیا وہیں وہ بے راہ روی کے راستے پر بھی چل نکلا تھا لیکن اس کی خوبصورتی اور دولت کے آگے یہ عیب معمولی بن کر رہ گیا تھا، سب کا خیال یہی تھا کہ آصف کے لئے نہ جانے آسمان کا کون سا تارا توڑ کر لائیں گے نہ جانے کیسی حسین پریوں جیسی لڑکی سے اس کی شادی کی جائے گی لیکن آصف کی ماں کی نظر نبیلہ پر آ کر ٹھہر گئی اپنے بیٹے کے کرتوتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھی اس کے نخرے دکھانے والی عادت بھی ان کے سامنے تھی ایسے میں نبیلہ جیسی لڑکی ہی اس کے ساتھ نبھاہ کر سکتی تھی جسے میکے سے باپ کی سپورٹ بھی نہیں تھی اور سوتیلی ماں کے سلوک سے تو پورا گاؤں ویسے ہی واقف تھا باقی رہ گئی رخسانہ تو وہ اپنے گھر بار کی تھی اس سے آصف کی ماں کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

''میں سوچ رہی ہوں تمہارے لئے نبیلہ کا مانگ لوں۔'' ایک شام جب آصف ماں کے پاس آ کر بیٹھا تو انہوں نے سرسری سے انداز میں بات کرنا شروع کی۔

''کون نبیلہ؟'' آصف نے پوچھا۔

''اکرم چاچا کی بیٹی؟'' آصف نے انداز لگایا کہ قریب کے رشتوں میں دو ہی نبیلہ نام کی لڑکیاں تھیں ایک کی شادی ہو گئی تھی اس لئے اماں اس کا ذکر تو کرنے سے رہی تھیں۔

''تیرا دماغ تو ٹھیک ہے اماں، میرے واسطے وہ کالی کلوٹی ہی رہ گئی ہے کیا؟'' نبیلہ کی سانولی رنگت کو کالا قرار دیتا آصف غصے سے آگ بگولہ ہوتا سارے لحاظ بھول کر بدتمیزی پر اتر آیا۔

''ارے میری بات تو سن، ایک منٹ میں غصہ ہو جاتا ہے، دیکھ وہ تجھ سے شکل میں کم ہے، باپ بھائی کا سہارا بھی نہیں اور پھر زمین جائیداد میں بھی اس کا خاندان ہمارے سے بہت نیچے ہے ساری زندگی تجھ سے دب کر رہے گی تیری خدمت کرے گی اور تجھے کیا چاہیے۔'' اس کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ماں نے اچھی طرح سمجھانے کی کوشش کی وہ راضی تو نہیں ہوا لیکن خاموش ضرور ہو گیا اور فی الحال اس کا خاموش ہو جانا ہی کافی تھا خاموشی مان جانے کی طرف پہلا قدم ہوتی ہے یہ اماں کا یقین تھا اور یہ یقین کچھ ایسا غلط بھی نہ تھا، انہوں نے بات آصف کے کان میں ڈال دی تھی انہیں امید تھی وہ اس پر سوچے گا ضرور اور اس نے صرف سوچا ہی نہیں بلکہ دوستوں سے مشورہ بھی مانگ لیا۔

''بات تو خالہ کی ٹھیک ہے ویسے بھی تو نے کون سا ساری زندگی بس ایک بیوی پر گزارا کرنا ہے۔'' عادل نے ساری بات سن کر مشورہ دیتے ہوئے آنکھ دبا کر خباثت سے کہا تو سب دوستوں نے زوردار قہقہہ لگایا اور آصف کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

''اور اچھا ہے نا بیوی شکل کی جیسی بھی ہو لیکن کردار کی مضبوط ہونی چاہیے، آخر اس نے ہماری نسلوں کی تربیت کرنا ہوتی ہے، باقی دل بہلانے کو گھر سے باہر کیا کم لڑکیاں ہیں۔'' عادل کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے شکیل نے بھی گفتگو میں اپنا حصہ ڈالا اور مضبوط کردار کی بیوی کو لازمی قرار دینے والا بھول گیا کہ کردار صرف عورت کا ہی نہیں مرد کا بھی ہوا کرتا ہے جس کی اسے بھی اسی طرح حفاظت کرنا ہوتی ہے جس طرح ایک عورت کرتی ہے، بات آصف کی سمجھ میں آ گئی اور اس نے ماں سے اس رشتے کے لئے ہامی بھر لی دوسری طرف نبیلہ کی ماں تو پہلے ہی اسے گھر سے بھیجنے کو تیار بیٹھی تھی جب جہیز کی ڈیمانڈ کے بغیر رشتہ آیا تو اس نے فوراً اس رشتے کے لئے حامی بھر کہ گھر میں فیصلے تو اسی کے چلتے تھے نبیلہ کے باپ کو کسی بھی بات کے لئے راضی کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، رخسانہ بھی نبیلہ کے لئے بہت پریشان تھی اسے امید نہ تھی کہ گاؤں کے سب سے کھاتے پیتے گھرانے سے نبیلہ کے لئے رشتہ آ جائے گا گھر تک محدود رہنے والی رخسانہ آصف کی اصلیت سے ناواقف ہونے کی بنا پر اپنی بہن کی خوش قسمتی پر جھوم اٹھی باقی جب اس کے میاں نے بھی اس رشتے کو بہترین قرار دیا تو اس کے رہے سہے خدشات بھی جاتے رہے اور اس طرح نبیلہ دلہن بن کر آصف کے آنگن میں اتر آئی، شروع کا ایک دو مہینہ تو ٹھیک ہی گزر گیا نبیلہ صرف آصف کے مغرور اور بدلحاظ رویے سے تھوڑا پریشان ہوئی تھی لیکن اسے امید تھی کہ وقت کے ساتھ آصف کے رویے میں بہتری آ جائے گی لیکن دھیرے دھیرے جب اس پر آصف کی عادات اور مشاغل کا بھید کھلنے لگا تو وہ مایوس ہوتی چلی گئی، شادی کے تین سال بعد بھی بے اولاد رہنے کی وجہ سے اس کی زندگی کی مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا اولاد نہ ہونے کا الزام نبیلہ کے سر دھر کر آصف نے اپنی ماں کو بھی نبیلہ کے خلاف کر لیا تھا اب نبیلہ کے سامنے دو دو محاذ تھے اور اس کے پاس اس لڑائی کو لڑنے کے لئے نہ تو ہمت تھی اور نہ ہی کسی کا ساتھ، آصف

کے بھائیوں کا رویہ اس کے ساتھ ٹھیک تھا لیکن وہ ایسے بھی بے وقوف نہ تھے کہ بھابھی کی حمایت لے کر اپنے بھائی کی ناراضگی مول لیتے البتہ ان کی بیویاں باتوں باتوں میں نبیلہ کی ہنسی اڑانے سے باز نہیں آتی تھیں اور نبیلہ کی مجبوری کہ اسے یہ سب خاموشی سے سہنا پڑتا تھا۔

☆☆☆

گاؤں کے اس گھر کا آنگن بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ عام طور پر تصور کیا جاتا ہے بڑا سا آنگن اور اس میں لگے جامن، امرود اور آم کے بڑے بڑے درخت ہاں ایک اور درخت بھی تھا جو ان سب کے مقابلے میں زیادہ بڑا اور پرانا تھا درختوں سے زیادہ واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے ہانیہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس چیز کا درخت ہے لیکن یہ ضرور تھا کہ اسے وہ درخت سب سے زیادہ پسند تھا اس کی وجہ شاید یہ بھی کہ وہ سب سے زیادہ سایہ دار تھا اور وہ سب بچے بھری دوپہر میں اس کے سائے تلے آرام سے کھیل سکتے تھے اور اس کی شاخوں میں پڑے جھولے پر جھول سکتے تھے،

یہ گھر نبیلہ کا سسرال تھا جہاں نبیلہ اپنے شوہر آصف کے ساتھ رہتی تھی ان کے علاوہ اس گھر میں نبیلہ کے ساس سسر اور آصف کے دو بڑے بھائیوں کی فیملی بھی رہتی تھی، آصف اور نبیلہ کی کوئی اولاد نہ تھی لیکن آصف کے بڑے بھائیوں کے چار چار بچے تھے دونوں بڑے بھائیوں کی شادیاں دو سگی بہنوں سے ہوئی تھیں اور دونوں شادیاں ایک ساتھ ہی ہوئی تھیں اور اتفاق سے دونوں کے بچے بھی چند مہینوں کے فرق سے ہم عمر ہی تھے فرق صرف اتنا تھا کہ بڑے بھائی کے چار بیٹیاں تھیں جبکہ چھوٹے بھائی کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی، آٹھ بچوں پر مشتمل یہ گھر ہانیہ کو سب سے زیادہ اچھا لگتا تھا نبیلہ کا گھر رخسانہ چچی کے گھر سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا پھر نبیلہ کا محبت اور شفقت بھرا انداز بھی ہانیہ کو اس گھر کی طرف کھینچتا تھا اس کے باوجود چچی یا ان کے کسی بچے کے ساتھ ہی نبیلہ کے گھر آیا کرتی تھی کیونکہ جانے سے پہلے نزہت نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اکیلی گھر سے باہر کہیں نہیں جائے گی کچھ وہ خود بھی اکیلے باہر جانے سے جھجکتی تھی کہ اپنے گھر ہوتے ہوئے بھی وہ باہر اکیلے کبھی نہیں جاتی تھی۔

''راحیلہ، نبیلہ آنٹی کے گھر چلیں؟'' دوسرے کزنز سے مایوس ہو کر ہانیہ، راحیلہ کے پاس آ کر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''نہیں میں ابھی کہیں نہیں جا سکتی مجھے یہ ہوم ورک مکمل کرنا ہے ورنہ امی بہت ناراض ہو جائیں گی۔'' راحیلہ نے صاف انکار کر دیا۔

''میں تمہارے ساتھ تمہارا ہوم ورک کرو دیتی ہوں پھر تو چلو گی نا؟'' ہانیہ نے بہت سوچ کر مسئلے کا حل نکالا۔

''نہیں بھئی میری مس کو میری لکھائی کی پہچان ہے انہیں پتا چل جائے گا کہ وہ کام میں نے نہیں کیا۔'' راحیلہ، ہانیہ کی سوچ سے زیادہ بزدل تھی جب راحیلہ کسی طرح بھی ساتھ جانے کو تیار نہ ہوئی تو آخر ہانیہ نے اکیلے جانے کا فیصلہ کر لیا، گرمیوں کی دوپہر تھی رخسانہ سارے کاموں سے فارغ ہو کر دو گھڑی آرام کرنے کو لیٹی تو اس کی آنکھ لگ گئی، ہانیہ، رخسانہ کو اپنے جانے کا بتانے کے لئے رخسانہ کے کمرے میں آئی لیکن اسے گہری نیند میں دیکھ کر چپ کر کے وہاں سے چلی گئی۔

''میں نبیلہ آنٹی کے گھر جا رہی ہوں۔'' راحیلہ کو اطلاع دیتی وہ جانے کو تیار کھڑی تھی راحیلہ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا ویسے بھی اس کا

تو پورا دھیان اپنے ہوم ورک پر تھا ٹیوشن پر اسے ... سب چیک کروانا تھا، ہانیہ نے گھر سے باہر قدم ... تو ایک بار تو اسے اپنی ماں سے کیے وعدے کا ... خیال آیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ ہر بات اور ہر ... ف کو ذہن سے نکالتے ہوئے گھر سے باہر نکل ... لی، گاؤں کی گلیاں دوپہری کے سبب سنسان ... ی تھیں وہ اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتی راستے میں آئے پتھروں کو پاؤں کی ٹھوکر سے دور پھینکتی اپنی ... ن میں چلی جا رہی تھی جب اسے کسی نے نام لے کر پکارا اپنا نام سن کر وہ مڑی اور پکارنے والے کو دیکھا وہ آصف تھا۔

''اتنی دوپہر میں کہاں جا رہی ہو تم؟'' ہانیہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آصف نے پیار بھرے لہجے میں سوال کیا۔

''میں تو آپ کے گھر جا رہی ہوں نبیلہ آنٹی کے پاس۔'' ہانیہ نے جواب دیا۔

''ارے واہ میں بھی تو گھر ہی جا رہا ہوں چلو دونوں ساتھ چلتے ہیں۔'' آصف نے جھکتے ... ئے کہا۔

''تم تھک گئی ہو گی آؤ میں تمہیں گود میں اٹھا کر لے جاتا ہوں۔'' آصف نے بے تکلفی سے کہتے ہوئے ہانیہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے گود میں اٹھانے کی کوشش کی ہانیہ اتنی بڑی نہیں تھی کہ لوگوں کی نیتوں کو سمجھ پاتی لیکن اتنی چھوٹی بھی نہیں تھی کہ اچھی بری بات اور لمس کا فرق نہ سمجھ لی۔

''میں خود جا سکتی ہوں۔'' اس نے آصف کے ہاتھ کو بری طرح جھٹکتے ہوئے غصے سے کہا تو ... کچھ محتاط سا ہو گیا۔

''چلو ٹھیک ہے تم خود چلی جاؤ میں تو ... ے تھکنے کا خیال کر کے کہہ رہا تھا۔'' آصف ... انا ہو کر کہہ رہا تھا، ہانیہ نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور نبیلہ کے گھر کی بجائے واپسی چچا کے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔

''کیا ہوا تم اتنی جلدی واپس بھی آ گئیں؟''

وہ گھر پہنچی تو تیز بھاگنے اور ڈرے ہونے کی وجہ سے اچھی خاصی ہانپ رہی تھی، راحیلہ نے اسے اتنی جلدی واپس آتے دیکھا تو حیرت سے سوال کیا لیکن ہانیہ اس کی بات کا جواب دیئے بنا پچھلے صحن کی طرف بھاگ گئی وہاں بھی کئی سارے سایہ دار درخت اپنا مہربان سایہ لئے موجود تھے، ہانیہ سب سے آخر والے درخت کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئی اسے وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی لیکن اسے بے تحاشا رونا آ رہا تھا اور وہ وہاں سب سے چھپ کر رونے کے لئے آئی تھی کافی دیر روتے رہنے کے بعد جب وہ کچھ پرسکون ہوئی تو رخسانہ کے کمرے میں چلی آئی رخسانہ ابھی تک سو رہی تھی ہانیہ رخسانہ سے لپٹ کر لیٹ گئی اور کچھ ہی دیر میں وہ بھی نیند کی وادی میں اتر چکی تھی۔



ہانیہ گہری نیند میں تھی جبکہ کسی کے زور زور سے رونے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی کچھ لمحے تو اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا جب ذرا اچھی طرح بیدار ہوئی تو اسے احساس ہوا کہ رونے کی آوازیں صحن سے آ رہی تھیں وہ بے اختیار اٹھ کر صحن میں آئی اس کے سامنے کا منظر بڑا دلخراش تھا رخسانہ چچی زمین پر بیٹھی اپنا سر پیٹ پیٹ کر رو رہی تھیں روتے ہوئے وہ مسلسل بول بھی رہی تھیں جو ہانیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا غور کرنے پر اسے الفاظ سمجھ آ گئے رخسانہ بار بار میری بہن میری لاڈو چلی گئی، ہائے ظالموں نے میری بہن کو مار ڈالا جیسے الفاظ دہرا رہی تھیں، الفاظ سمجھ آنے پر ہانیہ خوف اور دکھ کی شدت سے اپنی جگہ پر بت بن گئی تھی۔

''ایسے رونے سے کیا ہوگا رخسانہ چل اٹھ اس بدنصیب کے پاس، چل کر اسے دیکھ تو لے۔'' گاؤں کی کسی عورت نے رخسانہ کو زمین سے اٹھاتے ہوئے کہا تو ایک اور عورت بھی اسے اٹھانے میں مدد کرنے لگی رخسانہ چچی جیسے اپنے آپ کو ان کے حوالے کر چکی تھیں وہ روتے ہوئے ان کے ساتھ جانے کے لئے کھڑی ہو گئیں انہی عورتوں میں سے کسی کے کہنے پر کوئی دوڑ کر رخسانہ کا برقع لے آیا رخسانہ چچی گھر سے نکلیں تو ان کے پیچھے پیچھے گھر میں جمع گاؤں کی باقی عورتیں بھی گھر سے باہر نکل گئیں اب ان کے وہاں ٹھہرے رہنے کی کوئی وجہ نہیں رہ گئی تھی اس چھوٹے سے قافلے کا رخ آصف کے گھر کی طرف تھا جہاں ان کی دلچسپی کے لئے ابھی بہت کچھ باقی تھا۔

☆☆☆

گھر کے سبھی افراد آصف کے گھر جا چکے تھے اب گھر میں صرف بچے ہی تھے جو کچھ بڑے تھے وہ اس واقعے پر بات کر رہے تھے جو بالکل چھوٹے تھے اور جنہیں اس بات کا احساس ہی نہیں تھا کہ کیا واقعہ پیش آیا ہے وہ بڑوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھاتے گھر بھر میں اودھم مچانے میں مصروف تھے، ہانیہ اور راحیلہ دونوں سب سے بڑی تھیں دونوں خاموشی سے ایک طرف بیٹھی انہیں کھیلتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔

''نبیلہ آنٹی کو کس نے مار ڈالا؟'' ہانیہ کے ذہن میں ہلچل مچاتے سوالوں کی پوٹلی سے ایک سوال راحیلہ کے سامنے رکھا۔

''انہیں کسی نے نہیں مارا انہوں نے تو خودکشی کی ہے پتا ہے انہوں نے گردن میں پھندہ ڈال کر خود کو چھت کے پنکھے سے لٹکا لیا ہے۔''

راحیلہ اس سے کہیں زیادہ باخبر تھی وہ آصف کے گھر جا کر اپنی خالہ کی لاش بھی دیکھ آئی تھی۔

''لیکن تمہاری امی تو کہہ رہی تھیں کہ کسی ظالم نے انہیں مار ڈالا ہے۔'' ہانیہ کے ذہن میں ابھی تک رخسانہ کی کہی باتیں ہی گونج رہی تھیں اور اسے وہ منظر بھی یاد آ رہا تھا جب نبیلہ کے کمرے میں بیٹھی وہ ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی، اسے یاد آیا نبیلہ نے کہا تھا کہ وہ اپنی جان لے لے گی اچانک ہانیہ کے حلق میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسنے لگا وہ بڑی مشکل سے آنسوؤں کو بہنے سے روک رہی تھی لیکن جب اس کی نظریں راحیلہ کی نظروں سے ملیں تو دونوں کی آنسو بھری آنکھیں جیسے ایک دوسرے کی ہم راز اور ہم درد بن گئیں دونوں لڑکیوں کے گالوں پر آنسو بہہ رہے تھے اور وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے خاموش ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے دل میں پیدا ہوتی دکھ کی لہر کو محسوس کر رہی تھیں۔

شام ڈھلے جب رخسانہ چچی اور گھر کے باقی افراد واپس آئے تو ان کی باتوں سے ہانیہ کو پتا چلا کہ نبیلہ کو دفنا آئے ہیں رخسانہ چچی اب بھی یہ کہے جا رہی تھیں کہ پولیس میں اطلاع کرنی چاہیے آصف اور اس کی ماں نے میری بہن کو مار ڈالا ہے لیکن ہانیہ کے علاوہ کوئی بھی ان کی اس بات پر دھیان نہیں دے رہا تھا بلکہ سب انہیں صبر کی تلقین کر رہے تھے، ہانیہ اور راحیلہ رخسانہ کے کمرے میں ہی دوسرے پلنگ پر سویا کرتی تھیں وہ ہانیہ کی اس مختصر سی زندگی کی ایسی رات تھی جب وہ ساری رات جاگتی رہی تھی رخسانہ چچی کی دبی دبی سسکیاں اسے بے چین کیے ہوئے تھیں اس کا بہت دل کر رہا تھا کہ وہ اٹھ کر رخسانہ چچی کے پاس جائے انہیں بتائے کہ ان کی طرح وہ بھی آصف انکل سے نفرت

ہے جنہوں نے اتنی اچھی نبیلہ آنٹی کو مار ڈالا ہے وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ آصف انکل اس کو گود میں اٹھا کر کہیں لے جانا چاہتے تھے۔

''شاید وہ مجھے بھی کسی پنکھے سے لٹکا کر مار ڈالنے والے تھے شکر ہے میں ان کے ساتھ نہیں گئی۔'' اس خیال نے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑا دی تھی ہانیہ اتنی ہمت تو نہ کر پائی کہ رخسانہ چچی کے پاس جا کر یہ سب کہتی لیکن سوچوں کی یلغار، گہرے دکھ اور خوف نے اس کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا تھا ساری رات کے رتجگے نے بھی اپنا کام دکھایا اور صبح تک ہانیہ بری طرح بخار میں پھنک رہی تھی۔

☆☆☆

نزہت اور منیر کو ٹیلی فون پر نبیلہ کی خبر مل گئی تھی لیکن وہ فوراً گاؤں جانے کے لئے روانہ نہیں ہو سکے تھے جب تک منیر دفتر سے چھٹی لے کر گھر آئے کافی وقت گزر گیا تھا، ان کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ جنازے میں شامل ہو سکتے، دوسری طرف گاؤں میں سب اسی دن نبیلہ کی تدفین کر دینا چاہتے تھے نزہت اور منیر اگلی صبح گاؤں پہنچے تھے اور وہاں ہانیہ کی حالت دیکھ کر وہ نبیلہ کا غم بھول گئے انہیں اپنی بیٹی کی فکر پڑ گئی۔

اصل بات سے کوئی واقف نہ تھا سب کا خیال یہی تھا کہ پچھلے دن میں بچوں نے خوب اچھل کود کی ہے تو تھکن کی وجہ سے اسے بخار ہو گیا ہے، نزہت اور منیر کے پہنچنے سے پہلے اسے بخار کی دوا کھلا کر سلا دیا گیا تھا کچھ رات کی نیند پوری نہ ہونے کے سبب اور کچھ داوؤں کے اثر میں ہانیہ دوپہر تک سوتی رہی تھی جاگنے پر طبیعت کچھ بہتر محسوس ہو رہی تھی لیکن ماں باپ کو دیکھ کر اس سے ضبط کرنا مشکل ہو گیا اور وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی اس کے اس طرح رونے سے وہ دونوں اور بھی زیادہ پریشان ہو گئے تھے وہ اپنی بیٹی سے اچھی طرح واقف تھے بظاہر شرارتی ہر دم ہنسی مذاق کرنے والی ان کی بیٹی کتنی حساس تھی یہ بات انہیں معلوم تھی، ماں باپ کو سامنے دیکھتے ہی ہانیہ نے گھر جانے کی رٹ لگا دی تھی وہ بھی جلد از جلد ہانیہ کو اس ماحول سے لے جانا چاہتے تھے قل میں شرکت ہو ہی چکی تھی اس لئے وہ شام سے پہلے پہلے اجازت لے کر اپنے گھر کے لئے روانہ ہو گئے تھے، یہ ہانیہ کا گاؤں کا آخری ٹرپ تھا اس کے بعد وہ پھر کبھی گاؤں نہیں گئی تھی، گھر آنے کے بعد بھی ہانیہ بار بار بخار آتا رہا تھا وہ زیادہ تر خاموش رہتی اور کبھی بلاوجہ بیٹھے بیٹھے رونا شروع کر دیتی اللہ اللہ کر کے اس کی حالت سنبھلی تھی اور وہ پہلے والی ہانیہ بن گئی تھی لیکن یہ صرف دیکھنے والوں کے لئے تھا اس چھوٹی لڑکی نے جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا تھا وہ باقی کی ساری زندگی اس کے اثر سے نکل نہیں پائی تھی یہی وجہ تھی کہ اسے ہر خوبرو مرد میں آصف کا چہرہ دکھائی دیتا تھا اس کے کچے ذہن نے ایک بات سوچ لی تھی اور اسے دل سے مان لیا تھا کہ ہر اچھی شکل وصورت رکھنے والا امیر انسان بہت برا ہوتا ہے اتنا برا کہ وہ کسی کا قتل بھی کر سکتا ہے، اگر وہ اپنی یہ سوچیں اور باتیں ماں باپ سے شیئر کر لیتی تو شاید وہ اسے اچھے سے سمجھا لیتے ہینڈل کر لیتے اور وہ اسی وقت اس سوچ کے اثر سے آزاد ہو جاتی لیکن یہ تو وہ باتیں تھیں جو اس نے صرف فائزہ کے ساتھ شیئر کی تھیں اور فائزہ تو خود اس کی طرح ایک چھوٹی بچی تھی اس نے ہانیہ کی کہی ہر بات کا پوری طرح یقین کیا تھا اور وہ ہانیہ کے دکھ میں برابر کی شریک بھی تھی اور اس بات پر خوش بھی کہ اس کی دوست آصف جیسے قاتل سے بچ کر بھاگ آئی تھی اس وقت دونوں لڑکیوں میں

کسی کو بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ اس واقعہ کا اثر ہانیہ کی زندگی پر اتنا زیادہ ہوگا کہ وہ اس کی زندگی کے اتنے بڑے فیصلے پر بھی اثر انداز ہوگا۔

☆☆☆

''اب تو آپ سمجھ گئے نا کہ وہ کبھی بھی آپ سے شادی کے لئے نہیں مانے گی؟'' ساری داستان سنانے کے بعد فائزہ نے ہادی سے پوچھا۔

''مجھ سے نہیں لیکن اگر میں اس کی پسند اور سوچ کے مطابق ہو جاؤں تب تو مان جائے گی نا؟'' ہادی نے پرسوچ لہجے میں سوال کیا۔

''کیا مطلب بھائی آپ بھلا بدصورت اور غریب کس طرح ہوں گے؟'' فائزہ کی سمجھ میں اس کی بات بالکل نہیں آئی تھی۔

''میری پیاری بہنا تم بھول گئی ہو کہ سکول سے لے کر یونیورسٹی تک ڈرامہ فیسٹول میں بہترین ایکٹنگ پر پہلا انعام ہمیشہ تمہارے بھائی کو ہی ملا ہے، بس مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے ہو گی۔'' وہ اب مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں تو آپ کے ساتھ ہی ہوں بھائی لیکن مجھے ابھی بھی سمجھ نہیں آ رہی کہ آخر یہ سب ہوگا کیسے اور جب بعد میں ہانیہ کو سچ پتا چلے گا تو وہ تو مجھ سے ناراض ہو جائے گی نا۔'' فائزہ ہادی کا ساتھ تو دینا چاہتی تھی لیکن ہانیہ کی ناراضگی کا سوچ کر پریشان بھی ہو رہی تھی۔

''وہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو میں سب سنبھال لوں گا اور اگر وہ تم سے تھوڑے بہت دنوں کے لئے ناراض ہو بھی گئی تو بھائی کی خاطر برداشت کر لینا اور اپنے بھائی اور دوست کے لئے تم اتنا تو کر ہی سکتی ہو نا؟'' ہادی نے اسے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بھائی مجھے یہ بتائیں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' فائزہ نے سوال کیا اور پھر ہادی نے اسے اپنے ذہن میں پنپتا منصوبہ بتانا شروع کیا جو وہ فائزہ کی باتیں سننے کے دوران بنا چکا تھا جوں جوں وہ بول رہا تھا فائزہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔

☆☆☆

عفت اور فرحان عفت کے میکے گئے ہوئے تھے جبکہ ہانیہ کل سے عالیہ کی طرف گئی ہوئی تھی، گھر میں صرف نزہت اور منیر ہی تھے جب تک نوراں آئی نزہت اور منیر ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے، آج نزہت نے اپنی الماری کی صفائی کرنے کا سوچ رکھا تھا، انہوں نے الماری کا سارا سامان بیڈ پر ڈھیر لگا دیا اور جو سوٹ انہوں نے نوراں کو دینا تھے وہ الگ کر کے رکھ رہی تھیں اور باقی نوراں کی مدد سے الماری میں رکھتی جا رہی تھیں کئی دنوں سے یہ کام ٹلتا آ رہا تھا اس لئے آج نوراں کے آنے کے بعد انہوں نے پہلا کام یہی کیا تھا۔

''دیکھو ذرا بی اماں آئی ہوں گی انہیں میرے کمرے میں ہی بھیج دینا اور ہاں یہ بھی لیتی جاؤ۔'' نزہت نے بیڈ پر ایک طرف رکھے کپڑوں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نوراں کو ہدایت کی اور ہاتھ میں تھامے آخری سوٹ الماری میں لٹکانے لگیں، نوراں کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی بی اماں اپنا برقع سنبھالتیں نزہت کے کمرے میں داخل ہوئیں نزہت نے بی اماں کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا کہا اور ساتھ ہی نوراں کو آواز دے کر بی اماں کے لئے چائے لانے کو کہا۔

''دیکھنا اگر فریج میں کوئی کباب وغیرہ رکھے ہوں تو وہ بھی ذرا فرائی کرتی لانا، بھئی تمہارے گھر کے کبابوں کا کوئی جواب نہیں میں تو

ہمیشہ ہر جگہ تعریف کرتی ہوں کہ کباب کھانے ہوں تو نزہت بیگم کے ہاتھ کے۔'' بی اماں نے نوراں کو آرڈر دیتے ہوئے نزہت کی تعریفوں کی پل بنا ڈالے اس فرمائش پر نوراں نے سوالیہ نظروں سے نزہت بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کچھ میٹھا پڑا ہو تو وہ بھی لیتی آنا۔'' نوراں نے دروازے سے نکلتے ہوئے بی اماں کی آواز سنی۔

''جی بہتر۔'' مڑے بنا جواب دیتی وہ تیزی سے کمرے سے نکلی تھی کہ کہیں بی اماں کو کچھ اور نہ یاد آ جائے، بی اماں کا تعلق اس علاقے سے نہیں تھا لیکن اس علاقے کے لوگ بی اماں سے بہت اچھی طرح واقف تھے کہ ہر دوسرے دن ان کی کسی نہ کسی گھر میں آمد ہوتی رہتی تھی صرف اتنا ہی نہیں اس علاقے میں کئی ایسے گھر تھے جن کے بچوں کی شادیاں بی اماں نے کروائیں تھیں، نزہت کو ایک ہمسائی نے بی اماں سے ملوایا تھا، ہمسائیوں کے گھر میلاد تھا نزہت وہاں مدعو تھیں اور بی اماں بھی میلاد میں آئی ہوئی تھیں بس وہیں ان کی سلام دعا ہوئی اور جب نزہت کو پتا چلا کہ بی اماں رشتے کروائی ہیں تو انہوں نے ان کا فون نمبر لے لیا اور پھر اگلے ہی دن بی اماں کو فون کیا اور ہانیہ کے رشتے کے لئے کہا، تب سے اب تک تین ماہ سے زیادہ ہو گئے تھے اس دوران بی اماں نے کئی رشتے بتائے تھے لیکن کچھ تو نزہت کو ہی پسند نہ آئے اور باقیوں کے لئے ہانیہ نے انکار کر دیا اس طرح بی اماں اور نزہت کی کوششوں کے باوجود یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ سکی تھی۔

''مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ آخر تمہیں کس طرح کا لڑکا چاہیے، ایک سے ایک اچھے رشتے کو تم لوگ انکار کرتے چلے آ رہے ہو اب تو مجھے ایسا لگنے لگا ہے کہ جیسے تم بیٹی بیاہنا ہی نہیں چاہتیں۔''

بی اماں نے آج پھر ایک رشتہ بتایا تھا لڑکا اچھی پوسٹ پر تھا نزہت نے لڑکے کے بارے میں ساری معلومات لینے کے بعد تصویر دکھانے کا کہا اور تصویروں والے البم میں لڑکے کی تصویر بھی دیکھ لی دراز قد اچھی صورت کا مالک تھا شکل سے ہی اچھی فیملی کا لگ رہا تھا بی اماں کو یقین تھا کہ آج کے رشتے کو نزہت بیگم انکار نہیں کر سکیں گی لیکن سب جاننے اور تصویر دیکھنے کے بعد جب نزہت نے کہا کہ۔

''بی اماں کوئی اور رشتہ نہیں ہے آپ کے پاس؟'' یہ سننا تھا کہ بی اماں کا موڈ بگڑ گیا اور وہ حیرت کا اظہار کرتے ہوئے صاف گوئی کا مظاہرہ کر کے نزہت کو شرمندہ کر گئیں۔

''میرا مطلب تھا عام سا لڑکا نہیں ہے آپ کے پاس جو زیادہ اچھی شکل وصورت کا نہ ہو بلکہ یوں سمجھیں کہ کم شکل ہو تو بہت ہی اچھا ہو جائے گا۔'' نزہت نے جھجکتے ہوئے اپنی ڈیمانڈ بتائی تو حیرت کے مارے بی اماں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، آج تک لوگوں نے ان سے اچھے امیر، افسر، خوبصورت، اکلوتے وغیرہ وغیرہ جیسے رشتوں کی فرمائش تو کی تھی مگر ایسی بات تو انہوں نے دنیا میں کسی کے منہ سے نہ سنی تھی۔

''اے بی بی تمہاری عقل گھاس چرنے تو نہیں چلی گئی، اتنی پیاری لڑکی کے لئے ایسا بر (رشتہ) ڈھونڈنے چلی ہو۔'' بی اماں سب کے ساتھ ایسے ہی بات کیا کرتی تھیں کچھ اچھے رشتے کے لالچ میں اور کچھ ان کی عمر کا لحاظ کر کے لوگ ان کی باتوں کا برا نہیں مناتے تھے کیونکہ بی اماں کی ایک بات بہت اچھی تھی کہ وہ دوسروں کی بیٹیوں کو بالکل اپنی بیٹیوں کی طرح سمجھتی تھیں اور کسی قسم کا کوئی جھوٹ نہیں بولتی تھیں جو کمی یا مسئلہ

ہوتا وہ صاف صاف بتا دیا کرتی پھر آگے والوں کی مرضی کہ وہ رشتہ کریں یا نہ کریں انہیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی، بی اماں کی بات سن کر نزہت خاموش سی ہو گئیں اور دل ہی دل میں ہانیہ جیسی ناخلف اولاد دینے پر اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرنے لگیں کہ اس سے زیادہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں۔

''اچھا اور بھی جو تمہاری ڈیمانڈ ہو صاف صاف بتا دو تاکہ میرے یونہی بے وجہ کے چکر نہ لگتے رہیں تمہارے گھر کے۔'' نزہت بیگم کو اس طرح گردن جھکائے دیکھ کر بی اماں کو شاید ان پر ترس آ گیا تھا تبھی مزید کچھ کہنے سے گریز کیا اور اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔

''عمر میں ہانیہ سے کچھ بڑا ہی ہو تو بہتر ہے ہانیہ ذرا لاابالی سی ہے ذمہ دار لڑکا اس کے لئے مناسب رہے گا۔'' بی اماں کے پوچھنے پر حوصلہ پا کر نزہت نے ایک اور شرط سامنے رکھی اور ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی، نزہت امید کر رہی تھیں کہ اس پر بھی بی اماں کوئی تبصرہ کریں گی لیکن بی اماں نے پرسوچ انداز میں اثبات میں گردن ہلا دی۔

''باقی گھر جائیداد وغیرہ کی بھی ہمیں کوئی ضرورت نہیں جاب بھی چاہے کوئی افسروں والی نہ ہو، بس لڑکا نیک شریف اور اچھے خاندان کا ہو اس کے علاوہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔'' نزہت ایک ہی سانس میں سب کچھ بتاتی چلی گئیں۔

''ویسے ایک بات کہوں برا نہ ماننا لیکن ایسا رشتہ تو تمہیں یونہی بھی مل سکتا ہے پھر مجھے بیچ میں ڈالنے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟'' بی اماں نے ذہن میں ابھرتا سوال نزہت کے سامنے رکھا۔

''ضرورت کیوں نہیں بی اماں، ایسے ہی کسی کو بھی تو بیٹی نہیں دے سکتے نا آپ جو رشتہ لائیں گی اس پر ہمیں یہ اطمینان تو ہوگا کہ لڑکا سچ میں نیک شریف اور خاندانی ہے، ماں باپ کے لئے تو یہ اطمینان ہی سب سے بڑی چیز ہوتی ہے بیٹی خوش رہے اپنے گھر میں آباد رہے اور بھلا کیا چاہیے۔'' نزہت کی اس وضاحت نے بی اماں کو خوش کر دیا کہ تعریف تو ہر ایک کو ہی رجھاتی ہے۔

''بس میں تو یہی چاہتی ہوں کہ ایک ماں کے دل پر کیا گزرتی ہے اگر اس کی بیٹی اپنے سسرال میں خوش نہ ہو۔'' بی اماں کی بات کے دوران ہی نوراں ٹرے اٹھائے چلی آئی اور کپوں میں چائے ڈال کر ایک پیالی نزہت کے آگے رکھی اور دوسری بی اماں کے ہاتھوں میں تھما دی بی اماں نے مسکراتے ہوئے کبابوں سے بھری پلیٹ اپنی طرف کھسکائی اور مزے لے لے کر کباب کھانے لگیں۔

''یہاں کھڑی کیا دیکھ رہی ہو، نظر لگاؤ گی کیا؟'' نوراں بنا پلکیں جھپکائے بی اماں کی فل سپیڈ میں کھانے سے انصاف کرتی دیکھ رہی تھیں بی اماں کو نظر خود کو دیکھتی نوراں پر پڑی تو انہوں نے برا مناتے ہوئے اسے اچھا خاصا جھڑک دیا۔

''نہیں بی اماں میں تو اس لئے کھڑی ہوں کہ کچھ اور چاہیے ہو تو بتا دیں۔'' جھڑکی سن کر نوراں نے بات بنائی اور پھر نزہت کے کہنے پر کمرے سے نکل آئی۔

''میں تو جیسے فالتو ہوں نا بڑھیا کو نظر لگانے کے لئے ایک تو خواہ مخواہ میرا اتنا کام بڑھا دیا اوپر سے باتیں بھی سنو۔'' برتن دھوتے ہوئے نوراں مسلسل بڑبڑائے جا رہی تھی، کچھ دیر بعد اس نے باہر سے آتی آوازوں سے اندازہ لگایا کہ بی اماں واپس چلی گئی ہیں اس کے برتن بھی دھل چکے تھے، وہ دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی نزہت

کے کمرے سے برتن اٹھانے لگی تو نزہت کو خیالوں میں گم پایا، کبابوں کی پلیٹ خالی تھی اور نوراں کو پورا یقین تھا کہ اس کام کو بی اماں نے اکیلے ہی انجام دیا ہے کھیر کا ڈونگا بھی آدھے سے کم رہ گیا تھا۔

''ویسے کمال ہے بی اماں اس عمر میں بھی کھانے کے معاملے میں جوانوں کو بھی مات دیے دیتی ہیں۔'' برتن ٹرے میں رکھتے ہوئے وہ اپنے دل میں آتی بات کہے بنا نہیں رہ سکی۔

''بری بات ہے نوراں کھانے پر نہیں ٹوکا کرتے ویسے بھی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں اللہ ان کا رزق الگ سے بھیجتا ہے پھر ہم تم کون ہیں ایسی باتیں کرنے والے۔'' نوراں کے بولنے پر نزہت خیالوں کی دنیا سے باہر آ گئیں تھیں لیکن اس کی بات پر وہ اسے ٹوکے بنا نہیں رہ سکی تھیں۔

''سوری بی بی جی میں تو بس ایسے ہی ایک بات کر رہی تھی۔'' نوراں نے مختلف گھروں میں کام کرتے ہوئے انگلش کے کچھ لفظ بہت اچھی طرح سیکھ لئے تھے جن میں سوری اور تھینک یو سر فہرست تھے۔

''کوئی بات نہیں یہ بتاؤ برتن دھل گئے۔'' نزہت نے اس کی سوری قبول کرتے ہوئے برتنوں کے بارے میں پوچھا۔

''جی کچن والے تو سارے دھل گئے بس یہی رہتے ہیں۔'' نوراں نے ٹیبل پر رکھے برتنوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

''چلو یہ دھولو پھر سبزی بنا دینا۔'' نزہت کے کہنے پر نوراں برتنوں کی ٹرے اٹھاء کچن کی طرف چلی گئی۔

''نہ جانے اماں بی اور کیا کیا سوچیں گی میرے اور ہمارے خاندان کے بارے میں اور یہ تو ممکن نہیں کہ وہ آج کی باتوں کا ذکر کسی اور سے نہ کریں، نہ جانے یہ لڑکی اور کیسے کیسے دن دکھائے گی۔'' نوراں کے باہر جاتے ہی نزہت ایک بار پھر اپنی سوچوں میں ڈوب گئیں۔

☆☆☆

''آپی ارسلان بھائی کتنے بجے تک گھر آ جائیں گے؟'' ہانیہ نے پچھلے دو گھنٹوں میں بلا مبالغہ کوئی چوتھی بار عالیہ سے یہ سوال کیا تو وہ جھنجلا سی گئی۔

''ارے بھئی بتایا تو ہے پانچ بجے وہ آفس سے نکلتے ہیں گھر پہنچتے تک ساڑھے چھ پونے سات ہو ہی جاتے ہیں لیکن آج انہیں اپنے ایک کولیگ کی عیادت کے لئے بھی جانا ہے تو اس لئے نو تو ہو ہی جائیں گے۔'' عالیہ نے کئی بار کا دہرایا جواب ایک بار پھر سنا دیا۔

''پھر ایسا کریں آپ مجھے ٹیکسی منگوا دیں مجھے گھر جانا ہے۔'' ہانیہ نے کہا۔

''ابھی صبح تو آئی ہو تم آج رات یہیں رک جاؤ کل ارسلان آفس جاتے ہوئے تمہیں گھر ڈراپ کر دیں گے۔'' عالیہ نے گود میں سوئی مایا کو جھولے میں لٹاتے ہوئے کہا۔

''نہیں نا مجھے ابھی گھر جانا ہے۔'' ہانیہ نے اصرار کیا وہ دونوں بہت دھیمی آواز میں باتیں کر رہی تھیں کیونکہ مایا بہت دیر رونے کے بعد کچھ دیر پہلے ہی بڑی مشکل سے سوئی تھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی آواز سے مایا پھر سے جاگ جائے، دو دن سے مایا کو بخار تھا اور اس کے بخار کا سن کر ہی ہانیہ بے چین ہو کر اسے دیکھنے آ پہنچی تھی صبح اپنے سسرال جاتے ہوئے فرحان اور عفت اسے عالیہ کے گھر ڈراپ کر گئے تھے پروگرام یہی تھا کہ شام میں ارسلان اسے واپس گھر ڈراپ کر دے گا لیکن ارسلان کو کولیگ کی

عیادت کے لئے جانا پڑ گیا اور اب ہانیہ بے چینی سے ارسلان کا انتظار کرتی عالیہ کو بار بار ایک ہی سوال کر کے زچ کیے جا رہی تھی۔

''خدمت کرو یار ابھی تو ان کے آنے میں بھی ایک گھنٹے سے زیادہ ہے گھر آ کر فریش ہو کر کھانا کھانے میں ایک گھنٹہ اور گزر جائے گا اتنی دیر رات کو گھر جانے سے بہتر ہے تم سکون سے رات یہیں ہمارے پاس گزار لو، ارسلان کو کھانا دے کر دونوں بہنیں کوئی اچھی سی فلم دیکھیں گی اور خوب گپیں لگائیں گی کتنے ماہ ہو گئے نا ہمیں اس طرح ساتھ وقت گزارے ہوئے۔'' عالیہ نے اسے راضی کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہی سوال بھی کر دیا اس کے لہجے میں گئے وقت کو یاد کرتے ہوئے عجیب سی حسرت تھی۔

''اب آپ کو اپنے سرتاج اور بیٹی سے فرصت ہی کہاں ملتی ہے کہ میرے ساتھ وقت گزاریں۔'' ہانیہ کے ذہن میں بھی پچھلی باتیں تازہ ہو گئیں تو وہ شکوہ کیے بنا نہیں رہ سکی۔

''ارے یار شادی کے بعد لائف بہت مشکل اور بہت مصروف ہو جاتی ہے لیکن یہ باتیں تمہیں ابھی سمجھ نہیں آئیں گی جب تمہاری اپنی شادی ہو گی تب پوچھوں میں تم سے۔'' عالیہ نے ہانیہ کے بال سنوارتے ہوئے پیار سے کہا۔

''چلو دیکھیں گے۔'' ہانیہ نے اس کا دیا چیلنج قبول کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہارے بال کتنے رف سے ہو رہے ہیں چلو میں تمہارے بالوں میں تیل لگا کر مالش کر دیتی ہوں۔'' عالیہ تیل لانے کے لئے اٹھنے لگی تو ہانیہ نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھنے سے روک دیا۔

''نہیں آپی آپ بھول گئیں مجھے رات کو بالوں میں تیل لگانے سے کتنی الجھن ہوتی ہے ساری رات ٹھیک سے سو نہیں پاتی اور بستر پر تیل لگ جاتا ہے وہ الگ۔'' ہانیہ کے یاد دلانے پر عالیہ مسکرا دی یقیناً ماضی کی کسی یاد نے ذہن پر دستک دی تھی۔

''وہ تو تمہارا قصور ہے پورے بیڈ پر گھوم گھوم کر سونے کی عادت نہ ہو تو کیوں بستر پر تیل لگے۔'' عالیہ کے اشارے کو سمجھتے ہوئے ہانیہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''آپ یہ واقعہ کبھی نہیں بھولیں گی نا؟'' ہانیہ عالیہ کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی اور اب عالیہ سے سوال کرتی وہ بھول گئی تھی کہ اسے گھر جانے کی کتنی جلدی ہو رہی تھی۔

''یہ بھی کوئی بھولنے کی بات ہے مجھے تو فرزانہ آنٹی کے چہرے کے تاثرات آج بھی یاد ہیں ان کا بس نہ چلتا تھا کہ اپنے جہیز کی چادر خراب کرنے پر تمہیں جان سے مار ڈالیں لیکن بیچاری مروت میں کہہ رہی تھیں۔''

''کوئی بات نہیں بچی ہی تو ہے۔'' عالیہ نے فرزانہ کے بولنے کی نقل کرتے ہوئے انہی کے انداز میں کہا اور دونوں بہنیں ہنس ہنس کر بے حال ہونے لگیں، یہ ان دنوں کی بات تھی جب ہانیہ ہائی سکول میں اور عالیہ کالج فرسٹ ائیر کی طالبہ تھی، وہ لوگ اپنے ددھیال میں ایک شادی پر گئے تھے، وہاں گاؤں سے آئی کچھ لڑکیوں نے رات کو سر میں تیل لگایا کہ اگلی صبح بارات میں جانے کے لئے ان کے بال زیادہ خوبصورت اور نرم ملائم ہو جائیں گے ان کی دیکھا دیکھی ہانیہ نے بھی اپنی نا پسندیدگی کو ایک طرف رکھتے ہوئے سر پر خوب تیل لگوا کر مالش بھی کروالی، رات ہوئی تو ہانیہ اور نزہت کو سونے کے لئے فرزانہ آنٹی کے بیڈ پر جگہ ملی، ہانیہ کی عادت تھی کہ سوتے ہوئے کروٹیں بدلتے بدلتے

بیڈ کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچ جاتی تھی دوسرے یہ ہوا کہ نزہت رشتے دار خواتین کے ساتھ باتوں میں لگی رہیں جبکہ نیند کی کچی ہانیہ جلدی سونے چلی گئی اور سوتے وقت تو اس نے سر کو کپڑے سے اچھی طرح لپیٹ لیا تھا کہ بستر خراب نہ ہو لیکن برا ہو اس کی عادت کا نزہت کے آنے تک وہ پورے بستر پر جانے کتنی بار گھوم چکی تھی اس وقت تو نزہت بھی نیند کی وجہ سے اور زیرو بلب کی کم روشنی میں کچھ دیکھ نہ پائیں لیکن صبح جب فرزانہ اپنے کمرے میں آئی تو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر نزہت کو بے حد شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا شرمندہ تو خیر ہانیہ بھی بہت ہو رہی تھی لیکن اس نے ایک بار سوری بول کر وہاں سے کھسک جانے میں ہی اپنی بہتری سمجھی تھی اور آج بھی عالیہ اسی واقعہ کا حوالہ دے رہی تھی۔

☆☆☆

اگلی صبح آفس جاتے ہوئے ارسلان ہانیہ کو اس کے گھر ڈراپ کر گیا تھا۔

''امی مجھے آپ لوگوں کی بہت یاد آئی۔'' وہ ماں کے گلے میں باہیں ڈالے لاڈ سے کہہ رہی تھی۔

''یاد تو بیٹا جی ہم نے بھی تمہیں بہت کیا مگر کیا اچھا ہی ہوا کہ تم کل گھر پر نہیں تھیں۔'' نزہت کو کل بی اماں کے سامنے ہوئی شرمندگی کا خیال آیا تو وہ ناراضگی سے کہنے لگیں، ان کی اس ذومعنی بات پر ہانیہ نے ناسمجھی سے باپ کی طرف دیکھا تو انہوں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا، بعد میں نوراں کی زبانی اسے بی اماں کی آمد اور باقی سب باتوں کا علم ہوا تو ماں کے خراب موڈ کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی اور اس نے شکر منایا کہ منیر نے اسے بروقت خاموش رہنے کا اشارہ کر دیا تھا ورنہ

نزہت کے ہاتھوں اس کی اچھی خاصی ہونے والی تھی۔

''امی مجھے بتائیں کیا پکانا ہے آج کا کھانا میں بناؤں گی۔'' ماں کی ناراضگی دور کرنے کو وہ کچن میں کھانے کی تیاری کرتی نزہت کے پاس آ کر بولی۔

''رہنے دو میں کرلوں گی۔'' انہوں نے ہانیہ کی طرف دیکھے بنا سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ارے نہیں نا آج میں بناؤں گی بس آپ مجھے بتا دیں کہ بنانا کیا ہے۔'' وہ زبردستی انہیں کچن سے باہر کھینچ لائی۔

''سالن تو پکنے رکھ ہی دیا ہے بس چاول بنا لو اور ساتھ میں رائتہ بنا لینا سلاد میں بنا چکی ہوں، روٹی جب کھانا لگاؤ تبھی بنانا۔'' اس کے اصرار پر نزہت نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا تو وہ سر ہلاتی کچن میں گھس گئی، اگلے ڈیڑھ گھنٹے میں وہ سب کچھ بنا کر فارغ ہو چکی تھی۔

''مارے گئے کل والی بات پر تو منالوں گی اس پر تو امی سے معافی بھی نہ ملے گی۔'' کھانا بنانے کے بعد اس نے کچن کا جائزہ لیا تو کچن کا برا حشر دیکھ کر اس نے اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے جلدی جلدی کچن سمیٹنا شروع کر دیا۔

رات کے وقت ہانیہ فائزہ سے ویڈیو کال پر بات کر رہی تھی اور ہمیشہ کی طرح بات ہونے پر ہانیہ نے الف سے یے تک بی اماں کی آمد اور نزہت کی ناراضگی کے بارے میں سب کچھ فائزہ کے گوش گزار کر دیا لیکن آج ہمیشہ کی فائزہ نے اس کو کوئی نصیحت کرنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

''یار مجھے تم سے ایک بہت ہی ضروری بات کرنی ہے۔'' فائزہ نے اس طرح بات شروع کی جیسے اچانک اس بات کا خیال آ گیا ہو۔

''ضروری بات، یعنی پھر کہیں زبردست سیل لگی ہے؟'' ہانیہ نے اس کی بات کو ذرا بھی سنجیدگی سے نہیں لیا تھا، کیونکہ وہ فائزہ کی ساری ضروری باتوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتی تھی۔

''ارے نہیں نا، یہ بات تمہارے بارے میں ہے۔'' فائزہ نے اس کے دل میں تجسس جگانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور وہ اپنی کوشش میں پوری طرح کامیاب بھی رہی تھی۔

''میرے بارے میں کیا بات ہو سکتی ہے؟'' ہانیہ اب دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

''یار میرے پاس تمہارے لئے ایک بہت زبردست رشتہ ہے، بالکل تمہاری پسند کا۔'' فائزہ نے بریکنگ نیوز سنانے کے انداز میں بتایا۔

''اچھا تو بتاؤ کون ہے وہ؟'' ہانیہ کے تجسس کی حس پوری طرح بیدار ہو چکی تھی۔

''میرا ایک کزن ہے شکل وصورت میں بالکل ویسا ہے جیسا تمہیں چاہیے جاب بھی کوئی خاص نہیں ابھی اس کے پاس یوں سمجھو تمہاری ہر شرط پر پوری طرح فٹ آتا ہے، ٹھہرو ذرا میں تمہیں اس کی پک سینڈ کرتی ہوں۔'' اور پھر اس نے ہادی کی تصویر اسے سینڈ کر دی، اس تصویر والے ہادی اور اصل ہادی میں زمین و آسمان کا فرق تھا، اگر جو کہیں کوئی مقابلہ ہوتا تو اس تصویر کو فوٹو شاپ کے شاہکاروں میں شامل کیا جا سکتا تھا، تصویر دیکھ کر ہانیہ کافی مطمئن دکھائی دینے لگی تھی۔

''میری طرف سے تو اوکے ہے اب امی ابو سے کون بات کرے گا؟'' کچھ دیر ہادی کی تصویر کا جائزہ لیتے رہنے کے بعد ہانیہ نے سوال کیا اور ہانیہ کے اس سوال پر فائزہ کھل اٹھی تھی۔

''یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو امی ہے نا وہ بات

کریں گی انکل آنٹی سے بس تم سے کنفرم کرنا تھا کہ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" فائزہ کو یہی تو چاہیے تھا منصوبے کے مطابق اسے پہلے ہانیہ کو اس شادی کے لئے راضی کرنا تھا پھر اس کے گھر والوں سے بات کرنے کی ذمہ داری ہادی نے ریحانہ کے سپرد کر دی تھی بعد میں ہادی کے ماں باپ باقاعدہ رشتہ لے کر جانے والے تھے۔

"مجھے کیا اعتراض ہونا ہے بس تم آنٹی سے کہو کہ وہ امی سے بات کرلیں میں بھی تنگ آگئی ہوں اس روز روز کی بحث سے۔" ہانیہ نے اپنی رضا مندی پر مہر لگا دی تو فائزہ کا دل چاہا خوشی کے مارے ناچنا شروع کر دے لیکن اس کی کوئی بھی ایسی ویسی حرکت ہانیہ کو شک میں ڈال سکتی تھی اس لئے وہ سنجیدہ سی شکل بنائے بیٹھی رہی، یہ اور بات کہ جب اس نے ہادی کو یہ خوشخبری سنائی تھی تو وہ دونوں اپنے منصوبے کے اتنی آسانی سے کامیاب ہو جانے پر اگلے دن دعوت کا پروگرام بنا بیٹھے تھے جو کہ ظاہر ہے ہادی کی طرف سے تھی۔

☆☆☆

"تمہارے بنا یہ گھر بالکل سونا ہو گیا ہے، کیا دوبارہ یہیں ٹرانسفر نہیں ہو سکتا؟" ہادی ایک دن کے لئے گھر آیا ہوا تھا ایک تو اسے ماں باپ سے ملے پندرہ دن سے زیادہ ہو گئے تھے دوسرے اسے ہانیہ کے بارے میں بھی بات کرنا تھی اور اب کھانے کی میز پر کوکب اس سے کئی بار پوچھا گیا سوال پھر سے دہرا رہی تھیں۔

"نہیں ماما اب تو مجھے اسی شہر میں رہنا پڑے گا فی الحال تو ٹرانسفر کا کوئی چانس نہیں اور میں کون سا خوش ہوں آپ لوگوں کے بنا لیکن کیا کیا جائے کہ آپ لوگوں کو بیٹے سے زیادہ اس شہر سے پیار ہے۔" اس نے جذباتی

شروع کی کیونکہ وہ سوچ کر آیا تھا کہ انہیں اپنے ساتھ چلنے کے لئے تیار کر کے ہی آئے گا۔

''مسٹر ڈرامے باز آپ کی یہ ایکٹنگ یہاں نہیں چلے گی اور جہاں تک بات ہے تمہارے پاس شفٹ ہونے کی تو اب اس بڑھاپے میں کیوں تم ہمیں اِدھر اُدھر چکر لگواتے ہو پڑا رہنے دو یہاں سکون سے اپنے گھر میں۔'' اس کی بات پر واجد ہنستے ہوئے بولے۔

''اور میں، میرا کیا میں اکیلا پڑا رہوں وہاں۔'' ہادی نے دہائی دی۔

''تمہارا بھی انتظام کرنے کا سوچ رہے ہیں ہم، ہاں بھئی مجھے جو درجن بھر لڑکیوں کی تصاویر دکھا چکی ہو اب اپنے لاڈلے کو بھی تو دکھاؤ۔'' انہوں نے ہادی کی بات کا جواب دیتے ہوئے آخر میں کوکب کو مخاطب کیا جو مسکراتے ہوئے باپ بیٹے کی باتیں سن رہی تھیں۔

''اف ماما آپ نے یہ کیا غضب کر دیا ویسے یو آر اے گریٹ لیڈی (آپ ایک عظیم خاتون ہیں) ورنہ بھلا کس عورت کا اتنا بڑا دل ہو گا کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے شوہر کو لڑکیوں کی تصاویر دکھائے۔'' وہ جانتے بوجھتے انجان بنا شرارت سے کہہ رہا تھا، اس کی بات پر واجد صاحب کا قہقہہ بہت بلند تھا۔

''ہمارے ایسے نصیب کہاں برخوردار، ابھی تو تو تمہاری شادی کا بھوت سوار ہے تمہاری ماما کے سر پر، بعد میں شاید۔'' واجد نے مصنوعی مظلومیت سے کہتے ہوئے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اگر آپ دونوں کی ڈائیلاگ بازی ختم ہو گئی ہو تو میں اصل بات کروں؟'' کوکب نے کہا جس پر واجد اور ہادی دونوں نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں نے تمہارے لئے لڑکیاں دیکھنی شروع کر رکھی ہیں فون پر اس لئے نہیں بتایا کہ تم پھر ٹال مٹول نہ شروع کر دو، اب آئے ہو تو ان میں سے کوئی فائنل کر کے ہی جانا۔'' کوکب نے سنجیدگی سے کہا۔

''میری پیاری ماما جان اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں آپ کی بہو پسند کر چکا ہوں۔'' ہادی نے جواب دیتے ہوئے ہانیہ کے بارے میں ساری باتیں تفصیل سے بتا دیں ایڈٹ تصویر والی بات پر ان دونوں کو تھوڑا اعتراض ہوا تھا لیکن پھر ہادی کے دلائل سن کر وہ اس کی بات مان گئے تھے، گھر سے واپسی پر ہادی بہت خوش اور پرسکون تھا اب بس کچھ ہی وقت میں ہانیہ اس کی ہو جانے والی تھی، یہ خیال اس کے چہرے پر مسکراہٹ لے آتا تھا۔

☆☆☆

ریحانہ نے نزہت اور منیر کو ہادی کے بارے میں بتایا تو انہیں یہ رشتہ پسند آیا لیکن اصل بات تو ہانیہ کی پسند کی تھی اور جب ریحانہ نے انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ ہانیہ اس رشتے کے لئے راضی ہے تو ان کا ہر اعتراض ختم ہو گیا، وہ ریحانہ کے گھر پر ہی ہادی سے ملے اور اس ملاقات کے بعد وہ مزید مطمئن ہو کر گھر پہنچے تھے، ان کی رضا مندی کے بعد ہادی کے والدین باقاعدہ رشتہ لے کر آئے تھے جتنی جلدی ہادی کو تھی اس سے کہیں زیادہ جلدی ہانیہ کے گھر والوں کو تھی اس لئے ایک ماہ کے اندر اندر چٹ منگنی اور پٹ بیاہ والا معاملہ کرتے ہوئے ہانیہ ہادی کی دلہن بنا دی گئی تھی، اس سارے عرصے میں ہانیہ خاموشی سے ماں کی ہر ہدایت پر عمل کرتی رہی تھی اس کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی دل ہی دل میں وہ اس شادی سے خوفزدہ تھی کہ جانے اس کا ہونے والا شوہر کیسا ہوگا اس کے ساتھ کیسا سلوک کرے گا آنے والی

زندگی کے حوالے سے اس کے ذہن میں ڈھیروں خدشات جنم لیتے لیکن وہ جب بھی فائزہ سے ان خدشات کا ذکر کرتی وہ اپنی باتوں سے اسے اطمینان دلا دیا کرتی تھی یہ اور بات کہ ہانیہ کا وہ اطمینان کچھ ہی دیر کے لئے ہوا کرتا تھا اس کے بعد پھر وہی پریشانی اور بے چینی۔

''ہانیہ بی بی آپ کا دولہا تو بہت ہی خوبصورت ہے ماشاءاللہ۔'' وہ پارلر سے تیار ہو کر آئی تو نوراں نے بڑے جوش و خروش سے اسے اطلاع دی۔

''لو اب یہ بھی مجھ پر طنز کرے گی۔'' ہانیہ نے ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے سوچا مگر خاموش رہی نوراں نے اس کی بیزاری اور عدم دلچسپی دیکھتے ہوئے مزید کچھ کہنے سے گریز کیا، ہال میں بھی مردوں اور خواتین کے لئے الگ الگ انتظامات تھے اور نکاح کے بعد بھی دولہا مردانہ حصے میں ہی بیٹھا رہا تھا، یہ بات ہانیہ کو تھوڑی عجیب لگی تھی۔

''چلو نہیں آتا تو نہ سہی کون سا مری جا رہی ہوں اس کے ساتھ بیٹھنے کو۔'' ہانیہ نے سوچا اور کیمرہ مین کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے تصاویر بنوانے لگی۔

☆☆☆

محبت کم نہیں کرنا
کوئی بھی روگ دے دینا
کوئی بھی نا دے دینا
محبت کم نہیں کرنا
نہیں صبح سہانی تو
غموں کی شام دے دینا
مگر اتنی گزارش ہے
میری تارک راتوں سے
تم اپنی چاہتوں کی لو
کبھی مدھم نہیں کرنا
محبت کم نہیں کرنا

روتی دھوتی ہانیہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر سسرال پہنچی تو کچھ رسموں کے بعد اسے اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا ہانیہ نے سر اٹھا کر اپنے کمرے کا جائزہ لیا تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا یہ کمرہ اس کے تصور کے بالکل برعکس تھا جو کسی بھی طرح کسی غریب انسان کا حجلہ عروسی نہیں لگ رہا تھا کمرے کی ایک ایک چیز بے حد قیمتی اور خوبصورت تھی۔

''نہ جانے کس کے گھر لے آیا ہے مجھے۔'' اس نے بیزاری سے سوچا وہ یہی اندازہ کر پائی تھی کہ شاید کسی دوست کا گھر کچھ دنوں کے لئے لے لیا گیا تھا تا کہ اسے رخصت کروا کر اچھی جگہ پر لایا جائے لیکن وہ اپنے گھر جانا چاہتی تھی چاہے وہ جیسا بھی ہوتا، ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ کمرے کے دروازے کے باہر آہٹ سنائی دی ہانیہ دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد دروازہ کھل گیا ہادی کے سلام کرنے پر ہانیہ نے بے اختیار نظریں اٹھائیں اور سامنے اپنے شوہر کی بجائے کسی اور کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی۔

''کون ہو تم اور اس وقت یہاں کیا کر رہے ہو؟'' ہانیہ نے سخت لہجے میں سوال کرتے ہوئے اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کی کوشش کی۔

''میں آپ کا سرتاج ہوں مسز ہادی صاحبہ۔'' ہادی نے اس کی گھبراہٹ اور حیرت کو انجوائے کرتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تو وہ حیرت کے مارے یہ تک بھول گئی کہ وہ اس وقت ایک دلہن ہے اور تیزی سے بستر سے نیچے اتر آئی۔

''دیکھو مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرو

میں نے اپنے دولہا کی تصویر دیکھی ہوئی ہے سمجھے تم۔'' ہانیہ نے اپنی طرف سے اس کا جھوٹ پکڑتے ہوئے کہا۔

''ایک منٹ آپ بیٹھیں میں آتا ہوں۔'' وہ اسے حیران پریشان چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ فائزہ بھی تھی۔

''فائزہ میری بات تو یہ مان نہیں رہیں تم ہی یقین دلاؤ اپنی دوست کو کہ میں ہی ان کا مجازی خدا ہوں۔'' ہانیہ ابھی تک ویسے ہی کھڑی تھی جیسے وہ اس کو چھوڑ کر گیا تھا۔

''ہاں ہانی یہی ہیں ہادی بھائی جن سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔'' فائزہ نے ہادی کی بات پر عمل کرتے ہوئے ہانیہ کو آگاہ کیا۔

''مگر وہ تصویر میں تو ایسے نہیں تھے۔'' ہانیہ نے سوال کیا۔

''بس اب تم جاؤ آگے میں خود بات کرلوں گا۔'' فائزہ کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ہادی بول پڑا فائزہ تو جیسے اس بات کی منتظر تھی فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔

''اب تم ذرا سکون سے بیٹھو میں تمہارے ہر سوال کا جواب دیتا ہوں۔'' ہادی نے ہانیہ کو کندھوں سے تھامتے ہوئے واپس بیڈ پر بیٹھا دیا۔

''تمہیں یاد ہے ہماری پہلی ملاقات کہاں پر ہوئی تھی؟'' ہادی کے پوچھنے پر ہانیہ نے الجھن بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اسی لمحے اسے یاد آگیا کہ اس کی ہادی سے ملاقات کہاں پر ہوئی تھی۔

''تو آپ نے اتنی سی بات کا بدلہ لینے کے لئے مجھ سے شادی کرلی؟'' ہانیہ کے لہجے میں خوف امڈ آیا تھا۔

''سچ کہتی ہے فائزہ تم بالکل ہی عقل سے پیدل ہو۔'' ہادی نے اس کے سوال پر ہنستے ہوئے کہا۔

''فائزہ میرے بارے میں ایسا کہتی ہے؟'' ہانیہ اصل معاملہ بھول کر بے ساختہ پوچھنے لگی، اسے فائزہ پر بے حد غصہ آرہا تھا جو اس کے بارے میں ایسی الٹی سیدھی باتیں کرتی تھی۔

''ہاں لیکن میں نے اسے کہا تھا کہ تم صرف بے وقوف نہیں ہو بلکہ جذباتی بھی ہو۔'' ہادی نے پہلی ملاقات والی بات دہرادی۔

''لیکن تم جو ہو جیسی ہو مجھے جان سے پیاری ہو۔'' ہانیہ اس کی بات کا کچھ جواب دیتی اس سے پہلے ہی ہادی نے مزید کہنا شروع کردیا اور ہادی کے لہجے میں اتنی محبت اور وارفتگی تھی کہ ہانیہ جھگڑا کرنا بھول کر نظریں جھکاتی اپنے آپ میں سمٹ گئی۔

''پتا ہے پہلے میں نے سوچا تھا کہ اپنا حلیہ بدل کر تمہاری شرائط والے ہادی کے روپ میں تمہیں اس حقیقت سے آشنا کرانے کی کوشش کروں گا کہ کردار کا تعلق شکل وصورت یا خاندان سے نہیں ہوتا ہے لیکن پھر مجھے لگا کہ یہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوگی تم جو پہلے ہی زندگی کے اتنے سال ایک خوف کا شکار رہی ہو تمہیں مزید کوئی دکھ دینے کی میری ہمت ہی نہیں ہوئی اور وہ پتا ہے کیوں؟'' ہادی کے پوچھنے پر وہ سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''کیونکہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور جس سے محبت ہو اسے دکھ نہیں دیا جاتا۔'' ہادی کی بات پر وہ یقین و بے یقینی کے درمیان جھولتی بے اختیار اسے دیکھے گئی جیسے اس کی آنکھوں اور چہرے سے اس کے سچ اور جھوٹ کا اندازہ کرنا چاہ رہی ہو۔

"ویسے بھی تمہیں اس شادی سے پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ تم تو خود مجھ سے زیادہ خوبصورت ہو، یقین نہیں تو آؤ خود دیکھ لو۔" وہ ہانیہ کو اپنے ساتھ سنگھار میز کے سامنے آ کھڑا ہوا سنگھار میز کے آئینے میں ان دونوں کا عکس دکھائی دے رہا تھا وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے بے حد مکمل لگ رہے تھے۔

"اب یقین آیا؟" ہادی کے لہجے میں شرارت تھی۔

"اور میں تم سے محبت کرتا ہوں، اتنی محبت جتنی کوئی بھی کسی سے کر سکتا ہے۔" وہ الفاظ بدل بدل کر اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا اور اس کی آنکھیں اس کا لہجہ سب ہانیہ کو یقین دلا رہے تھے کہ ساتھ کھڑے اس شخص کا ایک ایک حرف سچ اور صرف سچ تھا اور ہانیہ کا دل اس کی ہر بات پر یقین کر لینا چاہتا تھا وہ خود بھی تو اپنے خوف سے لڑ لڑ کر بے حد تھک چکی تھی، اب اگر مہربان سائبان میسر آ ہی گیا تھا تو اسے بنا آزمائے محض ایک خوف کی بنا پر ٹھکرا دینے جیسی بے وقوفی ہانیہ نہیں کر سکتی تھی، ہانیہ نے بے اختیار ہادی کے کاندھے پر سر ٹکا دیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، ہادی نے اسے رونے دیا وہ ہانیہ کو اپنی انہوں میں سمیٹتے ہوئے اپنی محبت اور ساتھ کا قین دلاتا پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر ہا تھا اور ہانیہ کو لگ رہا تھا کہ اس کے دل سے ہر ندشہ ہر ڈر ہوا میں تحلیل ہوتا جا رہا ہے، ہانیہ کا دل ائزہ جیسی دوست کی دوستی پر سرشار ہو رہا تھا جس نے اس کی زندگی کے سب سے اہم مرحلے پر اس کے لئے اتنا کچھ کیا تھا۔

"اب ڈر تو نہیں لگ رہا؟" ہادی نے پیار سے پوچھا تو ہانیہ نے مسکراتے ہوئے انکار میں ردن ہلا دی، ہادی کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں اس کی محبت نے یقین کی منزل پا لی تھی جس کے لئے اس کا دل خدا کے حضور شکر گزاری سے جھکا جا رہا تھا۔

☆☆☆

نے اس کی کوشش کو ناکام کرتے ہوئے اسے مکمل طور پر اپنے حصار میں لے لیا اور وہاج کی اس غیر متوقع حرکت پر وہ گھبرا کر دروازے کی سمت دیکھا تھا، لیکن جن محبت بھری نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا تو کچھ پل اس کی آنکھیں اس کی آنکھوں میں گڑھ سی گئیں، مگر دوسرے ہی پل وہ گھبرا کر بولی۔

''وہاج پلیز چھوڑو اگر کسی نے دیکھ لیا تو، ایسے اچھا نہیں لگتا اور اگر امی نے دیکھ لیا تو پلیز تم جاؤ۔'' اس نے ملتجی لہجے میں کہا، اسے ڈر تھا کہ اگر نسرین بیگم نے اسے دیکھ لیا تو وہ مزید اس کی عزت کو دو کوڑی کا رکھ دیں گی اور ان کی باتیں طعنے سننے کا مزید اس میں حوصلہ نہیں تھا اور وہاج اس کی بات سن کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''نہیں جاؤں گا پہلے جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔''

''میں ناراض نہیں ہوں تم سے اور تم جاؤ یہاں سے مجھے کام کرنے دو۔'' وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''کام مجھ سے زیادہ اہم ہے تمہارے لئے۔'' وہاج نے منہ بناتے ہوئے شکوہ کن لہجے میں کہا۔

''میں نے ایسا کب کہا، بس یہ تھوڑے سے برتن رہ گئے ہیں کہ۔'' وہ اسے ٹوکتے ہوئے ضدی لہجے میں گویا ہوا۔

''تو ٹھیک ہے تم نمرہ کو بول دو وہ آ کے دھو دے گی بس تم میرے ساتھ چلو۔''

''ہاں میں نمرہ سے کہہ دیتی مگر اس کے ایگزام ہو رہے ہیں وہ تیاری کر رہی ہے۔'' اشعرہ کے بتانے پر وہ چپ ہو گیا۔

''میں کہہ رہی ہوں نا میں بس آدھے گھنٹے میں آتی ہوں۔''

''صرف آدھا گھنٹہ۔'' اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، تو وہ مطمئن ہوتا ہوا اسے نرمی سے چھوڑتا ہوا چلا گیا، وہاج کے اس بدلے رویے نے اسے چونکا دیا تھا، آج کافی دنوں بعد اشعرہ کو وہاج میں پہلے والی جھلک نظر آئی تھی، اس کا خود اپنا بھی دل چاہ رہا تھا اس سے بات کرنے کو وہ وہاج کے انہی نرم رویوں محبت کی تو عادی ہو گئی تھی اور وہاج کے تھوڑے سے پیار بھرے عمل نے اشعرہ کے اندر اس کی سوئی ہوئی محبت کے احساس کو جگا دیا تھا، وہ تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی تقریباً بیس منٹ میں ہی اپنا کام ختم کر کے کچن کی لائٹ آف کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے لاؤنج سے گزر رہی تھی، کہ نسرین بیگم کو دیکھ کر رک گئی۔

''کیا ہوا امی کچھ چاہیے آپ کو؟''

''ارے ہاں وہ میرے گھٹنوں میں بہت درد ہو رہا ہے ذرا تیل سے مالش کر دو۔'' وہ اپنا حکم صادر کرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئیں، تو پیچھے کھڑی اشعرہ ایک لمحے کو کچھ سوچا پھر ناچار مرتی کیا نہ کرتی کہ مصداق دوہراتی ہوئی اپنی ساس کے پیچھے اس کے کمرے میں چل دی۔

☆☆☆

ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ اپنے روم میں آئی تو وہاج لائٹ آف کیے آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا ہوا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر سوئچ بورڈ کا بٹن آن کر دیا اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

''وہاج...... وہاج سو گئے کیا۔'' اس نے سوتے ہوئے وہاج کو شانے سے ہلایا۔

''اشعرہ جاؤ یہاں سے مجھے ڈسٹرب نہیں

کرو۔'' اس نے مندی مندی آنکھیں کھول کر اسے خفگی سے جتایا، اس کی آنکھوں میں عجیب سی اجنبیت محسوس ہو رہی تھی۔

''وہ امی کے گھٹنوں میں بہت درد ہو رہا تھا، مالش کر رہی تھی۔'' اس نے آہستہ سے کہا۔

''تو اب کیوں آ گئیں وہی امی کے پاس ہی سو جاتی۔'' وہ ناگواری سے کہتا ہوا کروٹ بدل گیا اور اشعرہ کی تو جان پر بن آئی تھی، حالانکہ وہاں بیٹھے ہوئے بھی اس کا دھیان بار بار وہاج کی طرف جا رہا تھا، جیسے اس نے آدھے گھنٹے کا کہا تھا اور اسے یہ خوف ستا رہا تھا کہ کہیں وہ اس سے خفا نہ ہو جائے اور وہی ہوا تھا۔

''وہاج میری بات تو سنو۔'' وہ اسے منانے کی غرض سے اس کا رخ اپنی جانب موڑنے کے لئے اس پر جھکی تھی۔

جبھی اس نے غیر محسوس انداز میں اسے پیچھے دھکیلا تھا اور بیڈ کے کنارے پر بیٹھی اشعرہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور بے قابو ہو کر پلنگ سے نیچے گر گئی، اس کا سر سائیڈ ٹیبل سے ٹکرا گیا تھا وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین پر جا گری تھی اور اس کے کراہنے کی آواز پر وہاج ایکدم سے اٹھ بیٹھا تھا وہ داہنے ہاتھ سے سر تھامے بیٹھی تھی، کچھ دیر بعد اسے اشعرہ کے ہاتھ پر خون کی لکیر دکھائی دی تھی، تبھی وہ اپنا غصہ ناراضگی سب کچھ بھول کر تیزی کے ساتھ بیڈ سے اتر کر زمین پر بالکل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے اسے کندھوں سے پکڑ کر اسے بیڈ پر بیٹھایا اور اس کا زخم دیکھنا چاہا تھا تو اشعرہ نے اس کے دونوں ہاتھ غصے سے جھٹک دیئے تھے۔

''شعیرہ...... مجھے دیکھنے دو۔''

''کیا...... کیا دیکھنے دوں یہی کہ چوٹ پہنچانے میں کتنے کامیاب ہوئے ہو تم اور اب کیا جتانا چاہتے ہوئے کہ تمہیں میرا بہت خیال ہے، بڑی فکر ہے میری۔'' اس کے تلخ لہجے میں کہنے پر اسے غصہ آ گیا۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا اور تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے تمہاری فکر نہیں ہے۔''

''اچھا۔'' وہ اسے سر تا پاؤں طنزیہ انداز میں دیکھتے ہوئے بولی۔

''بہت فکر ہے نا میری کبھی تم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں کیا چاہتی ہوں، محبت کے بہت بڑے بڑے دعوے کیے تھے تم نے بس یہی تھی تمہاری محبت، سچ تو یہ ہے وہاج کہ تم نے کبھی مجھ سے محبت کی ہی نہیں، انفیکٹ تم تو کیا اس گھر میں کسی کو بھی مجھ سے محبت نہیں ہے، ان تین سالوں میں تمہیں اور تمہاری امی کو خوش رکھنے کے لئے میں نے کیا کچھ نہیں کیا، صبح سے لے کر رات گئے تک گھر کے سب کام کرتی ہوں لیکن پھر بھی تمہاری امی کے کاہلی سستی کے طعنے ختم ہی نہیں ہوتے اور اوپر سے تمہارا یہ ری ایکٹ مجھے کتنا ہرٹ کرتا ہے کبھی سوچا ہے تم نے، غور سے دیکھو مجھے کیا ایسی تھی میں۔''

''میں بھی ان کی طرح انسان ہی ہوں تھک جاتی ہوں، اگر میں ان کی خدمت میں چوبیس گھنٹے ہاتھ جوڑے کھڑی بھی رہوں نا تب بھی انہوں نے کوئی نا کوئی نقص نکالنا ہی ہوتا ہے، اب تم ہی بتاؤ کہ آخر میں ایسا کیا کروں تمہاری امی کا دل جیتنے کے لئے انہیں خوش رکھنے کے لئے۔'' سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

زندگی میں شاید ہی پہلی بار اسے اتنا غص تھا کہ ان تین چار سالوں کی بھڑاس وہ اس طر سے وہاج کے سامنے نکالے گی، اس نے س کب تھا، اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بو رہی ہے، بس ایک دکھ کی عجیب کیفیت تھی

قربت ہجر میں محبت

ندا حسنین

تیسری قسط

وہ دروازہ کھول کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا، شمع کا پورا وجود گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی میں نہایا ہوا تھا، مگر آنے والا مکمل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

شمع نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی، وہ دھیرے سے اس پر جھکا، گاڑی کی ہیڈ لائٹس سے نکلتی روشنی نے اب اس کے چہرے کو بھی اپنی حصار میں لے لیا تھا، اگلے ہی پل شمع کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تم.....!!'' وہ حیرت کے مارے گنگ رہ گئی۔

''ہاں میں... شاہ ویز ملک.....!!تم کیا حذیفہ کے انتظار میں تھیں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کے چہرے دیکھ رہا تھا۔

شمع بے بسی سے لب بھینچے اسے دیکھنے لگی، لب ساکت تھے مگر آنکھوں میں حذیفہ سے متعلق بے شمار سوال مچل اٹھے۔

''حذیفہ کی فکر ہو رہی ہے تمہیں.....؟؟''

وہ اس کی آنکھوں سے جھلکتی فکر کو بھانپ چکا تھا، تب ہی اس کی حالت سے لطف اندوز ہوتے

ناولٹ



ہوئے پوچھنے لگا۔

شمع کی پلکیں حذیفہ کے فکر میں بھیگنے لگیں۔

''آہ! یوں آنسو مت بہاؤ۔'' اس نے افسوس کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنسو صاف کرنے کی غرض سے اپنا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔

''اپنا یہ غلیظ ہاتھ دور رکھو مجھ سے۔'' شمع نے اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو ایک جھٹکے سے ہٹاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''آہ....! مجھے درد ہوا...!'' وہ تمسخرانہ ہنسی، ہنسا۔ اس کے ساتھی بھی اندھیرے میں اس کے سائے کو پہچان کر اس کے قریب چلے آئے، شمع مزید چوکس ہو کر ان سب کو درزیدہ نظروں سے



دیکھنے لگی۔
"تم لوگوں نے دیکھا.. اس ڈری سہمی ہرنی نے کیسے مجھ پر جھپٹ کر حملہ کیا...؟؟" شاہ ویز اب شمع کے مقابل بیٹھ کر جلانے والے انداز میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا۔
"بھائی آخر یہ ہرنی ہے کس کی؟" کاشی نے خباثت سے ہنستے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا، اور شاہ ویز کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا، اس کے دیکھا دیکھی عابد اور رؤوف بھی وہاں زمین پر بیٹھ گئے۔
"ہائے اس حذیفہ کی... جو کسی گیدڑ کی طرح بدنامی کے خوف سے گھبرا کر حویلی میں منہ چھپائے بیٹھا ہے۔" عابد نے چسکے لیتے ہوئے کہا۔
"تم جھوٹ بول رہے ہو۔ کچھ بھی ہو جائے، حذیفہ منہ چھپا کر بیٹھنے والوں میں سے نہیں ہے۔" شمع نے عابد کو دیکھ کر تڑپ کر جواب دیا۔
"ہائے یہ تو بڑی جی دار ہے یار...!" عابد نے شمع کی ہمت پر دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے فقرہ کسا۔
"اس کی جی داری تو میرے سینے پر گولی کی طرح لگ رہی ہے... ٹھاہ ٹھاہ کر کے۔" شاہ ویز کے منہ سے ایک اور واہیات قہقہہ برآمد ہوا، وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر زمین پر لیٹ گیا، اس کے ساتھی بھی اس کے قہقہے سے اپنا قہقہہ ملاتے ہوئے واہیات انداز میں ہنستے ہوئے زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگے، شمع نے ان سب کو درگزیدہ نظروں سے دیکھا، خوف کے باعث اس کا جسم کپکپانے لگا تھا۔
"یہ حذیفہ تو بڑا ہی بزدل نکلا۔ اتنی سی مار کھا کر اپنی حسین منگیتر کو ہمارے چنگل میں پھینک کر دم دبا کر بھاگ نکلا۔" شاہ ویز دوبارہ آلتی پالتی مار کر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کی خباثت بھری نگاہیں بڑی تفصیل سے اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں، شمع کے جسم کا رواں رواں اس کی نگاہوں کی تپش سے سلگ کر رہ گیا۔
"جب سے حویلی والوں کی عزت ہمارے ہاتھ لگی ہے، تب سے تو وہاں خاموشی چھائی ہے...!" عابد کی نگاہیں بھی شمع کے چہرے پر جمی تھی۔ شمع کے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں، وہ فیض پور کے انتہائی بدمعاش غنڈوں کے سامنے بے بسی کی تصویر بنی بیٹھی تھی۔
"حذیفہ تم کہاں ہو؟ ؟ تم مجھے اس شیطان سے بچانے کیوں نہیں آ رہے..؟ کیسے تم نے مجھے ان کتوں کے سامنے اکیلا چھوڑ دیا...." شمع دل ہی دل میں حذیفہ کے یاد کرتے ہوئے شکوہ کناں تھی۔ اپنی اس ارزاں حالت پر اسے بے اختیار رونا آ گیا۔
"اوہ یار.. ذرا دیکھو تو.. یہ رو رہی ہے..!" رؤوف نے شمع کے رخسار پر آنسوؤں کو بہتا دیکھا تو ان سب کو متوجہ کرتے ہوئے بولا، اس کے پکارنے پر شاہ ویز مزید قریب ہو کر شمع کے چہرے کو عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کرنے لگا۔
"تم کیوں رو رہی ہو اے حسین ہرنی؟؟" اس کے سوال سے زیادہ اس کے لہجے نے شمع کو خوف زدہ کر ڈالا تھا۔
"اس کم بخت حذیفہ کے دھوکے نے تمہاری غزال آنکھوں کو ان آنسوؤں سے بھر ڈالا... ہے ناں!!" اس کا نداز بہکا بہکا سا تھا۔ اس کے دوستوں کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔
"گھبراؤ نہیں اب تم میرے پاس ہو، اب تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں، صرف میری محبت

کا خمار ہوگا۔" وہ خمار آلود نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے، اس کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"دور رہو مجھ سے، میری آنکھوں میں آنسو حذیفہ کی وجہ سے نہیں، تم جیسے بد معاشوں کی بدولت ہیں، تم لوگوں کی بے غیرتی، بے حیائی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ فیض پور میں کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں، اور رونا مجھے اس بات پر آرہا ہے کہ تم جیسے شیطانوں کو یہاں روکنے والا بھی کوئی نہیں۔" شمع نے شاہ ویز کا ہاتھ زور سے جھٹکتے ہوئے اسے آئینہ دکھایا۔

"رونا مجھے اس بات پر آرہا ہے کہ کسی کے گھر کی عزت اچھال کر تم لوگ فخر محسوس کرتے ہو۔ یہ بھول جاتے ہو کہ تمہارے گھروں میں موجود تمہاری عزتیں بھی کسی کے ہاتھوں غیر محفوظ ہو سکتی ہیں۔" وہ ان چاروں کی جانب دیکھتے ہوئے لتاڑ رہی تھی، وہ چاروں اسے ہکا بکا سے دیکھتے رہ گئے۔ کامنی سی لڑکی اور کیا خوب نڈر لہجہ...

"تم لوگ انسانیت کے رتبے سے گر چکے ہو، کوئی دین ایمان سلامت نہیں رہا، خدا کا خوف تک نہیں رہا تم لوگوں کو۔" وہ کہتے کہتے روہانسی ہوگئی۔

"یہ... یہ تو تقریر کر رہی ہے بھائی، ہمیں جوتے بھگو بھگو کر مار رہی ہے..." رؤوف نے گڑبڑا کر شاہ ویز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل حذیفہ کی طرح...!" عابد کو بھی ایکدم حذیفہ یاد آگیا۔

"نہیں یار، حذیفہ تو بڑا ہی برا لگتا تھا یوں تقریر کرتے ہوئے، مگر یہ تو بڑی اچھی لگ رہی ہے یوں پٹر پٹر بولتے ہوئے، دل پر لگ رہی ہے ٹھاہ کر کے...!" شاہ ویز اسے یک ٹک مبہوت سا دیکھتے ہوئے میکانکی انداز میں بولا۔

"یار شاہ ویز اب چل اسے لے کر یہاں سے، یہاں زیادہ دیر تک اس لڑکی کو لے کر بیٹھنا مناسب نہیں، حویلی والوں کو اتنا بھی ہلکا نہ لو، اگر گہری خاموشی ہے تو اس کے پیچھے بھی کوئی طوفان چھپا ہوگا۔" عابد نے ہوش کے ناخن لیکر زمین سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تو ٹھیک کہہ رہا ہے یار! حذیفہ کی منگیتر تو فرصت سے دیکھنے کی چیز ہے، چل تو گاڑی اسٹارٹ کر، میں اسے ساتھ لے کر آتا ہوں۔" شاہ ویز نے بھی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اسے حکم دیا۔ وہ تینوں گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

"چلو میرے ساتھ۔" شاہ ویز شمع کی جانب بڑھ کر اس کو بازو سے تھام کر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"چھوڑ دو مجھے کمینے انسان، میں تمہارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔" شمع نے اسکا ہاتھ چھڑاتے ہوئے چیخ کر کہا اور زور سے دانت کاٹ لیا، شاہ ویز اس کی اس غیر متوقع حرکت پر اسکا ہاتھ چھوڑ کر بری طرح تلملا اٹھا، اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ شمع کی جانب بڑھتا، شمع نے زمین سے مٹھی بھر مٹی اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھونک ڈالا، اور سرعت سے بھاگ کھڑی ہوئی۔

"اوئے پکڑو اسے... وہ پھر بھاگ کھڑی ہوئی۔ جلدی جاؤ اس کے پیچھے..." وہ آنکھ ملتے ہوئے زور زور سے چلانے لگا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر اس کے دوست ہڑبڑا کر شمع کے پیچھے بھاگنے لگے۔

☆☆☆

"یہ سب ہوا کیسے ابا؟" ملک جمیل کے گھر پہنچتے ہی ملک فیاض انہیں لے کر فارم ہاؤس کے لئے نکل گئے، راستے میں ملک جمیل ان سے اس ساری صورتحال کے متعلق پریشانی سے سوال کرنے لگے۔

''ہوا نہیں'' نہ تمہارا، نہ تمہاری بیوی کا کوئی دھیان ہے اس شاہ ویز پر، مسئلے پر مسئلے پیدا کئے جا رہا ہے دن بہ دن، کچھ عرصہ قبل ہمایوں کی لڑکی پر نظر رکھے بیٹھا تھا، اور اب اس حذیفہ سے لڑ جھگڑ کر اس کی منگ کو اٹھا کر لے گیا ہے فارم ہاؤس، نجم النساء نے دن میں پیغام بھجوایا تھا کہ آج رات تک اس کی پوتی حویلی نہ پہنچی تو شافع الدین تمہاری بیوی تک پہنچ جائے گا، اور شافع الدین کی دھمکی کا مطلب سمجھ رہے ہو ناں!!'' ملک جمیل پہلے سے بتائی ہوئی صورتحال کو دوبارہ دہراتے ہوئے بیٹے کو ترچھی نظر سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''اوہو ابا!! یہ ساری باتیں تو آپ پہلے ہی بتا چکے ہیں مجھے، مجھے یہ بتائیں کہ حذیفہ سے جھگڑا ہوا کیوں؟؟ ملک جمیل جھنجھلاتے ہوئے بولے۔

''تمہارے لاڈلے نے مجھے کچھ بتایا ہی کب ہو؟ بس یہی رٹ لگا رکھی ہے، بدلہ لوں گا، انتقام لوں گا۔'' ملک فیاض بھی تنگ کر بولے۔

''ہونہہ!! میں شاہ ویز کو آپ کے حوالے کر کے گیا تھا۔ اور آپ نے اسے کیا بنا دیا.. ایک zomanizer..!'' ملک جمیل چڑ کر بولے۔

''اوئے پتر.... یہ میرے سامنے اپنی انگریزی نہ بول، فارم ہاؤس چل کر جو معلوم کرنا ہے وہ خود معلوم کر، اور نجم النساء کی دھمکی کو بھی سنجیدگی سے لو، وہ پہنچ گئی ناں تمہاری بیوی کے پاس تو ماضی کی تمہاری داستان محبت سب کھول کر رکھ ڈالے گی۔ ابھی تو بیٹا ہاتھ سے نکل رہا ہے ناں، پھر بیوی بھی چھوڑ کر چلی جائے گی۔'' ملک فیاض سختی سے انہیں معاملے کی سنگینی کا احساس دلانے لگے۔

''وہ عورت ایسا کچھ بھی نہیں کرے گی، اگر ایسا کرتی ہے تو آگ کے شعلے شافع الدین کے گھر کو بھی یقینی طور پر جلائیں گے۔'' ملک جمیل پر سوچ انداز میں بولے۔

''ہونہہ! تم ابھی بھی نہیں جان پائے اس خودغرض عورت کو جمیل، وہ ہمیں دنیا کی نظروں میں نیچا دکھانے کی خاطر کچھ بھی کر سکتی ہے، شافع الدین کے گھر کا تم سوچ سکتے ہو مگر نجم النساء نہیں سوچے گی، ویسے بھی میں نے سنا ہے کہ شافع الدین کے سفینہ کے ساتھ مراسم اچھے نہیں۔'' ملک فیاض کی حقائق پر گہری نظر تھی۔

''شافع الدین اور سفینہ کے تعلقات ٹھیک نہیں یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو ابا؟'' ملک جمیل نے ٹھٹھکتے ہوئے انہیں دیکھ کر سوال کیا۔

''اویار پتر میں فیض پور چھوڑ کر لاہور نہیں جا بسا، جو کسی کے گھر بار کی کچھ خبر نہ ہو، یہاں کے ہر گھر کی کہانی میرے علم میں ہے اور شافع الدین تو پھر حویلی والا ہے، حویلی کی خبریں تو ویسے بھی نہیں چھپتیں، ان کے ملازمین کی بدولت..!'' ملک فیاض جھنجھلاتے ہوئے گویا ہوئے، ان کی بات پر ملک جمیل چپ سے ہو گئے۔

''جمیل پتر تو ادھر ادھر کی باتوں کو چھوڑ، شاہ ویز کی فکر کر بس، جوانی کی عمر دراصل نادانی کی عمر ہوتی ہے اور تیرا پتر تو نادانی کی بھی ہر حد پار کرنے سے پیچھے نہیں ہٹ رہا، خدانخواستہ اس بچی کے ساتھ کچھ برا ہوا تو اچھا نہیں ہوگا، پورے فیض پور میں آگ لگ جائے گی۔'' وہ ملک جمیل کو حالات کی نزاکت سے باخبر کرتے ہوئے بولے۔

''میں ان ساری نزاکتوں کو سمجھ رہا ہوں ابا جی، تب ہی تو پریشان ہوں، آپ نے تھانے میں ایس ایچ او سے بات کی تھی؟'' ملک جمیل نے پریشانی سے پیشانی مسلتے ہوئے سوال کیا۔

''بات کی ہے ایس ایچ او سے تب ہی تو

اب تک فارم ہاؤس میں چھاپہ نہیں پڑا۔'' ملک فیاض نے جواب دیا۔

''ہونہہ! یہ تو بہت اچھا کیا آپ نے، بس اب پہنچنے ہی والے ہیں فارم ہاؤس پر...!'' ملک جمیل نے یہ کہتے ہوئے موڑ کاٹتے ہوئے گاڑی کی رفتار آہستہ کی تھی، تب ہی ایک نسوانی وجود اندھا دھند بھاگتے ہوئے ان کی گاڑی کے سامنے سڑک پر گر کر بے ہوش ہو گیا۔

''اوہ یہ کون ہے۔'' انہوں نے ہڑبڑاتے ہوئے عجلت کے عالم میں گاڑی کو بریک لگایا اور گھبراہٹ کے عالم میں گاڑی سے اتر کر زمین پر بے ہوش پڑی لڑکی کی جانب بڑھے، ملک فیاض بھی ان کی تقلید کرتے ہوئے گاری سے اتر گئے۔

''یہ.... یہ تو شمع ہے۔۔!'' ملک فیاض کے لبوں سے بے ساختہ یہ جملہ پھسلا، ملک جمیل نے ان کی بات پر چونک کر دیکھا۔

''سفینہ کی بیٹی شمع....!'' وہ شمع کو بغور دیکھنے لگے۔

''تب ہی انہیں کسی کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی، انہوں نے بے اختیار اس جانب دیکھا جہاں بھاگتے قدموں کی چاپ سے زمین تھرک رہی تھی۔

☆☆☆

گھر کے باہر ڈھونڈتا رہتا ہوں دنیا
گھر کے اندر دنیا داری رہتی ہے

''اب خیال آیا ہے تمہیں بیٹی کا شافع الدین، جب بیٹی کی عزت تماشا بن چکی، تب تمہارے اندر احساس جاگا ہے جب یہ دنیا تمہاری بیٹی کے خلاف باتیں بنانے لگی۔ کہاں تھے تم جب تمہاری بیٹی کو سر عام اٹھایا جارہا تھا، کہاں تھے تم شافع الدین جب تمہاری بیٹی کو تمہاری ضرورت تھی، تمہاری بیوی رب کے آگے تمہیں اپنی ڈھال بنانے کی فریاد کر رہی ہے، تف ہے تم پر شافع الدین تم کسی بھی رشتے کیلئے مضبوط ڈھال نہیں بن سکے۔ تم کسی بھی رشتے کو نبھانے کے قابل نہیں بن سکے۔'' شافع الدین آج ضمیر کے کٹہرے میں جا کھڑے ہوئے تھے، ان پر لگایا جانے والا ہر الزام سچا تھا اور وہ کسی مجرم کی صورت سر جھکائے اپنے گناہوں، غلطیوں کی ایک طویل فہرست کو سنتے ہوئے آنسو بہائے جارہے تھے۔

''میں واقعی کسی بھی رشتے کو نبھا نہ سکا، اپنی بیٹی کی ڈھال نہ بن سکا، کسی کا سائبان نہ بن سکا، مجھے معاف کر دے یا اللہ۔ مجھے معاف کر دے..!'' وہ شمع کی تصویر کے آگے کھڑے گڑگڑاتے ہوئے رب تعالیٰ سے معافی مانگ رہے تھے، صبح سے وہ اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے تھے، انہوں نے حذیفہ کو شمع کے کالج کیلئے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ کہیں نہ کہیں وہ مطمئن تھے کہ حذیفہ ان کی بیٹی پر کوئی آنچ نہ آنے دے گا، ملازمہ نے انہیں جب فون کال کا بتایا تب بھی وہ اسے بچوں کی شرارت سمجھے تھے، مگر اب گھر میں جب لوٹے تو ہر سو پھیلی خاموشی، شمع کے کمرے میں چھائی ویرانی اور سفینہ کا گڑگڑاتا ہوا لہجہ انہیں صحیح معنوں میں پریشان کر گیا تھا۔

''میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا شمع، تمہارا باپ کمزور نہیں ہے، میں تمہیں بچاؤں گا، تمہارے لئے لڑوں گا میں، تمہاری عزت پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا میں۔'' وہ شمع کی تصویر سے مخاطب ہوئے۔ بیٹی کی گمشدگی نے انہیں آج اندر تک جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''تم کہیں بھی ہو میں تمہیں ڈھونڈ لاؤں گا شمع اور جس کسی نے بھی تم پر میلی نگاہ ڈالی ہے، میں اس کی آنکھیں نوچ ڈالوں گا۔'' وہ بیٹی کی

تصویر کو دیکھتے ہوئے سفاک لہجے میں بولے اور تن فن کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

سفینہ اسی پل سیڑھیاں اتر کر، شمع کے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھیں کہ طیش کے عالم میں شافع الدین کو شمع کے کمرے سے باہر نکلتا دیکھ کر بری طرح چونک اٹھیں۔

''شافع گھر کب آئے؟؟'' وہ حیرت سے سوچ کر انہیں گھر سے باہر جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

شافع الدین شدید غصے کے عالم میں گاڑی لے کر گھر سے باہر نکلے تھے۔ان کے گھر سے نکلتے ہی آفاق الدین کی گاڑی حویلی میں داخل ہوئی۔

''یہ شافع الدین اس وقت کدھر جا رہا ہے؟؟'' آفاق الدین نے ان کی گاڑی کو گھر سے باہر جاتا دیکھ لیا تھا۔

''پتا نہیں اس وقت رات کو کدھر نکل گیا۔ ایک تو اس کے دماغ کا کچھ پتا نہیں ہوتا، پوچھو ذرا کال ملا کر اس سے؟؟'' نجم النساء بڑبڑاتے ہوئے بولیں، آفاق الدین ان کی بات پر سر ہلاتے ہوئے شافع الدین کو کال ملانے لگے، مگر دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا۔

''کال ریسیو نہیں کر رہا ہے وہ۔'' وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''پوچھتی ہوں میں سفینہ سے اتنی رات کو آخر کدھر نکل پڑا ہے یہ۔'' وہ گاڑی سے اترتے ہوئے پر رعب لہجے میں بولیں۔

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے سفینہ سے اپنی ہر بات شیئر کرنے کا عادی ہے شافع الدین...!!'' آفاق الدین استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے بولے، نجم النساء نے جواباً اسے گھور کر دیکھا اور تنتناتی ہوئی حویلی کے اندر چلی گئیں۔

☆☆☆

''کون ہے وہاں؟؟'' ملک جمیل نے کڑک دار آواز میں دریافت کیا۔

''جا پتر جا کر دیکھ، یہ زمینیں ہماری ہیں، یہاں اس بچی کا موجود ہونا عام بات نہیں ہے، جا کر دیکھو کون تھا اس کے پیچھے۔'' ملک فیاض نے فکرمندی سے کہا۔

''ٹھیک ہے آپ یہیں رہیں ابا میں دیکھ کر آتا ہوں آگے تک۔'' ملک جمیل اتنا کہہ کر اس سمت کی جانب بڑھنے لگے جہاں سے وہ لڑکی بھاگتے ہوئے آ رہی تھی۔ ملک فیاض، بیٹے کے جانے کے بعد زمین پر بے ہوش پڑی شمع کی جانب متوجہ ہوئے۔

''ہو نہ ہو یہ کم بخت شاہ ویز کی ہی کارستانی ہے، شکر ہے یہ ہمیں مل گئی، ورنہ اللہ جانے کیا تباہی آتی فیض پور میں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے شاہ ویز کو کوستے ہوئے شمع کو ہوش میں لانے کی سعی کرنے لگے۔

''اٹھو بیٹی اٹھو، ہوش میں آؤ، تم اب محفوظ ہو، ہوش میں آؤ۔'' وہ شمع کے گال ہلکے ہلکے تھپتھپاتے ہوئے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے، کچھ لمحے بعد ہی ملک جمیل بھی واپس لوٹ آئے۔

''کیا ہوا جمیل پتر... کچھ پتا چلا وہ کون لوگ تھے؟؟'' انہیں واپس آتا دیکھ کر ملک فیاض متجسس لہجے میں دریافت کرنے لگے۔

''ابا مجھے دیکھ کر وہ لوگ بھاگ نکلے، یقیناً وہ لوگ مجھے جانتے تھے، اور مجھ سے چھپنا چاہتے تھے، تب ہی میرے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی۔'' ملک جمیل جواب دیتے ہوئے ملک فیاض کے قریب آ بیٹھے۔

''او پتر... یہ سادگی والی باتیں چھوڑ، اولاد

بھلے طرم خان بن جائے، مگر باپ کے سامنے غلیظ حرکتیں کرنے سے کتراتی ہے، مجھے یقین ہے یہ شاہ ویز ہی تھا۔'' ملک فیاض کا انداز لتاڑنے والا تھا۔

''مجھے بھی کچھ ایسا ہی شک پڑ رہا ہے، خیر اس بچی کا کیا حال ہے؟ گاڑی سے ٹکرانے کی وجہ سے زخمی تو نہیں ہوگئی؟'' ملک جمیل فکر مندی سے شمع کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''اونہیں پتر..... شکر ہے میرے رب کا، بچی بالکل ٹھیک ہے، میرے خیال سے یہ بھاگتے بھاگتے نڈھال ہوگئی تھی، تب ہی ہماری گاڑی کے سامنے آ کر آن گری، خیر اب بتاؤ کیا کرنا ہے، میرے خیال سے تو اسے حویلی پہنچا دینا چاہیئے۔'' ملک فیاض نے سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں ابا، پہلے اسے گھر لے کر چلتے ہیں، بے چاری حال سے بے حال ہورہی ہے، اس حلیئے میں اگر سفینہ اسے دیکھے گی تو بے چاری مر ہی جائے گی۔'' ملک جمیل نے عجلت میں انکار کرتے ہوئے کہا۔ ملک فیاض بیٹے کی بات پر ٹھٹھک کر اسے دیکھے چلے گئے۔

''اوئے جمیل پتر... تو اب تک سفینہ کو نہیں بھولا، تجھے اب تک اس کی فکر ستاتی ہے؟'' وہ حیرانگی سے استفسار کرنے لگے۔

''ابا، محبت منوں مٹی تلے دبا بھی دی جائے، تب بھی مرتی نہیں ہے، سفینہ میرا پیار تھی، میری محبت تھی، جسے شافع الدین نے مجھ سے صرف اپنی انا کی تسکین کے خاطر مجھ سے چھین لیا، کیا اس کے چھین لینے سے سفینہ سے میری محبت کم ہوسکتی تھی۔؟'' ملک جمیل کے اقرار نے ملک فیاض کو گنگ کر ڈالا تھا۔

''چھوڑیں ابا ان باتوں کو، اس بچی کو اٹھا کر گاڑی میں ڈال کر گھر لو جاتے ہیں پھر جتنی جلدی ممکن ہوا اسے حویلی پہچانا ہوگا۔'' ملک جمیل جان چھڑانے والے انداز میں بولے، محبت ہر دل پر اپنی کیفیت کے ساتھ اثر انداز نہیں ہوتی، کسی کو چھو کر گزر جاتی ہے، اور کسی کے رگ و پے میں رچ بس جاتی ہے، ملک جمیل کی رگوں میں بھی سفینہ سے کی گئی محبت لہو بن کر دوڑ رہی تھی۔

''ہاں یہ مناسب بات ہے۔'' ملک فیاض بیٹے کی بات پر تائیدی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولے، وہ دونوں شمع کو سہارا دے کر اسے گاڑی میں بٹھانے لگے۔

☆☆☆

''یار شاہ ویز ایک مسئلہ ہوگیا ہے۔'' وہ تینوں آگے پیچھے بھاگتے ہوئے شاہ ویز کے پاس لوٹے تھے۔ اور پھولتی ہوئی سانسوں کو بحال کرتے ہوئے کہہ رہے تھے، شاویز پہلے ہی شمع کی اس حرکت پر غیض و غضب کا شکار ہوئے گاڑی میں بیٹھا تھا، اس کی آنکھیں مٹی چلے جانے کو باعث سرخ ہورہی تھیں، ان تینوں کے یوں ہانپتے کانپتے اطلاع دینے پر وہ غصے سے بھنبھنا اٹھا۔

''کیا مسئلہ ہوگیا اب، یہی کہ وہ لڑکی تم لوگوں کے ہاتھ سے نکل گئی؟؟'' وہ پر طیش انداز میں چلا اٹھا۔

''یار نکل گئی تو نکل گئی، مگر جس کے ہاتھ لگی اس کا نام نہ پوچھو۔'' کاشی نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''کیوں کس کی اتنی ہمت ہے جو ملک شاہ ویز کے شکار کو پناہ دے، اس کے شکنجے سے نکال کر لے جائے۔'' شاہ ویز بپھرے ہوئے انداز میں گاڑی سے باہر نکل آیا، وہ تینوں اس کے سوال پر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

''اوئے تم لوگوں کو سانپ کیوں سونگھ گیا؟؟

نام بتاؤ کون ہے وہ جس نے اتنی ہمت کی ہے اس لڑکی کو تم لوگوں سے چھڑا کر لے جانے کی۔'' وہ ان تینوں کو خاموش دیکھ کر مزید مزید بھڑ گیا۔

''یار شاہ ویز، ہم سے چھڑانے کا تو موقع ہی نہیں ملا، اس شخص کو دیکھ کر تو ہمارے اوسان ہی خطاء ہو گئے تھے۔'' رؤوف نے منہ بسورتے ہوئے سچ کہا۔

''او نکموں! کیا کسی جن بھوت کو دیکھ لیا تھا، جو یوں ہوش اڑ گئے تم لوگوں کے؟؟'' شاہ ویز نے ٹھٹھک کر ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یار.... بات صرف ہماری نہیں، تو بھی انہیں دیکھے گا تو پتھر کا ہو جائے گا۔'' عابد نے رؤوف اور کاشی کو دیکھ کر منمناتے ہوئے جواب دیا۔

''اوئے یہ تم تینوں کہیں حویلی والوں کی تو بات نہیں کر رہے۔'' شاہ ویز کا ماتھا ٹھنکا۔

''کہیں حویلی تو نہیں پہنچا کر آ گئے اس لڑکی کو؟؟'' وہ ان تینوں کو مشکوک انداز میں گھورتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔

''نہیں یار حویلی والوں کو تو بھنک بھی نہیں پڑنے دی ہم نے اس جگہ کی۔'' کاشی نے جلدی سے صفائی پیش کی، اسے ڈر تھا کہ ملک شاہ ویز حویلی والوں کا نام سن کر مزید طیش میں مبتلا نہ ہو جائے اور غصے کی حالت میں ان تینوں کی کٹ نہ لگا ڈالے، ویسے بھی جب وہ غصے میں مبتلا ہوتا تھا تو پھر نہ کسی کی سنتا تھا نہ پہچانتا تھا۔

''پھر کس سے ڈر کر یوں گیدڑ کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے ہو تم لوگ...؟؟'' ملک شاہ ویز بری طرح چڑ کر گرجا۔

''او یار تمہارے باپ سے!'' عابد کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔

''اوئے عابد تمیز سے، یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے تم لوگوں نے؟ سچ سچ کیوں نہیں بتاتے کہ ہوا کیا ہے؟'' ملک شاہ ویز کا غصہ اب جھنجھلاہٹ میں ڈھلنے لگا۔

''ہوا یہ ہے کہ جب تک ہم لوگ اس لڑکی تک پہنچتے، وہ لڑکی ایک گاڑی سے جا ٹکرائی، اب پوچھو ذرا کون تھا اس گاڑی میں!'' رؤوف نے پہیلی نما انداز میں جواب دیا۔

''اس سے پہلے کے میں بھول جاؤں کہ تم تینوں میرے دوست ہو، اور اپنا سارا غصہ تم تینوں پر نکال دوں، شرافت سے بتاؤ کہ وہ کون تھا۔؟'' ملک شاہ ویز کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا تھا، اس نے رؤوف کو گریبان سے پکڑ کر چراغ پا ہوتے ہوئے دھمکایا۔

''گاڑی میں ملک جمیل تھے..!'' رؤوف نے اس کے غصے سے گھبرا کر عجلت کے عالم میں جواب دیا۔

''ابا جی۔۔!'' ملک شاہ ویز گنگ سا رہ گیا۔

''ہاں جی...اور صرف وہ ہی نہیں تھے، ان کو ساتھ ملک فیاض بھی تھے۔'' رؤوف نے اپنا گریبان آہستگی سے شاہ ویز کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

''ابا جی کے ساتھ دادا جی بھی تھے اوئے یہ تو غضب ہو گیا یار۔'' ملک شاہ ویز اپنی جیپ کے بونٹ سے پشت ٹکاتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''او یار یہی تو ہم بتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ غضب ہو گیا۔'' کاشی نے منہ بسور کر لقمہ دیتے ہوئے کہا۔

''او احمقوں!! تم لوگ بتانے کی کوشش کر رہے تھے یا پہیلیاں بجھوا رہے تھے۔'' اس نے چڑنے والے انداز میں کاشی کے پیٹھ پر ایک

دھپ لگاتے ہوئے کہا۔
''یار بتانے کی کوشش ہی کر رہے تھے... اب تمہارے مزاج کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے ناں، فوراً بتا دیتے تو غصے میں نہ جانے کیا کرتے..!'' کاشی اس زوردار دھپ پر خفگی سے بولا، مگر شاہ ویز اس کو منمناہٹ سنی ان سنی کر گیا۔
''ابا جی کا شہر سے آنا، اور پھر دادا جی کے ساتھ کھیتوں کی طرف آنا اور اس لڑکی کو واپس لے جانا کچھ اچھی خبر نہیں، مجھے فوراً گھر جانا ہوگا۔'' ملک شاہ ویز کے دل میں آج بھی اپنے باپ کا ڈر وخوف موجود تھا، تب ہی باپ کے یوں اچانک آمد پر بری طرح گھبرا اٹھا۔
''ہم بھی تیرے ساتھ چلیں؟؟'' عابد نے فکرمندی سے استفسار کیا۔
''اونہیں یار، تم لوگ یہ فارم ہاؤس بھی خالی کرواور اپنے اپنے گھر جاؤ اور ہاں کسی کو بتانا نہیں کہ تم لوگ یہاں میرے ساتھ تھے اور رؤوف تم ملازمین کو بھی سمجھا دینا کہ فارم ہاؤس میں آج کیا ہوا تھا کسی کو کچھ بھی پتا نہ لگے۔'' وہ ان تینوں کو ہدایت دے کر عجلت کے عالم میں اپنی جیپ کی جانب بڑھا۔ اور اسٹارٹ کر کے آندھی طوفان کی طرح چلا گیا۔
''مجھے تو لگتا ہے ملک جمیل کے یہاں آنے سے معاملہ بگڑ گیا ہے۔'' اس کے جاتے ہی عابد نے ان دونوں کے سامنے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔
''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے، شاہ ویز کے چہرے پر ملک جمیل کا نام سن کر خوف پھیلتا چلا گیا تھا۔'' کاشی نے بھی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔
''جو بھی ہے اب ہمیں بھی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے، فی الحال تو ملازمین کو سمجھانا ہے اور پھر اس طرح اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہ
ہے کہ کسی کو بھی خبر نہ ہو۔'' رؤوف نے پہلی عقلمندی کی بات کہی۔
''صحیح کہہ رہے ہو، چلو پھر چلتے ہیں
کاشی اور عابد بھی اس کی بات سے متفق ہو
ہوئے تیز تیز قدموں سے واپس جانے لگے۔

☆☆☆

''کیوں......؟ ایسا کیا کیا تھا تم نے جو ملک شاہ ویز تمہارا یوں جانی دشمن بن بیٹھا...؟ انیسہ غضبناک ہوتے ہوئے، ہاتھ لہرا کر بولیں
''میں...... میں...... نہیں بتا سکتا......!
حذیفہ کہتے کہتے چپ سادھ گیا۔ انیسہ اسے غ
سے گھورنے لگیں۔
''کیوں نہیں بتا سکتے تم مجھے؟ ایسی کون
بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟'' حذیفہ
بات نے انہیں بری طرح تپا ڈالا تھا، وہ غضب
شکار ہوتے ہوئے بولیں۔
''میں آپ سے جتنا کہہ سکتا تھا، کہہ چ
اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔'' حذیفہ
قطعیت سے انکار کرتے ہوئے کہا۔
''لیکن میں جاننا چاہتی ہوں حذیفہ کہ کس
وجہ سے ملک شاہ ویز تمہارا دشمن بنا پھر رہا ہے ا
دشمنی بھی اس قدر کہ تمہاری منگ کو اٹھا لے گ
؟؟؟'' انیسہ اپنے سوال پر قائم تھیں ان کا لہجہ ا
انداز بتا رہا تھا کہ وہ ہر صورت حذیفہ سے یہ را
اگلوا کر ہی دم لیں گیں، عین اسی پل شافع الدی
کی آمد ہوئی تھی، وہ دروازہ کھول کر کمرے میں
اندر داخل ہونے ہی والے تھے کہ انیسہ کی تند و
آواز نے ان کو بری طرح چونکا ڈالا، وہ درواز
سے کان لگائے انیسہ کی بات سننے لگے۔
''کہیں ملک شاہ ویز اور شمع کے درمیان کو
رابطہ تو نہیں تھا، کوئی ناجائز تعلقات ....!!'' و

نام بتاؤ کون ہے وہ جس نے اتنی ہمت کی ہے اس لڑکی کو تم لوگوں سے چھڑا کر لے جانے کی۔'' وہ ان تینوں کو خاموش دیکھ کر مزید مزید بھپر گیا۔

''یار شاہ ویز، ہم سے چھڑانے کا تو موقع ہی نہیں ملا، اس شخص کو دیکھ کر تو ہمارے اوسان ہی خطاء ہو گئے تھے۔'' رؤوف نے منہ بسورتے ہوئے سچ کہا۔

''او نکموں! کیا کسی جن بھوت کو دیکھ لیا تھا، جو یوں ہوش اڑ گئے تم لوگوں کے؟؟'' شاہ ویز نے ٹھٹھک کر ان تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں یار.... بات صرف ہماری نہیں، تو بھی انہیں دیکھے گا تو پتھر کا ہو جائے گا۔'' عابد نے رؤوف اور کاشی کو دیکھ کر منمناتے ہوئے جواب دیا۔

''اوئے یہ تم تینوں کہیں حویلی والوں کی تو بات نہیں کر رہے۔'' شاہ ویز کا ماتھا ٹھنکا۔

''کہیں حویلی تو نہیں پہنچا کر آ گئے اس لڑکی کو؟؟'' وہ ان تینوں کو مشکوک انداز میں گھورتے ہوئے دیکھ کر کہنے لگا۔

''نہیں یار حویلی والوں کو تو بھنک بھی نہیں پڑنے دی ہم نے اس جگہ کی۔'' کاشی نے جلدی سے صفائی پیش کی، اسے ڈر تھا کہ ملک شاہ ویز حویلی والوں کا نام سن کر مزید طیش میں مبتلا نہ ہو جائے اور غصے کی حالت میں ان تینوں کی کٹ نہ لگا ڈالے، ویسے بھی جب وہ غصے میں مبتلا ہوتا تھا تو پھر نہ کسی کی سنتا تھا نہ پہچانتا تھا۔

''پھر کس سے ڈر کر یوں گیدڑ کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے ہو تم لوگ...؟؟'' ملک شاہ ویز بری طرح چڑ کر گرجا۔

''او یار تمہارے باپ سے!'' عابد کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔

''اوئے عابد تمیز سے، یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے تم لوگوں نے؟ سچ سچ کیوں نہیں بتاتے کہ ہوا کیا ہے؟'' ملک شاہ ویز کا غصہ اب جھنجھلاہٹ میں ڈھلنے لگا۔

''ہوا یہ ہے کہ جب تک ہم لوگ اس لڑکی تک پہنچتے، وہ لڑکی ایک گاڑی سے جا ٹکرائی، اب پوچھو ذرا کون تھا اس گاڑی میں!'' رؤوف نے پہیلی نما انداز میں جواب دیا۔

''اس سے پہلے کے میں بھول جاؤں کہ تم تینوں میرے دوست ہو، اور اپنا سارا غصہ تم تینوں پر نکال دوں، شرافت سے بتاؤ کہ وہ کون تھا۔؟'' ملک شاہ ویز کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا جا رہا تھا، اس نے رؤوف کو گریبان سے پکڑ کر چراغ پا ہوتے ہوئے دھمکایا۔

''گاڑی میں ملک جمیل تھے..!'' رؤوف نے اس کے غصے سے گھبرا کر عجلت کے عالم میں جواب دیا۔

''ابا جی۔۔!'' ملک شاہ ویز گنگ سا رہ گیا۔

''ہاں جی...اور صرف وہ ہی نہیں تھے، ان کو ساتھ ملک فیاض بھی تھے۔'' رؤوف نے اپنا گریبان آہستگی سے شاہ ویز کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے اس کی معلومات میں مزید اضافہ کیا۔

''ابا جی کے ساتھ دادا جی بھی تھے اوئے یہ تو غضب ہو گیا یار۔'' ملک شاہ ویز اپنی جیپ کے بونٹ سے پشت ٹکاتے ہوئے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''او یار یہی تو ہم بتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ غضب ہو گیا۔'' کاشی نے منہ بسور کر لقمہ دیتے ہوئے کہا۔

''او احمقوں!! تم لوگ بتانے کی کوشش کر رہے تھے یا پہیلیاں بجھوا رہے تھے۔'' اس نے چڑنے والے انداز میں کاشی کے پیٹھ پر ایک

دھپ لگاتے ہوئے کہا۔
''یار بتانے کی کوشش ہی کر رہے تھے...
اب تمہارے مزاج کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے ناں، فوراً بتا دیتے تو غصے میں نہ جانے کیا کرتے..!'' کاشی اس زوردار دھپ پر خفگی سے بولا، مگر شاہ ویز اس کو منمناہٹ سنی ان سنی کر گیا۔
''ابا جی کا شہر سے آنا، اور پھر دادا جی کے ساتھ کھیتوں کی طرف آنا اور اس لڑکی کو واپس لے جانا کچھ اچھی خبر نہیں، مجھے فوراً گھر جانا ہوگا۔'' ملک شاہ ویز کے دل میں آج بھی اپنے باپ کا ڈر و خوف موجود تھا، تب ہی باپ کے یوں اچانک آمد پر بری طرح گھبرا اٹھا۔
''ہم بھی تیرے ساتھ چلیں؟؟'' عابد نے فکرمندی سے استفسار کیا۔
''او نہیں یار، تم لوگ یہ فارم ہاؤس بھی خالی کرواؤ اور اپنے اپنے گھر جاؤ اور ہاں کسی کو بتانا نہیں کہ تم لوگ یہاں میرے ساتھ تھے اور رؤف تم ملازمین کو بھی سمجھا دینا کہ فارم ہاؤس میں آج کیا ہوا تھا کسی کو کچھ بھی پتا نہ لگے۔'' وہ ان تینوں کو ہدایت دے کر عجلت کے عالم میں اپنی جیپ کی جانب بڑھا۔ اور اسٹارٹ کر کے آندھی طوفان کی طرح چلا گیا۔
''مجھے تو لگتا ہے ملک جمیل کے یہاں آنے سے معاملہ بگڑ گیا ہے۔'' اس کے جاتے ہی عابد نے ان دونوں کے سامنے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔
''مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے، شاہ ویز کے چہرے پر ملک جمیل کا نام سن کر خوف پھیلتا چلا گیا تھا۔'' کاشی نے بھی ہاں میں ملاتے ہوئے کہا۔
''جو بھی ہے اب ہمیں بھی ہوشیاری سے کام لینا چاہئے، فی الحال تو ملازمین کو سمجھانا ہے اور پھر اس طرح اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہونا ہے کہ کسی کو بھی خبر نہ ہو۔'' رؤف نے پہلی بار عقلمندی کی بات کہی۔
''صحیح کہہ رہے ہو، چلو پھر چلتے ہیں۔'' کاشی اور عابد بھی اس کی بات سے متفق ہوتے ہوئے تیز تیز قدموں سے واپس جانے لگے۔

☆☆☆

''کیوں......؟ ایسا کیا کیا تھا تم نے جو ملک شاہ ویز تمہارا یوں جانی دشمن بن بیٹھا۔؟'' انیسہ غضبناک ہوتے ہوئے، ہاتھ لہرا کر بولیں۔
''میں...... میں...... نہیں بتا سکتا......!'' حذیفہ کہتے کہتے چپ سادھ گیا۔ انیسہ اسے غصے سے گھورنے لگیں۔
''کیوں نہیں بتا سکتے تم مجھے؟ ایسی کون سی بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو؟'' حذیفہ کی بات نے انہیں بری طرح تپا ڈالا تھا، وہ غضب کا شکار ہوتے ہوئے بولیں۔
''میں آپ سے جتنا کہہ سکتا تھا، کہہ چکا، اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔'' حذیفہ نے قطعیت سے انکار کرتے ہوئے کہا۔
''لیکن میں جاننا چاہتی ہوں حذیفہ کہ کس وجہ سے ملک شاہ ویز تمہارا دشمن بنا پھر رہا ہے اور دشمنی بھی اس قدر کہ تمہاری منگ کو اٹھا لے گیا؟؟؟'' انیسہ اپنے سوال پر قائم تھیں ان کا لہجہ اور انداز بتا رہا تھا کہ وہ ہر صورت حذیفہ سے یہ راز اگلوا کر ہی دم لیں گیں، عین اسی پل شافع الدین کی آمد ہوئی تھی، وہ دروازہ کھول کر کمرے میں اندر داخل ہونے ہی والے تھے کہ انیسہ کی تند و تیز آواز نے ان کو بری طرح چونکا ڈالا، وہ دروازے سے کان لگائے انیسہ کی بات سننے لگے۔
''کہیں ملک شاہ ویز اور شمع کے درمیان کوئی رابطہ تو نہیں تھا، کوئی ناجائز تعلقات.....!!'' وہ

انداز میں کہتے کہتے بات ادھوری چھوڑ کر
تنتے ہوئے چہرے کو اپنی جہاندیدہ نگا
ٹٹولنے لگیں، بند دروازے کے پیچھے
شافع الدین کا دماغ بھاوج کی اس گھٹیا
بری طرح گھوم کر رہ گیا، قبل از کے حذیفہ
کوئی جواب دیتا، شافع الدین ایک جھٹکے
دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے، ان کی اس
آمد پر انیسہ اور حذیفہ نے چونک کر انہیں

''اتنی گھٹیا بات منہ سے نکالنے کی آپ کی
کیسے ہوئی بھابھی؟؟'' شافع الدین نے
بالائے طاق رکھتے ہوئے سخت لہجہ میں
مخاطب کیا۔
انیسہ شافع الدین کے غضبناک تیور دیکھ کر
طرح سمجھ چکی تھیں کہ انہوں نے ان کی
سے کہی گئی بات کو سن لیا ہے، فوراً بات
ہوئے لہجہ بدل کر بولیں۔
''میرا کوئی غلط مطلب نہیں تھا شافع! میں تو
رہی تھی کہ آخر کیا وجہ ہے جو ملک شاہ ویز
شمع کو یوں اٹھا لے گیا''
''آپ نے جو کہا، وہ میں اچھی طرح سن
ہوں، میری ایک بات یاد رکھئے گا...'' وہ انگلی
تنبیہہ کرتے ہوئے بولے۔
''اگر میری بیٹی کے کردار پر کوئی انگلی اٹھائی،
گھٹیا الزام سے منسوب کرنے کی کوشش کی تو
برا کوئی نہیں ہوگا۔'' شافع الدین کاٹ
لہجے میں بولے، انیسہ گنگ سی انہیں دیکھتی رہ
گئیں۔حذیفہ لب کاٹتے ہوئے ماں کے چہرے
دیکھنے لگا۔
''شافع الدین، زبان سنبھال کر بات کرو،
بھابھی ہوں تمہاری۔'' انیسہ شافع الدین کی
لفظی پر غصے سے بولیں۔

''بڑی بھابھی ہیں اسی لئے لحاظ کر رہا ہوں،
ورنہ اپنی بیٹی کے کردار پر کیچڑ اچھالنے والے کو
میں اتنی آسانی سے چھوڑتا نہیں۔'' وہ بے مروتی
سے منہ پھیر کر بولے۔
''اچھا!! اچانک بڑی محبت عود آئی تمہارے
دل میں بیٹی کیلئے، صبح جب یہی بیٹی فون کر کے مدد
کیلئے فریاد کر رہی تھی تب یہ پدرانہ محبت کہاں
جا سوئی تھی، شافع الدین ایک بات اچھی طرح یاد
رکھو، جن لڑکیوں کے باپ، اپنی ماضی کی محبت کا
مندر دل میں تعمیر کر کے ہر دم پوجا پاٹ میں لگے
رہتے ہیں، ان کی بے فکری سے دنیا اسی طرح کے
فائدے اٹھاتی ہے۔'' انیسہ نے بھی شافع الدین
کو جتا کر سنایا۔
''کیا مطلب ہے بھابھی آپ کی اس بات
کا۔'' ماضی کی محبت کا طعنہ انہیں دل پر تازیانے کی
صورت لگا۔
''مطلب تو واضح ہے شافع الدین، تم اگر
اپنی بیٹی کے حوالے سے اتنے فکر مند ہوتے، تو
آج شمع سمیت ہم سب کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔''
انیسہ نے انہیں صاف آئینہ دکھایا۔
''میں اپنی بیٹی کے لئے کتنا اچھا باپ ہوں،
اس کا ثبوت مجھے دنیا کو دینے کی ضرورت نہیں
ہے۔'' وہ آئینہ دیکھ کر برا مناتے ہوئے بولے۔
''آپ لوگ پلیز یوں ایک دوسرے کو لتاڑنا
بند کریں، چاچو آپ بتائیں شمع گھر پہنچ گئی؟ دادی
کہہ رہی تھیں کہ وہ رات ہونے سے پہلے ہماری
حویلی میں ہوگی۔'' حذیفہ ماحول میں پھیلی بدمزگی
سے زچ آ کر بلند آواز میں بول اٹھا۔
''وہ گھر میں نہیں ہے حذیفہ، تم مجھے سچ سچ
بتاؤ کہ تم دونوں کے ساتھ آخر ہوا کیا تھا، میری بچی
کہاں ہے؟'' وہ پریشانی کے عالم میں حذیفہ کی
جانب متوجہ ہوئے، حذیفہ انہیں ساری تفصیل

بتانے لگا۔

''ملک شاہ ویز، تو یہ ملک جمیل کے بیٹے کی کارستانی ہے، اس نے اغواء کیا ہے میری بیٹی کو، میں اسے اس کے خاندان کو کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔'' شافع الدین غضبناک لہجے میں غراتے ہوئے بولے۔

''شافع چچا! دادی کہہ کر گئی ہیں کہ آج ہر حال میں وہ شمع کو حویلی لے کر آئیں گی۔'' حذیفہ نے انہیں نجم النساء کی کاوشوں کے حوالے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی۔

''اچھا! پھر آئی کیوں نہیں میری بیٹی اب تک گھر، پورا دن بیت گیا، رات ڈھلنے کو ہے، حذیفہ! شمع کیلئے کوئی بھی کچھ نہیں کر سکے گا، جب تک میں یا تم ہمت نہیں کریں گے۔'' انہوں نے استہزائیہ لہجے میں، ایک جتاتی نظر سامنے کھڑی انیسہ پر ڈالتے ہوئے کہا، انیسہ ان کی نظروں کا مفہوم سمجھ کر تلملا کر رہ گئیں۔

''اس دنیا میں شمع سے سب سے زیادہ محبت میرے اور تمہارے علاوہ کوئی بھی نہیں کرتا اور یہ محبت کا ہی احساس ہے جو دلوں میں فکر پیدا کرتا ہے، یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ اس کے لئے جو بھی کرنا ہے وہ مجھے یا تمہیں ہی کرنا ہے، شمع کے لئے کسی صورت بھی ہار نہیں ماننا ہے۔'' شافع الدین معنی خیز نظروں سے انیسہ کو دیکھتے ہوئے حذیفہ کو بہت کچھ سمجھا گئے۔

''شافع الدین! تم حذیفہ کی حالت اچھی طرح دیکھ رہے ہو وہ اس وقت بستر سے اٹھنے کے قابل بھی نہیں اور تم اسے اکسا رہے ہو؟ پٹیاں پڑھا رہے ہو؟'' انیسہ تیز لہجے میں انہیں سناتے ہوئے کہنے لگیں۔

''انیسہ بھابھی حذیفہ کے زخم وقتی ہیں، ایک دو دن میں بھر جائیں گے، مگر یہ ایک رات میری بیٹی کے زندگی پر داغ بن کر ٹھہر جائے گی، یہ ایک رات اس کے جسم کو ہی نہیں روح کو بھی زخمی کر جائے گی۔'' شافع الدین نے بھی تیز لہجے میں ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''مگر اس معاملے میں حذیفہ کیا کرسکتا ہے۔ وہ تو خود زخمی پڑا ہے۔'' انیسہ نے نخوت سے منہ پھیر کر جواب دیا۔

''آپ کے اس سوال کا جواب تو وقت ہی دے گا انیسہ بھابھی، فی الحال تو میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ آج اگر میری شمع اس حال میں ہے تو اس کا ذمہ دار صرف حذیفہ ہے، جب اس کی ملک شاہ ویز سے اتنی گہری دشمنی تھی تو اسے شمع کو لے کر اس کے علاقے میں جانا ہی نہیں چاہئے تھا، حذیفہ قصور وار ہے کیونکہ شمع کی حفاظت، اس کی ذمہ داری اس نے خود اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا، ان سب حقائق کے باوجود میں جانتا ہوں کہ حذیفہ کی محبت اس کے خلوص میں کوئی کمی نہیں، مگر میرا ان حقائق کو سامنے رکھنے کا مقصد محض یہی ہے کہ میری بیٹی کے کردار پر انگلی اٹھانے کا کسی کو موقع نہ ملے، اس کے باوجود اگر کسی نے میری معصوم بیٹی کو بدکردار ثابت کرنے کی کوشش کی تو پھر اس کے لئے مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔'' شافع الدین تو بہت واضح جملوں میں انیسہ کو اپنی بات سمجھا گئے۔ انیسہ جی جان سے کلس کر انہیں جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

''شافع چچا ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں، شمع آج جس مصیبت میں ہے اس مصیبت کا ذمہ دار صرف میں ہی تو ہوں۔'' شافع الدین کے جانے کے بعد، حذیفہ نے بے بسی کے عالم میں بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''پہلے بیٹی اور اب اس کے باپ نے میرے بچے کی زندگی عذاب بنا ڈالی ہے، اس

رشتے کو تو میں ہر حال میں تڑوا کر رہوں گی۔"
انیسہ نے ایک غصیلی نظر حذیفہ کے چہرے پر ڈالی۔ اور دل ہی دل میں تہیہ کرتے ہوئے خود سے ہم کلام ہوئیں۔

☆☆☆

'نہ جانے کیسے انسان ہیں شافع، ان کا دل تو شاید پتھر کا ہے، بیوی کو تو بھی محبت تو کیا عزت کے قابل بھی نہیں سمجھا، مگر بیٹی؟؟ وہ تو اپنا خون ہے، شافع کے جسم کا حصہ ہے، پھر کیوں اتنا بے پرواہ ہیں وہ اس سے، اتنے مشکل وقت میں بھی اتنی لا پرواہی... مجھ سے پوچھا تک نہیں شمع کے بارے میں۔" انیسہ، شافع الدین کو جاتا دیکھ کر بے بسی سے سوچنے لگیں، قسمت کی ستم ظریفی پر انہیں رونا آ گیا، آنکھوں سے اشک رواں ہوئے، اور انہیں خبر بھی نہ ہوئی۔

"یا اللہ! کوئی خبر نہیں، کچھ پتا نہیں، میری بیٹی کہاں ہے کس حال میں ہے، کچھ علم نہیں، کوئی اپنا نہیں جس سے دل کا حال کہوں، اپنے سوال رکھوں!! کوئی بھی تو نہیں جو میرا درد سمجھے میرے مولا..." وہ غم سے نڈھال ہو کر وہیں صوفے پر ڈھے سی گئیں۔

"صرف تو ہے مولا، صرف تو ہے! صرف تو ہے جو میری سنتا ہے.. تو ہی کوئی راستہ بنا دے مجھے سے میری بیٹی کو ملانے کا، کوئی ہمدرد پیدا کر دے اس جہاں میں میرا، کوئی تو ہو جو میرا درد سمجھے، تیرا ہی آسرا ہے میرے مالک، تو ہی مجھے میری بچی سے ملا دے..!" صرف انیسہ ہی نہیں ان کا دل بھی رو رہا تھا، یہ صرف وہ ہی جانتی تھیں کہ ہر گزرتا وقت ان کے لئے کس قدر اذیتناک بنتا چلا جا رہا تھا، اور ایسے میں اور کوئی ساتھ دے نہ دے، مگر جیون ساتھی کا ساتھ، ہاتھ، اسکا مضبوط بازو ہی سب سے بڑا سہارا ثابت ہوتا ہے، مگر شافع الدین تو ان کی زندگی میں ایک پہاڑ کی صورت کھڑے تھے، جس سے سر ٹکرا ٹکرا کر ان کا پورا وجود زخموں سے چور ہو چکا تھا، مگر اس سنگلاخ پہاڑوں جیسے شخص پر کوئی اثر نہیں آیا تھا۔

"حد ہو گئی ہے بے نیازی اور بے فکری کی، بیٹی کو گھر سے غائب ہوئے صبح سے شام ہو چلی، مگر تم پر کوئی فرق نہیں آیا سفینہ، کیسے مہارانیوں کی طرح صوفے پر پڑی ستا رہی ہو۔" نجم النساء اسی پل اندر داخل ہوئی تھیں اور صوفے پر بیٹھی کراہتی ہوئی سفینہ کو دیکھ کر انہوں نے اپنے بے حس ذہنیت کی بھرپور عکاسی کی۔

"اماں میری بیٹی، میری شمع.... کچھ پتا چلا اس کے بارے میں؟؟ کہاں وہ کس حال میں ہے؟؟" وہ ان سفاک جملوں کو نظرانداز کرتی ہوئیں بے قراری سے نجم النساء کی جانب بڑھیں۔

"اے ہٹو...! جب میں نے تمہیں جم کر لتاڑا تو اداکاری کرتی ہوئی آ گئیں پوچھنے...!" نجم النساء نے سفینہ کا ہاتھ جھٹک کر منہ بگاڑ کر اسے دھتکارتے ہوئے کہا۔ سفینہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"اماں کم از کم آپ تو میرے ساتھ یہ رویہ نہ رکھیں، آپ تو جانتی ہیں کہ میرے لئے یہ وقت کسی قیامت سے کم نہیں، میری بیٹی، میری لخت جگر میری نظروں سے دور ہے تو میرے دل پر چھریاں سی چل رہی ہیں۔" وہ تڑپ کر اپنے دل کا حال بیان کرنے لگیں۔

"بس بس.... یہ اداکاری کے اپنے جوہر کسی اور کو دکھانا، میں تو تمہارے رگ رگ سے واقف ہوں، تم جیسی عورت تو جس گھر جائیں اس گھر میں اندھیر مچا دیں، نہ شوہر کو سنبھال سکیں، نہ بیٹی کو.. ہونہہ!!" نجم النساء زہرخند لہجے میں کہتے،

اسے کس بات ہوئے اپنی چادر اتار کر صوفے پر جا بیٹھیں۔
''ٹھیک ہے میں ایک ناکام عورت ہوں اماں، مگر اس میں میری بیٹی کا کیا قصور اماں ؟؟ اس بیچاری کا کیا جرم ہے؟؟'' سفینہ ممتا کے ہاتھوں مجبور تڑپ کر بولیں۔
''اچھا تو اب تمہاری اتنی ہمت ہوگئی کہ مجھ سے سوال کرو گی؟؟'' نجم النساء نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھ کر سخت لہجے میں ٹوکا۔
''میری اتنی مجال اماں کہ مین آپ سے سوال کروں... میں تو بس اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھ رہی ہوں آپ سے!'' سفینہ منمناتے ہوئے اپنی صفائی دینے لگیں۔
''اچھا بس بس....تمہاری بیٹی کو ملک جمیل کے لڑکے نے اٹھالیا ہے، صبح سے میں کوشش میں لگی ہوئی ہوں کہ وہ واپس گھر آجائے۔'' نجم النساء نے سرسری انداز میں بتایا، البتہ ملک جمیل' کا نام انہوں نے جان بوجھ کر جتاتے ہوئے لیا تھا۔
''ملک جمیل کے لڑکے....!'' سفینہ بامشکل یہ نام دہرا پائی ان کا چہرہ دھواں دھواں سا ہوگیا۔
''ہونہہ، ملک جمیل کے گھر ہے تمہاری بیٹی، برا نہ ماننا مگر تم دونوں ماں بیٹی نے ایک جیسی قسمت پائی ہے، دونوں کا ٹانکا ملک جمیل کے گھر سے جڑتا ہے۔'' نجم النساء نے طنز کے زہر میں ڈوبا ایک اور تیر سفینہ کی جانب اچھالا۔
''اللہ نہ کرے اماں، جو میری قسمت کی چھاپ میری بیٹی پر پرے۔'' سفینہ دہل کر بولیں۔
''اچھا یہ باتیں بنانا چھوڑو، یہ بتاؤ، یہ شافع اس وقت کہاں نکل کھڑا ہوا ہے؟؟'' نجم النساء نے اپنے سابقہ ٹون میں انہیں ٹوکتے ہوئے کہا۔
''میں نہیں جانتی، میں نے بس ان کو شمع کے کمرے سے نکل کر باہر جاتے دیکھا۔'' سفینہ آہستگی سے گویا ہوئیں۔ اسی پل آفاق الدین اندر داخل ہوئے۔ سفینہ بے تابی سے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھیں۔
''آفاق بھائی.. میری بیٹی ؟؟'' ان کی دگرگوں حالت اور بے بسی دیکھ کر آفاق الدین کو ان سے بیحد ہمدردی محسوس ہوئی۔
''شمع بہت جلد واپس آجائے گی سفینہ تم فکر نہیں کرو۔'' وہ اسے نرمی سے تسلی دیتے ہوئے بولے۔
''کیسے آجائے گی وہ واپس آفاق بھائی، اسے کوئی لینے بھی تو نہیں گیا۔ کیا ہم سب انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ظالم خود چھوڑنے آئیں گے ہماری بچی کو؟'' سفینہ دلگرفتگی کے عالم میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔
''نہیں میں لینے جاؤں گا شمع کو، میں لے کر آؤں گا۔'' آفاق الدین کا دل بھاوج کی حالت دیکھ کر پسیج گیا، وہ مستحکم لہجے میں گویا ہوئے۔
''تم کہیں نہیں جاؤ گے آفاق، وہ لوگ خود آئیں گے شمع کو چھوڑنے، اگر نہیں آئے تو تم جانتے ہو میں کیا کرنے والی ہوں...!'' نجم النساء کے لہجے میں ان کا روایتی رعب و دبدبہ عود آیا۔
''جو آپ چاہتی ہیں ویسا کچھ نہیں ہوگا اماں۔ میں خود ملک فیاض سے ملنے جاؤں گا اور اپنی بچی لے کر آؤں گا۔'' آفاق الدین اپنا فیصلہ سنا کر چلے گئے۔ وہ جس بات کا تہیہ کر بیٹھتے اس سے پھر کبھی پیچھے نہیں ہٹتے تھے، یہ بات نجم النساء بہت اچھی طرح جانتی تھیں۔
''جب میں نے تمہیں کہا تھا کہ آجائیگی تمہاری بچی گھر، تو تمہیں میری بات سمجھ نہیں آئی تھی جو آفاق الدین کے سامنے ٹسوے بہانا شروع کر ڈالا۔'' آفاق الدین کے چلے جانے کے بعد

نجم النساء نے خشمگین نگاہوں سے سفینہ کو گھورتے ہوئے ڈپٹا۔ اور غصے سے اٹھ کر چلی گئیں۔

''میں آپ جیسی کٹھور ماں نہیں ہوں اماں جو بیٹی کی جدائی کو برداشت کر سکوں۔ اس دنیا میں میری بیٹی ہی تو میرا واحد، سچا اور کھرا رشتہ ہے۔ میں اس کیلئے اپنی جان قربان کر سکتی ہوں مگر اسے خود سے جدا نہیں کر سکتی۔'' سفینہ انہیں ڈبڈباتی نظروں سے جاتا دیکھ کر سوچ کر رہ گئیں۔

☆☆☆

اس نے آنکھیں کھولی تو خود کو ایک کشادہ روشن کمرے میں پایا، وہ بے اختیار اٹھ بیٹھی، آج کا دن اس کیلئے ایک چونکا دینے والا دن ثابت ہوا تھا۔

''اف میرے خدا! اب میں کہاں آ پھنسی ہوں۔'' وہ اس بڑے سے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے پریشانی سے بڑبڑائی۔

''یا اللہ! مجھے اس مصیبت سے نکال دے، مجھے میرے اپنوں تک پہنچا دے میرے مالک، بدنامی کی جو کالک میرے منہ پر یہ قسمت ملنا چاہتی ہے۔ مجھے اس کالک سے بچا لے۔'' وہ دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہوئے رونے لگی، عین اسی پل کمرے کا دروازہ کھلا اور ملک فیاض اندر داخل ہوئے، اسے ہوش میں بیٹھا دیکھ کر چونکتے ہوئے با آواز بلند بولے۔

''ارے جمیل پتر.. جلدی آؤ، دیکھو اس بچی کو ہوش آ گیا۔'' شمع نے ٹھٹک کر انہیں دیکھا، کچھ ہی لمحے میں وہاں ایک نہایت خوش شکل، خوش لباس شخص موجود تھا۔

''شکر ہے شمع بیٹی تمہیں ہوش آ گیا۔'' ملک جمیل نے مسکراتے ہوئے ملائمت سے دریافت کیا، شمع کی آنکھوں میں تحیر پھیلتا چلا گیا۔

''بیٹا میں جانتا ہوں تم شافع الدین کی بیٹی ہو، میں ملک جمیل ہوں، آج شام ہی فیض پور آیا ہوں اور اپنے کھیتوں کی طرف جا رہا تھا کہ تم بھاگتے بھاگتے اچانک ہماری گاڑی کے سامنے آ کر بے ہوش ہو گئی تھیں، اب مجھے تفصیل سے بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے؟ کون لوگ تھے تمہارے پیچھے؟؟ کس نے اغواء کیا تمہیں؟'' ملک جمیل کرسی کھسکا کر بیٹھتے ہوئے اس سے سوال کرنے لگے۔

''آپ یہ کیسے جانتے ہیں کہ مجھے اغواء کیا گیا تھا؟؟'' شمع دنگ سی رہ گئی۔ ملک جمیل اس کے سوال پر دھیمے سے مسکرائے۔

''بیٹا فیض پور اتنا وسیع نہیں کہ یہاں دن دھاڑے ہونے والی واردات کسی سے چھپ سکے۔ اور آپ کے اغواء ہونے کی خبر تو گھر گھر تک پھیل چکی ہے۔'' ملک جمیل کے جواب نے اس کے دل کو مٹھی میں بھینچ لیا ہو جیسے۔

''اغواء ہو جانے والی لڑکیاں بے قصور ہوتے ہوئے بھی دنیا کی نظروں میں مجرم بن جاتی ہیں اور حویلی والے تو ویسے بھی اپنی حویلی کی عزت کو لے کر بے حد حساس ہیں، تو جو مجھ سے سرزد نہیں ہوا، اس جرم کی معافی مل سکے گی مجھے..؟ یا پھر مجھے بھی میری ماں کی طرح ایک ناپسندیدہ ہستی کا درجہ دے کر، پل پل دھتکارا جائے گا... اور حذیفہ.....! وہ تو سچ جانتا ہے، وہ حقیقت جانتا ہے کہ میں بے قصور ہوں، وہ میرا ساتھ دے گا..؟'' اس کا ذہن پل بھر میں ان گنت سوچوں، سوالوں کی آماجگاہ بن چکا تھا، ہزار خدشے تھے جو اسے ستانے لگے تھے، ملک جمیل اس کے چہرے کے بدلتے رنگ، پھیلتے تفکر کو بغور دیکھتے ہوئے حوصلہ آمیز لہجے میں بولے۔

''گھبراؤ نہیں بیٹی! ہم نے تمہارے گھر والوں سے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں باحفاظت گھر تک

پہنچائیں گے اور پریشان نہ ہو تمہارے گھر والے تمہارا شدت سے انتظار کر رہے ہیں۔'' ملک جمیل کے اس ایک جملے نے پل بھر میں شمع کے دل میں پلتے خدشات کو پانی کے بھاپ کی مانند اڑا ڈالا۔

''مگر تمہیں میرے چند سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔'' ملک جمیل نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا۔

''کس بات کا جواب؟'' شمع نے چونکتے ہوئے دریافت کیا۔

''تمہیں کس نے اغواء کیا تھا؟ کون تھا جس سے خوفزدہ ہو کر تم بھاگ رہی تھیں؟ اس نے تمہارے ساتھ کوئی بدسلوکی تو نہیں کی، مجھے ایک ایک بات بتاؤ بیٹی..'' انہوں نے نرمی سے اپنے سوالات شمع کے آگے گوش گزار کر ڈالے، شمع نے ان کو سوالات کو سن کر درگزیدہ نگاہوں سے دائیں جانب بیٹھے ملک فیاض کو دیکھا، قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی، کمرے کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا اور وہ اندر داخل ہوا۔

''ملک شاہ ویز...!'' اسے یوں اچانک سامنے دیکھ کر شمع کے لبوں سے بے ساختہ اس کا نام پھسلا ملک فیاض اور ملک جمیل نے شمع کی نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا، دروازے پر ملک شاہ ویز کھڑا تھا، اس کی نگاہیں شمع کے خوف زدہ چہرے پر جمی تھیں۔

☆☆☆

حذیفہ دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند جا سویا تھا، انیسہ کب سے جلے پیر کی بلی بنی کمرے میں ٹہل رہی تھیں۔ حذیفہ کے سوتے ہی وہ اپنا موبائل پرس سے نکال کر کمرے سے نکل کر ہسپتال کے کوریڈور میں آ گئیں اور کچھ سوچتے ہوئے موبائل پر نمبر ملانے لگیں۔

آفاق الدین اس پل اپنا موبائل اٹھا کر کمرے سے نکل ہی رہے تھے کہ موبائل پر انیسہ کی کال دیکھ کر فوراً ریسیو کرتے ہوئے بولے۔

''ہیلو انیسہ سب خیریت تو ہے ناں؟''

''جی جی سب خیریت ہے۔'' وہ آفاق الدین کی پریشانی بھانپتے ہوئے جلدی سے بولیں۔

''اچھا۔ حذیفہ ٹھیک ہے؟'' انہوں نے فوراً بیٹے کی خیریت دریافت کی۔

''حذیفہ ٹھیک ہے، ابھی سو رہا ہے، مگر ایک پریشانی والی بات ہے..'' وہ حذیفہ کی طرف سے مطمئن کرتے ہوئے بولیں۔

''پریشانی والی بات ..؟؟ پریشانی کی کیا بات ہے؟'' وہ کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اتر رہے تھے ایکدم ٹھٹھک کر پوچھنے لگے۔

''شافع الدین یہاں آیا تھا، بہت غصے میں تھا، مجھ سے بھی کافی بدتمیزی کی اور....'' انیسہ نے کہتے کہتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''شافع الدین وہاں گیا تھا، غصے میں تھا، تم سے بدتمیزی بھی کی، اور.... اور کیا؟؟'' آفاق الدین سیڑھیاں اترتے اترتے ایکدم رک گئے۔

''اور حذیفہ کو شمع کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کا ذمہ دار ٹھہرا کر چلا گیا ہے وہ۔۔!'' انیسہ نے بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کہی تھی۔

''اس کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے، ساری زندگی اس نے یہی کیا ہے، ہر خرابی کا ذمہ دار دوسروں کو ٹھہرا کر خود ہر فرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ ہونہہ!'' آفاق الدین کا ردعمل انیسہ کے حسب توقع تھا۔ وہ زیر لب مسکرائیں۔

''بس کیا کہوں یہاں ہسپتال میں بھی اس نے کافی شور شرابہ مچایا اور پھر تن فن کرتا یہاں سے چلا گیا۔'' وہ بظاہر فکر مندی سے مگر طنزیہ انداز

لیتی نیند کی وادی میں اتر گئی۔
مگر آمنہ کی آنکھوں سے تو نیند اڑ چکی تھی۔
حویلی سے نکلتے ہوئے اس نے رحیم الدین کو دیکھ لیا تھا، وہ اونچے قد کاٹھ والا، کسی فلمی ہیرو کی طرح اپنی سیاہ گھنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے جیپ چلاتے ہوئے حویلی میں داخل ہوا تھا اور تب سے آمنہ کا دل چودھری رحیم الدین کے نام پر دھڑکنے لگا تھا۔ اس کے من موہنے سے چہرے پر ایک خوبصورت سی مسکان سج گئی تھی۔
''ہائے چودھری رحیم الدین...! اس کے ہونٹوں نے ہولے سے نام لیا۔
''ہائے اللہ! چودھری رحیم الدین تم کتنے اچھے ہو، تمہارے بارے میں مجی کو تو ضرور بتاؤں گی''۔ آمنہ شرماتی ہوئی تصور میں رحیم الدین سے مخاطب ہوتے ہوئے کہنے لگی، آمنہ کی آنکھوں میں اس دن سے رحیم الدین کے سنہرے خوابوں نے بسیرا کر لیا تھا۔

☆☆☆

''کون تھا وہ شمع بٹی جس نے تمہیں اس حال تک پہنچایا؟؟ ملک جمیل نے گردن واپس موڑتے ہوئے ایک بار پھر شمع کو دیکھتے ہوئے استفسار کیا، گو کہ شمع کی آنکھوں میں پھیلتے خوف کے درگزیدہ سائے دیکھ کر اپنے سوال کے جواب تک رسائی حاصل کر چکے تھے وہ، مگر پھر بھی وہ اس کے منہ سے واضح جواب سننا چاہ رہے تھے۔ شمع کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔
''اس کی جی داری تو میرے سینے پر گولی کی طرح لگ رہی ہے... ٹھاہ ٹھاہ کر کے۔'' اسے وہ تمام باتیں اس کی سماعتوں میں گونجنے لگیں جو ملک شاہ ویز نے اس سے اپنی شان و شوکت کے زعم میں کہیں تھیں۔
''یہ حذیفہ تو بڑا ہی بزدل نکلا۔ اتنی سی مار کھا کر اپنی حسین منگیتر کو ہمارے چنگل میں پھینک کر دم دبا کر بھاگ نکلا۔'' وہ وقت کتنا بے بسی بھرا تھا جب وہ ان غنڈوں کے سامنے مجبور سی بیٹھی، اپنی ذات سے متعلق ان کی واہیات گفتگو سن رہی تھی۔
''گھبراؤ نہیں اب تم میرے پاس ہو، اب تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں، صرف میری محبت کا خمار ہوگا۔'' اور ان انتہائی بیہودہ جملوں سے بچنے کیلئے اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔
''حذیفہ تو بڑا ہی برا لگتا تھا یوں تقریر کرتے ہوئے، مگر یہ تو بڑی اچھی لگ رہی ہے یوں پٹر پٹر بولتے ہوئے، دل پر لگ رہی ہے ٹھاہ کر کے...!''
شمع کو لگا ان لفظوں سے ٹپکتی غلاظت اب بھی اس کی سماعتوں کو چھیر رہی ہے۔ ملک شاہ ویز کی بے باک نگاہیں اب بھی اس کے جسم کو بھنبھوڑ رہی ہیں، اس کی آنکھوں سے اشک رواں ہو گئے۔ وہ بے اختیار رو پڑی۔
''ارے بیٹا، تم رو کیوں رہی ہو؟ رونا نہیں ہے اب تمہیں، تم بالکل محفوظ ہو ہمارے پاس۔''
ملک جمیل اس کے یوں رونے پر گھبرا گئے۔ اسے تسلی دیتے ہوئے سمجھانے لگے۔ ملک فیاض نے بھی سامنے بیٹھی گھبرائی ہوئی معصوم بچی کو دیکھا اور ملامتی نگاہوں سے برابر میں کھڑے شاہ ویز کو دیکھا۔ ملک شاہ ویز ان نظروں کا مفہوم بہت اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔ تب ہی گڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔
''دیکھو بیٹا تمہیں کسی سے بھی ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، تم کہیں اور نہیں، میرے اپنے گھر میں موجود ہو اور میرے گھر میں کسی کی اتنی ہمت نہیں کہ تمہیں نقصان پہنچائے۔''
انہوں نے ایک جتاتی ہوئی نظر ملک شاہ ویز کی جانب اچھال کر شمع کو یقین دلایا، شمع نے ان کی اس بات پر بے اختیار نظر اٹھا کر سامنے کھڑے

غصے سے پیچ وتاب کھاتے ملک شاہ ویز کو دیکھا۔ پھر ملک جمیل کو دیکھنے لگی۔ ان کے مشفق ومہربان انداز میں اسے بے پناہ اپنائیت محسوس ہوئی۔

''تم بے خوف ہو کر اس شخص کا نام بتاؤ، جس نے تمہیں میلی نظر سے دیکھا۔'' ملک جمیل نے ایک بار پھر اس کی ہمت بندھاتے ہوئے پوچھا، شمع کی نگاہیں بے اختیار ملک شاہ ویز پر جا ٹھکیں، ملک فیاض اور ملک جمیل نے ان نگاہوں کا تعاقب کرتے ہوئے ملک شاہ ویز کو دیکھا۔

''آپ لوگ مجھے کیوں دیکھ رہے ہیں؟؟'' ملک شاہ ویز ان سب کے یوں دیکھنے پر بری طرح گھبرا گیا۔

''اور کون ہے یہ لڑکی ابا جی؟؟'' اس نے انجان بننے کی بھرپور کوشش کی، مگر لہجے کی لڑکھراہٹ، چہرے پر نمودار ہوتی پسینے کی بوندیں ملک جمیل کو بہت کچھ سمجھا چکی تھیں۔

''اچھا! تو تم مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ یہ لڑکی کون ہے، جب کہ یہ لڑکی ہمیں، ہمارے کھیتوں کے علاقے سے ملی ہے اور پورے فیض پور میں یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ تم نے اس کے منگیتر کے ساتھ مار پیٹ کی اور اسے اٹھا لے گئے اور اب تم معصوم بنے مجھ سے پوچھتے ہو کہ کون ہے یہ لڑکی؟؟'' ملک جمیل شدید غصے کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور طیش کے عالم میں بیٹے کو لتاڑا۔

''نہیں نہیں ابا جی، یہ جھوٹ ہے، میں نے تو آج حذیفہ کو دیکھا بھی نہیں، مارنے پیٹنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' ملک شاہ ویز نے ڈھٹائی سے جھوٹ بولا۔

''یہ جھوٹ کہہ رہا ہے، اس نے اپنے دوستوں کے ہمراہ حذیفہ پر حملہ کیا، اسے بری طرح مارا پیٹا۔ اور.....!!'' شاہ ویز کے صاف جھوٹ پر شمع پھٹ پڑی، وہ گواہ تھی اس کے ظلم کی۔

''اور کیا.....؟؟'' ملک جمیل نے اسے بات ادھوری چھوڑ جانے پر سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ ملک شاہ ویز نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں دھمکانے کی کوشش کی۔

''اور مجھے اغواء بھی اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کیا تھا۔'' شمع نے شاہ ویز کی نگاہوں سے جھلکتی دھمکیوں کو یکسر نظر انداز کر کے اشارہ کرتے ہوئے کہا، آج اگر وہ ہمت نہیں کرتی تو وہ جانتی تھی کہ یہ شیطان ہمیشہ اسے ڈراتا دھمکاتا اور بلیک میل کرتا رہے گا، ڈر، خوف یہ ایک طرح سے لائسنس ہوتے ہیں ڈرانے والے کیلئے، کہ آؤ ہمیں ڈراؤ، کیونکہ ہم تمہارے گھناؤنے روپ سے خوفزدہ ہوتے ہیں، جس دن انسان اس لائسنس کو جاری کرنا بند کر دے گا، ڈرانے والے کی ہمت خود بخود دم توڑ دے گی، شمع نے بھی آج اسی سوچ کے زیر اثر، ہر خوف و خدشے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے شاہ ویز کو بے نقاب کر ڈالا تھا۔

''یہ... یہ جھوٹ بول رہی ہے!'' شاہ ویز غصے میں با آواز بلند چلایا، ملک جمیل نے طیش کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے منہ پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا، شاہ ویز کیلئے ملک جمیل کا یہ ردعمل انتہائی غیر متوقع تھا۔ وہ حق دق سا اپنے باپ کے تنے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا۔

''یہ جھوٹ بول رہی ہے شاہ ویز؟؟ کیا تم نے اپنے دادا جی کو خود نہیں بتایا تھا کہ تم نے شافع الدین کی لڑکی کو اغواء کیا ہے؟ شافع الدین نے پل بھر میں اس کا پول کھول ڈالا۔ ان کی بات پر شاہ ویز نے چونکتے ہوئے ملک فیاض کو دیکھا، ملک فیاض پوتے کی آنکھوں سے جھلکتی بے یقینی

دیکھ کر منہ پھیر گئے۔

''میں سارے حقائق جانتا تھا، مگر اس لڑکی سے سچ سننا چاہتا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اپنے کرتوت میرے سامنے کھلتا دیکھ کر تم کیا کہتے ہو۔'' وہ سخت گیر لہجے میں اس سے مخاطب تھے۔ شاہ ویز کے اندر غصے سے بھانبھڑ جلنے لگے، مگر باپ کا رعب اور خوف تھا جو خاموشی سے سر جھکائے کھڑا رہا۔

''اب سچ سچ بتاؤ مجھے شاہ ویز! کیوں کیا تم نے یہ سب؟ کیوں حذیفہ کو مارا؟ اور اس بچی کو کیوں اغواء کیا؟ وہ درشت لہجے میں سوال کرنے لگے۔

جواب اس کے پاس موجود تھا۔ انتقام..! مگر یہ لفظ یقینی طور پر ایک نئے سوال کو جنم دیتا۔

''کس بات کا انتقام؟؟؟'' اور انتقام کی وجہ تھی سبین....! اگر وہ سبین کا نام منہ سے نکالتا تو ان گنت والوں کے ساتھ ساتھ بہت سے مسائل بھی جنم لیتے۔

''کون ہے یہ سبین؟؟''

''کیسے جانتے ہو تم اسے؟ تمہارا اس سے کیا تعلق تھا؟؟''

''آخر اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا جو انتقام لینے کی نوبت آ گئی؟؟'' یہ وہ سوال تھے جو لازمی ملک جمیل اس سے پوچھتے۔ اور ہر سوال کا جواب اسے مزید مشکل میں گرفتار کر ڈالتا۔

''جواب دو ملک شاہ ویز میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں، کیوں اتنا ہنگامہ مچا کے رکھا ہوا تھا تم نے؟ کیوں اغواء کیا تھا اس بچی کو تم نے؟ ملک جمیل بپھرے ہوئے انداز میں اپنا سوال دہراتے ہوئے استفسار کرنے لگے۔ ملک شاہ ویز نے ایک سر اٹھا کر ایک سرد نظر شمع کی جانب اچھالی، اور اسے دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

''اچھی لگی تھی یہ مجھے، اس لئے اٹھا لایا۔''

اس کے لہجے کی سفاکی اور ڈھٹائی نے وہاں کھڑے تمام نفوس کو چونکا ڈالا۔ شمع کو یوں محسوس ہوا کہ اس کے پیروں سے جان نکلنے کو ہے...!

☆☆☆

سبین اس شب بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی، انیسہ سے کہا تھا کہ سہیلی کی منگنی میں جانا ہے، انیسہ نے بھانجی پر اعتماد کر کے اسے ڈرائیور کے ہمراہ سہیلی کے گھر بھجوا دیا تھا، شاہ ویز اپنی جیپ میں بیٹھا پہلے ہی سے اس کا منتظر تھا، سبین ڈرائیور کے جاتے ہی اس کی گاڑی میں آ بیٹھی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔'' شاہ ویز نے اس کی تیاری پر سراہتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے خاص دن پر یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ میں خوبصورت نہ لگوں۔'' سبین نے اٹھلا کر جواب دیا۔ شاہ ویز کے لبوں پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ کھیل گئی۔

''آج کا دن صرف میرے لئے نہیں بلکہ تمہارے لئے بھی بیحد خاص ہے۔'' شاہ ویز نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟؟'' سبین نے اسے نا سمجھی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب تو بہت صاف ہے، تم مجھ سے اب الگ تو نہیں ہو.. جو دن میرے لئے خاص ہے وہ تمہارے لئے بھی تو خاص ہوا ناں..'' شاہ ویز نے اسے مسکرا کر دیکھا اور ہلکے پھلکے انداز میں جواب دیا۔

''اوہ.... اچھا!! ایک بات کہوں شاہ ویز....!'' سبین نے کھڑکی کے پار دوڑتے بھاگتے نظاروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایک بات کیوں، سو بات پوچھو...!'' شاہ

ویز نے شوخی سے جواب دیا۔
''مجھے اب تک یقین نہیں آتا کہ تم مجھ سے اتنی محبت کرتے ہو...!!'' سبین نے محبت کے دریا میں ڈبکی لگاتے ہوئے خمار آمیز لہجے میں کہا۔
''آج یقین آجائے گا۔ آج تمہیں میری محبت پر یقین آجائے گا۔'' شاہ ویز کے لہجے میں ایک بار پھر معنی خیزی لوٹ آئی، سبین ہر بات سے بے نیاز تازہ ہوا کے جھونکے کو آنکھیں موندے اپنے چہرے پر چھیڑ خانی کرتا محسوس کر رہی تھی جیپ ایک موڑ مڑ کر کھیتوں کے درمیان میں موجود سڑک سے گزر رہی تھی۔
''ہم کہاں جارہے ہیں؟'' سبین نے کھیتوں پر نظریں دوڑاتے ہوئے سرسری سے انداز میں پوچھا۔
''میرے فارم ہاؤس پر...!'' شاہ ویز نے مسکرا کر جواب دیا۔
''تمہاری سالگرہ کی پارٹی وہیں پر ہے؟'' سبین نے شاہ ویز کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔
''ہونہہ!! وہیں پر ہے۔ میں اپنی پارٹیاں فارم ہاؤس میں ہی مناتا ہوں۔'' ایک بار پھر اس کی باتیں معنی خیزی کے لپیٹے میں لپیٹ چکی تھیں۔
سبین مسرور سی باہر دیکھے چلی گئی، اچانک کسی بات کے یاد آنے پر وہ پریشانی سے بولی۔
''اوہ شاہ ویز! ایک غلطی ہوگئی مجھ سے، میں تمہارا گفٹ لانا تو بھول ہی گئی۔''
''کوئی بات نہیں، میرے لئے سب سے خوبصورت تحفہ تم ہو!!'' شاہ ویز نے مخمور انداز میں اسے دیکھتے ہوئے، اس کی پریشانی چٹکی میں اڑا دی۔
جیپ ایک وسیع رقبے پر پھیلے فارم ہاؤس کے گیٹ پر جارکی، گیٹ پر تعینات چوکیدار نے جیپ دیکھتے ہی عجلت کے عالم میں دونوں گیٹ وا کرڈالے، جیپ فراٹے بھرتی اندر چلی گئی۔
''تمہارے مہمان کب تک آئیں گے؟؟''
فارم ہاؤس میں سناٹے کو تیرتا دیکھ کر سبین نے حیرت سے استفسار کیا۔
''تم اندر تو چلو، مہمان بھی نظر آجائیں گے۔'' شاہ ویز اسے ساتھ لئے اندر آگیا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی ایک کمرے سے کاشی، رووٗف اور عابد بھی مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے تھے۔
''آجاؤ میرے جگر.....!!'' شاہ ویز ان تینوں سے باری باری گلے ملتے ہوئے خوش ہو کر بولا، وہ تینوں بھی مسکراتے ہوئے سبین کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے لگے، سبین کو اچانک، یہ سب کچھ عجیب سا لگنے لگا، اسی احساس کے زیر اثر وہ شاہ ویز سے مخاطب ہوئی۔
''شاہ ویز تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم اپنی سالگرہ کی خوشی میں چھوٹی سی پارٹی دے رہے ہو، مگر یہاں تو تم چاروں کے علاوہ کوئی بھی نہیں ہے۔''
''ہاں تو میری جان، تمہارے لئے ہم چاروں کافی نہیں کیا؟؟'' شاہ ویز کا لہجہ اچانک بدلا تھا، وہ واہیات انداز میں ہنستے ہوئے اس کی جانب بڑھا تھا، سبین اس کے بدلے ہوئے تیور، انداز دیکھ کر بری طرح چونکی۔ اگلے ہی پل اس کے دل میں کچھ انتہائی غلط ہونے کا احساس جاگا۔

باقی آئندہ

احساس

نائلہ بھٹی

سرخ گلابوں سے سجے ہوئے ویل ڈیکوریٹڈ روم حجلہ عروسی میں بیڈ پر بیٹھی وہ لڑکی آسمان سے اتری ہوئی حور ہی لگ رہی تھی، وہ اسے پاگل دیوانوں کی طرح اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی پرتپش نظروں سے گھبرا کر اس نے اپنی جھکی گردن مزید جھکا لی تھی، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی محبت اس کی دل کی تہہ دنیا کو بالا کر دینے والی ہستی آج اس کے سامنے بیٹھی ہے، دل میں جذبوں کی فراوانی سرخوشی اور آنکھوں میں دید کا شوق پلک جھپکنے کو تیار نہ تھا۔

''آخر تین سال بعد ہی سہی محبت میں ٹھنڈی گرم آہیں بھرتے بھرتے بالآخر میں نے آپ کو پا ہی لیا۔'' شعیرہ میم دولہن کے روپ میں سر جھکائے بیٹھی اس خوبصورت سی پری کو دیکھ کر وہاج نے کہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، وہ اس کے گلاب روپ کو آنکھوں کے راستے سے دل میں اتار رہا تھا اور اشعرہ کو اپنا دل اتنی شدت سے ہتھیلیوں میں

ناولٹ

دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، جبھی اس نے اپنی سیاہ جھالر جیسی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

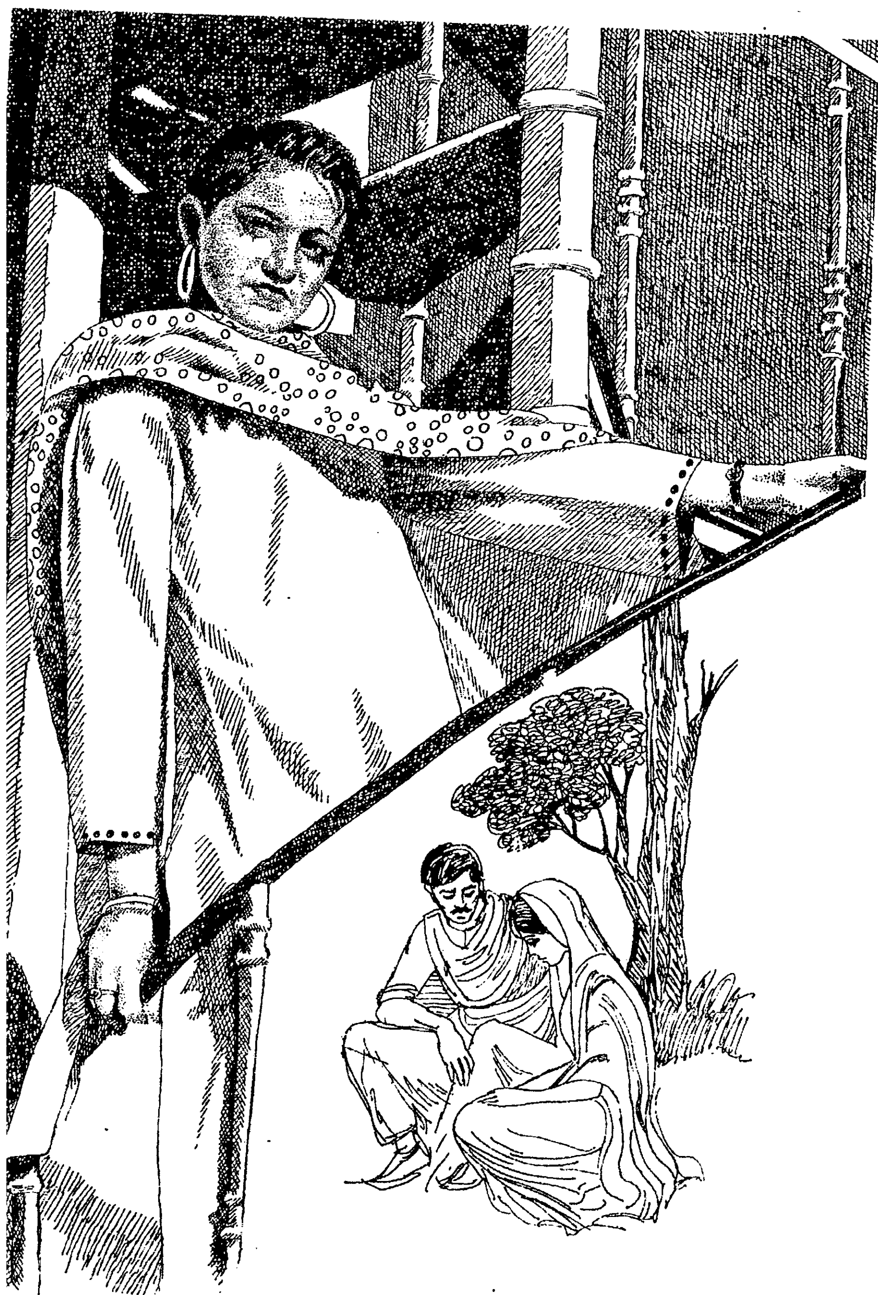
''اتنے جملے ایک ساتھ ٹھیک نہیں جاناں، اپنی ان قاتل نگاہوں سے کہو اتنے وار کرنا ٹھیک نہیں، میرا دل ناتواں ہے اگر کچھ ہو گیا تو۔'' اس نے تڑپ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

تو جواباً وہاج نے اس کے دودھیا گداز ہاتھوں کو مسکراتے ہوئے لبوں سے لگا کر اس کی پوری ہستی کو ہلا گیا تھا۔

اتنی تڑپ، اتنی شدت، اتنی چاہت اشعرہ کے لئے تو یہ احساس ہی بہت خوش نما تھا۔

''جانتی ہو مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ تم میرے پاس ہو میری محبت میری چاہت، میرا





دل کر رہا ہے کہ کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں اور چلا چلا کر ساری دنیا کو بتاؤں کہ میں نے اپنی محبت کو پا لیا ہے۔'' وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا، اس کے مخمور سے لہجے میں دلی حالت بیان کرنے پر وہ مسکرا دی تھی۔

''اچھا یہ آپ کی رونمائی کا تحفہ۔'' نازک سی انگوٹھی اس کی حنائی انگلی میں پہنا کر اس کی پشت کو چوم لیا تھا۔

دل تو جیسے سینے میں اچھل کود کر رہا تھا سامنے بیٹھا وہ شخص اسے اپنا اپنا سا لگا جو اسے مزید عاجز کر رہا تھا، اور وہاج اس کی حالت سے حفظ اٹھاتا ہوا پیش قدمی کرتا چلا گیا، روشن چاند کی جگمگاہٹ کے ساتھ وہ رات محبت کی بے تابیاں اس کی بے قراریاں شبنم سے بھیگی بے تاب سرگوشیاں سنتے گزر گئی تھی۔

☆☆☆

وہاج اپنے انجینئرنگ کے لاسٹ ائیر کے پیپر دینے کے لئے کالج گیا تھا اور کمرہ امتحان میں پیپر سیٹ کرتی شعیرہ کو دیکھ کر پہلی نظر کی محبت میں گرفتار ہو بیٹھا۔

اشعرہ ان دنوں اپنی قریبی دوست جو وہاج کے ڈیپارٹمنٹ کی ایگزامز تھیں انہیں ڈبل نمونیا ہو گیا تھا تو اس نے اشعرہ سے فیور مانگی اور اس کے (ڈین) سے بات کر کے وہاں پر ایکسٹرنل ایگزامز کے طور پر گئی تھی، وہ باقی ٹیچرز کے مقابلے میں کم عمر ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد خوبصورت شخصیت اور نرم لہجے نے سب کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، کافی سارے اسٹوڈنٹ اس سے متاثر ہوئے تھے اور ان سب میں وہاج اول نمبر پر تھا مگر ان جناب کے تو جذبات تو کچھ زیادہ ہی امڈ امڈ کر باہر آ رہے تھے، اس کی بے چینیاں اپنے عروج پر تھیں وقت دن گزرتے جا رہے تھے

اس دن وہاج کا آخری پیپر تھا مگر وہ نہیں آئی تھی جبکہ وہ تو آج بڑی تیاری کے ساتھ آیا تھا اور نا جانے کیا کچھ سوچے بیٹھا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اشعرہ میم گئی کہاں بار بار وہ خود سے ہی یہ سوال کیے جا رہا تھا۔

''مس ناہید اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' مس عظمت نے اپنے سامنے کھڑی ابایا میں ملبوس لڑکی سے پوچھا تھا۔

''جی اللہ کا شکر ہے اب تو پہلے سے کافی بہتر ہوں۔'' مس ناہید نے خوشگوار سے لہجے میں کہا۔

''اچھا تو کیا اشعرہ چلی گئیں۔'' مس عظمت نے پوچھا تھا۔

اس لمحے وہاج پیپر دے کر باہر نکلا تھا ارادہ تو اس کا آگے جانے کا تھا مگر اشعرہ کا نام سن کر وہی رک گیا۔

''جی ہاں اس نے اسٹڈی کے لئے جانا تھا وہ تو کل شام کی فلائٹ سے ہی چلی گئیں تھیں۔'' مس ناہید نے بتایا تو پیچھے کھڑے وہاج کا دل ڈوب گیا تھا یہ سن کر۔

''ویسے ماشاء اللہ سے بہت ذہین اور قابل ہیں کچھ دنوں میں ہی ہم سب سے گھل مل گئی تھی، پتا ہی نہیں چلا کہ وہ پہلی بار ہم سے ملی ہے۔'' مس عظمت تو جانے اور کیا کیا اس کی تعریف میں کہے جا رہی تھیں، مگر وہاج نے سنا کہاں تھا، وہ تو یہی سوچ کر پریشان ہو گیا تھا کہ وہ اب اس سے کبھی دوبارہ نہیں دیکھ پائے گا اور نہ ہی ملے گا ان کی دونوں کی باتوں سے یہ تو سمجھ گیا تھا کہ اشعرہ کوئی ٹیچر نہیں بلکہ اپنی قریبی دوست کی جگہ پر وہاں ڈیوٹی پر آئی تھی۔

اور وہ جو چند روز پہلے ہی بنا سوچے سمجھے پیار کے اس سمندر میں بڑے جوش کے ساتھ

محبت کی ناؤ پر سوار ہوا تھا، اب اسے اپنی نیا ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس نے کتنی جلد بازی سے کام لیا تھا۔

یہاں تک کہ اس نے تو اپنی بچپن کی منگیتر کو بھی چھوڑ دیا تھا اشعرہ کی خاطر، اور اشعرہ جس کو وہ نہ تو ٹھیک طرح سے جانتا تھا گو کہ اسے تو یہ تک معلوم نہ تھا کہ اس کا پورا نام کیا ہے وہ کہاں رہتی ہے کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا وہ۔

اور اگر میم عظمت کی باتیں نہ سنتا تو شاید یہی سمجھتا کہ وہ کسی وجہ سے نہیں آئی، وہاج کا ارادہ تو ان کے ہاں پر پوزل بھیجنے چلا تھا اور نہ جانے کیا کچھ سوچے بیٹھا تھا لیکن قسمت نے اس کی ساری بنائی سوچ پر کیسے پانی پھیر دیا تھا۔

دن مہینے بدلے ایک سال اور پھر تین سال گزر گئے اس کے انتظار میں اور پھر ان تین سالوں میں اس ایک محبت کو بھلانے کے لئے اس نے کئی چہروں سے محبت کے دعوے کر ڈالے، مگر کوئی ایک بھی چہرہ اس کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر پایا تھا، اور جب وہ اپنی دلی حالت اپنے قریبی دوست عمار سے اپنا دکھ شیئر کرتا تو وہ اس کا خوب مذاق اڑاتا اس کے طعنے دیتا اور اس کی حالت سے خوب لطف اندوز ہو کر ہنستا چلا جاتا، لیکن بعد میں اسی بات کو لے کر اسے خوب چھیڑتا اسے لتاڑتا۔

☆☆☆

احساس محبت میں ہم اتنا ہی کہتے ہیں
تیرے بغیر بھی ہم تیرے ہی رہتے ہیں

اور وہ ابھی بھی اسے ترحم آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ارے بس کر یار اب اس منحوس انگوٹھی کو گھورنا بند کر اور تو، تو اسے ایسے دیکھ رہا ہے جیسے کہ ابھی اس انگوٹھی میں سے کوئی جن برآمد ہو گا اور آ کر بولے گا، جو حکم میرے آقا اور پھر تمہارے حکم کی تعمیل میں یوں چٹکی بجا کر تیری ساری پرابلم کو سولو کر دے گا۔'' عمار نے چٹکی بجانے کے انداز میں وہاج کو دیکھا جو پچھلے دو گھنٹوں سے مسلسل صدماتی حالت میں ہاتھ میں پکڑی اس نازک سی انگوٹھی کو دیکھے جا رہا تھا، عمار کے کہنے پر اس نے نظریں گھما کر اسے دیکھا مگر بولا کچھ نہیں۔

''یہ نظروں کے تیر مجھ پر مت چلاؤ اور مجھے گھورنا بند کرو۔''

''اور تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہے ہو جیسے کہ یہ سب تمہارے ساتھ پہلی بار ہوا۔'' وہ پھر سے بولا، تو جواباً وہاج نے قدرے افسردگی سے کہا۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو واقعی یہ کوئی نئی بات تھوڑی ہے ایک تو میری یہ قسمت ہمیشہ سے ہی میرے خلاف رہی ہے جب بھی مجھے کوئی لڑکی اچھی لگتی ہے یا تو اس کی شادی کہیں اور ہو جاتی ہے یا پھر اس کا کوئی پرانا افیئر نکل آتا ہے پتا ہے تجھے آج میں شزا کو پرپوز کرنے گیا تھا، مگر پتہ بھی جانے کہاں سے اس کا پچھلا بوائے فرینڈ منہ اٹھا کر آ گیا اور وہ مجھے سوری کہہ کر اس کے ساتھ چلی گئی، ایک تو مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے، کیا میری قسمت میں محبت نہیں لکھی۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے اپنی قسمت کو ہر بار کی طرح دوش دیئے جا رہا تھا، کہ عمار نے ٹوک کر کہا۔

''تجھ جیسا بندہ صرف فلرٹ کر سکتا ہے، محبت نہیں، اس لئے محبت کو تو تم رہنے ہی دو۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرے دوست یہ کیسی محبت کا بخار ہے جو اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا اور

تجھے کوئی احساس بھی ہے کہ تو کر کیا رہا ہے، پچھلے تین سالوں سے اس ایک لڑکی کو بھلانے کے لئے اور کتنی لڑکیوں کے دل ان کے جذبات، ان کے احساسات سے کھیلے گا اور ویسے بھی جن محترمہ کے لئے تو اپنی جان کو عشق کا روگ لگائے بیٹھا ہے نا، اسے تو اس بات کی خبر بھی نہیں ہوگی کہ کوئی وہاج نامی مجنوں اس کے عشق میں گرفتار ہوا بیٹھا ہے۔'' عمار نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

''دیکھو عمار تو اچھی طرح جانتا ہے کہ مجھے کسی کے جذبات کے ساتھ کھیلنے کا کوئی شوق نہیں ہے، لیکن یار میں کیا کروں ہر گزرتی لڑکی کو دیکھ کر اسی کا گمان ہونے لگتا ہے۔''

''جی ہاں ایسے ہی کچھ وہم گمان تو تمہیں میری کزن فزا کو دیکھ کر بھی ہوئے تھے۔'' اس نے شرم دلانا چاہی۔

مگر وہاج بھی کہاں شرمندہ ہونے والوں میں سے تھا۔

''اچھا تو نے کون سا میری حالت پر رحم کھایا تھا بلکہ اس کی شادی اپنے خالہ زاد سے کروا دی تھی۔'' وہ بھی ڈھٹائی سے بولا۔

''بس کر رہنے دے دلی حالت۔'' اس نے سر جھٹکا کر طنزیہ انداز میں بولا۔

''اگر تو واقعی ہی میں سچا ہوتا تو مجھے بے حد خوشی ہوتی لیکن کمینے یاد ہے تجھے کیسے اس کی بارات والے دن اس کی سب سے قریبی دوست حمیرا کو دیکھ کر اس پر لٹو ہوا تھا۔'' وہاج نے ٹوک کر کہا تھا۔

''ہاں وہ تو اس کے بات کرنے کا انداز اور اس کی سمائل بالکل ویسی لگی تھی مجھے۔'' وہاج کی اس عادت سے تو عمار اچھی طرح واقف تھا ہی اس کے کبھی کسی کی آنکھیں اس جیسی لگتی، تو کبھی کسی کی ناک، کسی کے بال تو کسی کا انداز گفتگو، اس کے پاس ہر بار کوئی نہ کوئی نیا جواز تیار ہوتا، اور کم از کم عمار اس معاملے میں تو اس سے نہیں جیت سکتا تھا، پر وہ جانتا تھا کہ وہاج یہ سب واقعی اشعرہ کو بھلانے کے لئے کر رہا ہے، مگر وہ لڑکی بھی نا جانے کہاں گم ہوگئی تھی، کاش کہ وہ لڑکی کہیں اچانک سے اس کے سامنے آ جائے، اور وہاج کے بے چین دل کو قرار آ جائے، عمار نے ساتھ بیٹھے اپنے وجیہ سے چہرے والے دوست کو دیکھتے ہوئے دل سے دعا کی تھی، کیونکہ اشعرہ کے لئے اس کی محبت اس کے جذبوں کا وہ عینی شاہد تھا، اس لئے مزید بحث کا ارادہ ترک کرتے ہوئے بولا۔

''اچھا آج شام رمشا کی مہندی ہے اور ہمیں وہاں جانا ہے یاد ہے نا تجھے۔'' اس نے یاد دلانے کے انداز میں کہا تو وہاج نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

اس وقت وہ شہر کے مشہور ترین میرج ہال میں عمار کے ساتھ موجود تھا، اور اپنی قریبی دوست رمشا کی رسم حنا میں شرکت کے لئے آیا تھا مگر مسلسل بے زاری کا اظہار کر رہا تھا۔

''بہت آدم بے زاد ہو گئے ہو تم وہاج، تھوڑا سا انسانوں میں رہ کر ان سے جینے کا ہنر سیکھو اور پھر ایسی سماجی تقریبات میں تو شرکت کرنی ہی پڑتی ہے یار۔'' عمار نے اس کے بیزار سے چہرے کو دیکھتے ہوئے اسے سمجھانا چاہا پر وہ بھی خاموش رہا لیکن چہرے پر اب بھی بے زار کن تاثرات تھے۔

''ویسے اگر تم ناراض نہ ہو تو ایک مفت میں مشورہ دوں۔'' اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے مخاطب کیا، وہاج نے سوالیہ نظریں اس پر گاڑ دیں۔

''آج کی تقریب میں اتنی ڈھیر ساری لڑکیاں ہیں غور کرنے پر ہوسکتا ہے تمہیں بھی کوئی پسند آ ہی جائے اور اب تو ماشاء اللہ سے تم برسر روزگار بھی ہو گئے ہو تو اپنی خوشی کے لئے نہ سہی گھر والوں کی خوشی کا احساس ان کا ہی خیال کر لو'' اس نے وارننگ دینے والے انداز میں باور کرایا، تو وہاج نے اسے ذرا خفگی سے دیکھا تھا، پھر کوئی شناسا صورت نظر آنے پر عمار مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا عمار کا بھی کوئی جواب نہیں کہتا ہے ان لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی ڈھونڈ لوں اس کے جانے کے بعد وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا، ان لڑکیوں میں سے کسی ماڈل گرل کا تو انتخاب ہو سکتا تھا مگر لائف پارٹنر کا نہیں اسے سوچتے ہوئے سرسری سی نگاہ لڑکیوں کے ایک گروپ پر ڈالی تھی۔

خاور انکل کی فیملی اچھی خاصی ماڈرن اور آزاد خیال تھی، برائے نام آستینوں والے ڈیزائنر ملبوسات پہنے کیک پیسٹری بنی وہ لڑکیاں ادھر سے ادھر اپنے حسن کی بجلیاں گراتی پھر رہی تھیں اور کچھ وہ تھیں جو اپنے حسن کو اپنے سیل فون کے کیمرے میں قید کرنے کی کوشش میں مصروف تھیں وہاج کوفت اور بے زاری سے ان سب کی حرکتیں دیکھنے میں مشغول تھا کہ نگاہ بھٹک کر دوسری جانب چلی گئی، جہاں زرتار دوپٹے کی چھاؤں میں رمشا سج سج کر قدم اٹھاتی اسٹیج کی طرف بڑھ رہی تھی اس کے ساتھ چلتی ہوئی ہستی کو دیکھ کر وہ ایک پل کو ٹھٹکا تھا اور نہ جانے کیوں بے ساختہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ سی بکھر گئی تھی، کیا وہ سچ میں وہاں پر تھی یا پھر سے اس کا وہم تھا وہ اسٹیج کے قریب ہی کھڑا تھا کہ وہ رمشا کو بیٹھانے کے بعد مسکراتی ہوئی اس کے پاس سے گزری تھی اور وہ اسی خوشگوار سے احساس میں گھرا ابھی یہی سوچ رہا تھا۔

''ارے وہاج تو نے دیکھا، وہ اشعرہ۔'' عمار نے بے یقینی اور حواس باختہ سے انداز میں بولتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''لگتا ہے تمہیں بھی میری طرح وہم ہو گیا ہے، اشعرہ اور یہاں۔'' وہاج نے تھکے ہوئے انداز میں کہا مگر نظریں اسی سمت جمی تھیں جہاں وہ تھوڑی دیر پہلے گئی تھی اور وہاج کے اس طرح کہنے پر وہ احتجاجاً بولا۔

''ارے نہیں یار مجھے کوئی وہم نہیں ہوا وہ سچ میں اشعرہ ہی تھی مگر یہ یہاں کیسے۔'' وہ اب اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

''کیا؟'' وہاج نے چونک کر اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

''مطلب یہ میرا وہم نہیں ہے۔''

''آف کورس ناٹ۔''

''عمار عمار وہ واپس آ گئی یار۔'' وہاج فلمی انداز میں بولتے ہوئے بے ساختہ اس کے گلے لگ گیا اور عمار کو وہ اس وقت کسی چھوٹے بچے کی طرح ہی لگ رہا تھا جیسے کھلونا ٹوٹنے کے بعد اسے بالکل ویسا ہی نیا کھلونا لا کر دو تو وہ خوش ہوتا ہے وہاج بھی اس گھڑی اتنا ہی خوش ہوا تھا۔

''ابے پیچھے ہٹ اتنے سارے لوگ آئے ہیں پتا نہیں کیا سوچیں گے۔'' عمار نے آس پاس لوگوں کی اپنی طرف توجہ پا کر جھنجھلا کر اسے خود سے الگ کیا۔

''اچھا اب زیادہ اوور ایکٹنگ کی ضرورت نہیں ہے تو یہی رک میں آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر جانے لگا۔

''کہاں جا رہے ہو تم۔'' وہاج کے پوچھنے پر وہ پلٹ کر اسے دیکھتے بولا۔

''ذرا ان محترمہ کے بارے میں پتا تو

کرواؤں کہیں میرڈ و یرڈ تو نہیں ہیں۔'' وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

پیچھے کھڑے وہاج کا دل تو خوشی کے مارے بھنگڑا ڈالنے کو کر رہا تھا آخر کار اس کے تین سال کے انتظار کے بعد وہ اسے مل ہی گئی تھی، وہ جو گھر سے نہایت بے دلی کے ساتھ آیا تھا اسے کیا معلوم تھا کہ جس قسمت کو ہر وقت اپنا دشمن اور موردالزام ٹھہراتا ہے آج وہی قسمت اسے زندگی کا سب سے بڑا سرپرائز دینے والی ہے اور شعیرہ کو اچانک وہاں دیکھ کر واقعی ہی میں اسے چار سو چالیس واٹ کا کرنٹ لگا تھا، وہ خوشی سے سرشار تھا۔

''کہتے ہیں نا اگر جذبے سچے ہوں اور محبت میں اتنی شدت تڑپ ہو تو خدا بھی کوئی راستہ کوئی نہ کوئی سبیل نکال ہی دیتا ہے اور کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اگر تم کسی کو چاہو تو یہ مت سوچو کہ وہ تمہیں ملے گا یا نہیں بلکہ اسے اتنی شدت سے چاہو کہ خدا خود اسے تمہاری قسمت میں لکھ دے جیسے اس نے اشعرہ کو وہاج سے ملا دیا۔''

وہ سارا وقت بے حد خوش تھا اور کن اکھیوں سے اسے دیکھتا رہا مہندی کی رسم کے بعد عمار نے اسے واپسی پر بتایا کہ وہ سنگل ہے اور سی اے کی ڈگری لینے کے لئے وہ اسکالرشپ پر لندن چلی گئی تھی گھر میں ماں باپ ہیں اور تین بہن بھائی ہیں بڑی بہن اور بھائی شادی شدہ ہیں اور یہ سب سے چھوٹی ہے اور گھر والے اس کے لئے اچھا نیک اور شریف بر ڈھونڈ رہے ہیں عمار نے جو تفصیلات اسے بتائی تھیں وہ سب جان لینے کے بعد اب وہ ایک پل کی بھی تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے گھر جا کر اس نے سب سے کہا وہ اشعرہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کی بات سن کر والد صاحب نے تو کوئی خاص اعتراض نہیں کیا، البتہ ماں بہنیں ناراض بھی ہوئیں لیکن وہ کسی کی ناراضگی کو خاطر میں لائے بغیر اپنی بات پر اڑا رہا اور آخر کار انہیں منا کر ہی دم لیا، یوں وہ لوگ وہاج کا پرپوزل لے کر ان کے گھر چلے گئے، وہاج پڑھا لکھا خوبرو ڈیشنگ لڑکا تھا اور سب سے بڑی بات کہ وہ بہت بڑی کمپنی میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھا، تو اشعرہ کے والدین نے چند ضروری تحفظات کے بعد رشتے کی حامی بھر لی تھی اور پھر جھٹ منگنی پٹ بیاہ والے معاملے کے بعد میکے کی دہلیز پار کر کے اشعرہ نے پیا دیس میں قدم رکھا۔

☆☆☆

اشعرہ کو تو لگتا تھا جیسے کہ یہ دنیا یہ زندگی تو کوئی اور ہے، زندگی اس پر ایک نئے روپ میں وارد ہو رہی تھی، وہ کتنا بھی حیران ہوتی کم تھا اور جتنا خوش ہوتی بہت تھوڑا، اسے اپنی خوش بختی پر رشک آ رہا تھا اتنی محبتیں، اتنی چاہت، اتنی اہمیت کبھی کبھی وہ اس کی سنگت میں محبت اور خوشی سے سرشار ہو کر چٹخارا سا بھرتی۔

''واہ یہ محبت بھی کیا کمال کی چیز ہے۔'' تو وہ اس پر نثار ہو جاتا اسے بانہوں میں بھر کر گھما ڈالتا اور وہ کھلکھلائے چلی جاتی، ہر گزرتے دن کے ساتھ وہاج کی محبت میں وارفتگی بڑھتی جا رہی تھی، اس نے سب سے ٹکر لے کر ذات برادری سے باہر شادی کی تھی۔

وہاج کے والد صاحب ایک سرکاری دفتر میں اچھی پوسٹ پر تھے اور اب ریٹائرمنٹ کے بعد وہ گھر پر ہی ہوتے اور انہوں نے رشتے کے حوالے سے کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا مگر نسرین بیگم نہ صرف برادری سے باہر رشتہ کرنے کے خلاف تھیں بلکہ شادی کے لئے بھی مشکل سے راضی ہوئی تھیں، وہاج تین بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا بڑی دونوں بہنیں شادی شدہ تھیں اور سب

سے چھوٹی نمرہ فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ تھی وہاج نے کبھی بھی اشعرہ کو اپنی ذات کے لئے پابند نہیں کیا تھا، کہا تھا تو بس اتنا کہ میری امی کا خیال رکھنا ان کا کہا ماننا، وہ ہم سے ابھی تھوڑی خفا ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ٹھیک ہو جائیں گی بس تم انہیں راضی رکھنا، انہیں کبھی بھی شکایت کا موقع مت دینا اور اشعرہ نے بھی وہاج کی یہ بات اپنے پلو سے باندھ لی وہ ویسے بھی مل جل کر رہنے والی محبت سے گندھی ہوئی بڑی احساس پسند لڑکی تھی۔

☆☆☆

کافی وقت لگا ہمیں آپ تک آنے میں
کافی فریاد کی خدا سے آپ کو پانے میں
یوں ہمیں بھول مت جانا اے جان
ہم نے تو عمر لگا دی آپ کی محبت پانے میں

''سویٹ ہارٹ کبھی دو گھڑی میرے پاس بھی رک جایا کرو۔'' وہ کسی کام کے چکر میں کمرے میں آئی تھی جب وہاج کی گرفت میں آ گئی، وہ ہر لمحے ہر وقت کسی نہ کسی موقع کی تلاش میں ہوتا اس کی قربتوں کا مارا ہمیشہ اس کے آس پاس منڈلاتا رہتا۔

''اف او وہاج کیا کر رہے ہو چھوڑو باہر رائمہ آپی اپنی نند اور بچوں کے ساتھ آئی ہیں۔'' اشعرہ نے گھبرا کر کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔

''یہ زیادتی ہے تمہیں سب کا خیال ہے سب کے لئے تمہارے پاس وقت ہوتا ہے لیکن میرے لئے نہیں، تم اس گھر میں میرے لئے آئی ہو، اس لئے سب سے پہلے اس معصوم سے شوہر کا خیال رکھنا بھی میری جان آپ کی اولین ذمہ داری ہے۔'' وہاج نے اتنی معصومیت سے کہا کہ اشعرہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی اور وہ اسے دیوانہ وار دیکھتا رہ گیا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' اشعرہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''پتا ہے تمہاری مسکراہٹ بہت پیاری ہے جب ہنستی ہو تو ایسے لگتا ہے جیسے خزاں میں ایک ساتھ ڈھیروں رنگ بکھر گئے ہوں ہر طرف رنگ برنگے پھول کھل اٹھے ہوں یا جیسے دو پہاڑوں کے درمیان شفاف پانی گر رہا ہو۔'' اس نے مخمور سے لہجے میں کہا تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی خود پگھلنے لگی تھی، اس سے پہلے کہ جذبات مزید بھٹکتے یا وہ کوئی نئی فرمائش کرتا رائمہ، اشعرہ کو آواز دیتی ہوئی انہی کی طرف آ رہی تھی، تو وہاج نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چونک کر گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

☆☆☆

اور پھر چند روز بعد اشعرہ نے جب گھر کے کام کاج میں دلچسپی دکھائی تو ساس صاحبہ نے ایک ایک کر کے دونوں ماسیوں کی چھٹی کر دی یوں سارے گھر کی ذمہ داری اس کے نازک کندھوں پر آ گئی تھی، وہ بنا منہ بنائے ماتھے پر بل ڈالے سب کام کرتی تھی، وہ جتنا بھی نسرین بیگم کا خیال رکھتی انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی اس سے خفا اور بے زار نظر آتیں حالانکہ وہ ان کے پہلے حکم پر ہی اپنے سب کام چھوڑ کر حاضر ہو جاتی لیکن پھر بھی ان کی ناراضگی جوں کی توں ہی رہتی، اشعرہ کو لگتا تھا کہ وہ باہر سے ناریل کی طرح سخت ضرور ہیں لیکن اندر سے اتنی ہی نرم دل کبھی کبھی ان کا رویہ خود بخود نرم ماؤں جیسا ہو جاتا تو کبھی انتہائی سخت آہتک آمیز ایسا خاص کر تب ہوتا جب اس کی دونوں نندیں گھر آتی اور نا جانے کیا کیا الٹی سیدھی پٹیاں پڑھا کے جاتی کہ وہ ایکدم سے اپنی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیتی اور بہو کے لئے ان کی طرف سے لعن طعن میں مزید

اسے اندر ہی اندر بری طرح سے کھائے جا رہی تھی، مگر سامنے کھڑا وہاج اس کی دلی و دماغی کیفیت سمجھنے کی بجائے اشعرہ کی کہی باتوں کا الٹ مطلب نکال کر سلگ اٹھا تھا، اپنی ماں کے بارے میں یہ الفاظ اشعرہ کے منہ سے سن کر اس کا ضبط جواب دے گیا تھا اور وہ بول اٹھا۔

''تمہاری امی سے کیا مراد ہے وہ تمہاری بھی کچھ لگتی ہیں۔'' وہ اسے جتانے والے انداز میں بولا، اشعرہ نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

مگر وہاج نے موقع کب دیا تھا، وہ تو بس اپنی ہی کہے جا رہا تھا۔

''دنیا کی سب عورتیں گھر کے کام کرتیں ہیں گھر چلاتی ہیں اور اگر تم بھی گھر کے کام کرتی ہو تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے اور رہا سوال میری ماں اور بہنوں کا تو وہ زبردستی تم سے کام نہیں کرواتی، تمہیں ہی سربراہ بننے کا شوق ہے، تو اس میں ان کا کیا قصور ہے، میرا دوست رضا اس کی بیوی گھر بچوں کے ساتھ ساتھ جاب بھی کرتی ہے لیکن پھر بھی اتنی ٹف روٹین میں اپنے لئے وقت نکال لیتی ہے، ایک تم ہو گھر کے کاموں کو خود پر بوجھ سمجھتی ہو اور تمہاری اس حالت کا ذمہ دار کوئی اور نہیں بلکہ تم خود ہو، تم نے جان بوجھ کر خود کو ان سب کاموں میں الجھا کر رکھا ہے، نہ تو تمہارے پاس اپنے لئے وقت ہوتا ہے اور نہ ہی میرے اور ریان کے لئے۔''

اس سے قبل کہ اشعرہ کوئی جواب دیتی وہاج کے اس طرح چلانے سے پاس سویا ریان بھی ڈر کر اٹھ گیا تھا اور زور زور سے رونے لگا تو وہ اسے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی، اور کمرے میں کھڑا وہاج غصے کے مارے ہاتھ ڈریسنگ کے سامنے پڑی چیزوں کو دے مارا تھا۔

لاؤنج میں صوفے پر گود میں ریان کو لے کر وہ کتنی ہی دیر بے آواز روتی رہی تھی، شاید اتنا درد تو چوٹ لگنے پر اسے نہ ہوا تھا، جتنا آج وہاج کے رویے اس کی بے رخی دیکھ کر ہوا تھا اسے اپنی قسمت پر رونا آ رہا تھا۔

''کاش وہاج تم نے مجھ سے اتنی محبت نہ کی ہوتی کیا یہی تھی تمہاری محبت پیار کے دعوے کیے تھے تم نے زندگی بھر ساتھ دینے اور ہر آزمائش میں ساتھ نبھانے کا وعدہ کیا تھا، پھر کیوں اتنی جلدی بدل گئے تم، تمہاری محبت اتنی کمزور کیسے ہو گئی کاش تم جان پاتے کہ میں تم سے کتنی محبت کرتی ہوں۔'' وہ اب ساکت سی بیٹھی چھت کو دیکھ رہی تھی، مگر اس کا دماغ دور کہیں خلاؤں میں گم گہری سوچ میں الجھا ہوا تھا اور روتے ہوئے اس کے دماغ کے پردے پر سالوں پہلے پڑھے ہوئے افسانے کی چند سطریں نمودار ہوئیں تھیں۔

''مرد کی محبت تو بہار کے موسم جیسی ہوتی ہے، چند دنوں میں کھلے گلابوں کی خوش گمانیاں نکھرتی کلیوں جیسے خواب سدا بہار کے پودے کی طرح یہ مرد آنکھوں میں اتار دیتے ہیں اور پھر بہار کے جاتے ہی کبھی سردی کی طرح موڈ بھی سرد ہو جاتا ہے اور گرمی کی طرح موڈ بھی گرم اور باقی زندگی میں خزاں ٹھہر جاتی ہے بہار کا موسم تو کہیں شروع میں ہی روٹھ جاتا ہے، ان کی محبتیں تو رات کے کسی پہر میں برستی ہیں، جب انہیں مطلب ہو اور عورت اس وقت صرف نیند کی میٹھی آغوش کی تلاش میں ہوتی ہے۔'' اس لمحے اسے مصنفہ کے لکھے گئے الفاظ سچ ہی لگ رہے تھے، اس نے کچھ سوچتے ہوئے بڑی رحمی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر صاف کیں۔

☆☆☆

صبح جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو کمرہ اس کے وجود سے یکساں خالی تھا اور اسے کمرے میں

نہ پا کر وہ یہی سمجھا تھا کہ وہ نیچے کچن میں جا چکی ہے، اس لئے سر جھٹک کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر چھوٹی سی الارم والی کلاک پر وقت دیکھا جہاں صبح کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے، رات والی بات تو اس کے دماغ سے نکل چکی تھی کچھ دیر کسلمندی سے پڑے رہنے کے بعد وہ تیار ہو کر سیدھا نیچے آیا تھا۔

''السلام علیکم۔'' ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگاتی نسرین بیگم کو دیکھ کر اس نے کہا تھا مگر وہ کسی قدر حیران بھی تھا۔

''وعلیکم السلام، آ گئے بیٹا اشعرہ کہاں ہے۔'' نسرین بیگم کے پوچھنے پر وہ تھوڑا خفیف سا ہو کر بولا۔

''مجھے کیا پتا یہی کہیں ہو گی۔''

''کیا مطلب اور اگر یہی کہیں ہوتی تو میں تم سے کیوں پوچھتی۔''

''اور یہ کل رات تمہارے کمرے سے اتنی آوازیں کیوں آ رہی تھیں، سچ سچ بتاؤ تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے وہاج، میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں بتاؤ مجھے اشعرہ کہاں ہے۔''

''وہ اپنے میکے چلی گئی ہے۔'' نسرین بیگم کے سوال کرنے پر جواب عتیق الرحمٰن صاحب کی طرف سے آیا تھا، دونوں ماں بیٹا ایک ساتھ چونکے تھے۔

''کیا آپ کو کس نے بتایا۔'' نسرین بیگم ان کی طرف مڑی۔

''وہ میں صبح جب واک کرنے کے لئے جا رہا تھا تو گیٹ پر چوکیدار نے بتایا کہ اشعرہ ریان کے ساتھ صبح کہیں چلی گئی، پھر میں نے اس کے گھر فون کیا تو اس کے والد صاحب نے بتایا کہ اشعرہ وہی پر ہے۔'' عتیق الرحمٰن صاحب نے مزید بتایا۔

''کیا؟'' وہاج یہ سن کر چونکا تھا، مگر اسے مزید غصہ آ رہا تھا، بھلا اتنی سی بات پر بھی کوئی گھر چھوڑ کر جاتا ہے کیا وہ اندر ہی اندر سوچ کر رہ گیا۔

''ذرا اپنے بیٹے سے پوچھئے نسرین بیگم صاحبزادے نے کچھ تو ایسا کہا ہو گا کچھ تو کیا ہو گا، ایسے تھوڑی وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔'' عتیق الرحمٰن صاحب نے نسرین بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اشعرہ ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر چلی گئی اور تمہیں خبر ہی نہیں۔'' نسرین بیگم کے کہنے کی دیر تھی کہ وہ بھی سامنے سے پھٹ پڑا۔

''آپ تو ایسے کہہ رہی ہیں جیسے وہ مجھے بتا کر گئی ہو، یا پھر میں نے اسے گھر چھوڑ کر جانے کے لئے کہا ہو، وہ خود اپنی مرضی سے گئی ہے تو ٹھیک ہے وہی پر رہے مگر اب میں اسے لینے کے لئے ہرگز نہیں جاؤں گا۔''

''شاباش بیٹا شاباش، یہ وہی لڑکی ہے جس پر تم مر مٹنے کو تیار تھے، اسے گھر میں لانے کے لئے ہم سب کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے، یہ کہہ کر کہ تم محبت کرتے ہو اس سے، کیا بس یہی تھی تمہاری محبت اتر گیا محبت کا نشہ، وہ بیوی ہے تمہاری اور تم میں کوئی احساس ذمہ داری ہے یا نہیں، ایک تو وہ سارا دن گھر کے کام کرتی ہے اور پھر ساری رات ریان کے ساتھ جاگ کر اسے سنبھالتی ہے، اس سب کے باوجود بھی تم اس سے خفا ہو اسے الزام دے رہو، تمہیں کسی چیز کی پرواہ ہے کہ نہیں، ارے میں پوچھتی ہوں کہ کون سی ذمہ داری نبھائی ہے تم نے کون سے فرض ادا کیے ہیں تم نے، کہاں تو تمہارے عشق و عاشقی کے چونچلے ختم نہیں ہوتے تھے اور اب تو تم اس کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں ہو، تمہیں کوئی

احساس بھی ہے کہ کیا حرکت کی ہے تم نے۔'' وہ اپنی ماں کے بدلے رویے کو دیکھ کر حیران تھا، جو ہمیشہ اشعرہ سے نالاں رہتی تھیں، آج اس کی وجہ سے اپنے لاڈلے بیٹے کی اچھی خاصی کلاس لے رہی تھیں وہ حیرت سے منہ کھولے اس کا یا پلٹ پر حیران تھا تو کیا اشعرہ کی محبت اس کی خدمت نے ان کا دل پسیج دیا تھا اور ان کے اندر کی نرم نسرین بیگم کو جگا دیا تھا۔

''میں مانتی ہوں کہ کچھ غلطیاں کچھ سے زیادتیاں مجھ سے بھی ہوئی ہیں لیکن باخدا میں نے یہ کبھی نہیں چاہا کہ وہ گھر چھوڑ کر چلی جائے، لیکن وہاج جو حرکت تم نے کی ہے، اسے اب تم خود ہی سدھارو گے۔'' وہ کہتی ہوئی وہاں سے چل دی۔

پیچھے کھڑے عتیق صاحب نے بیٹے کو ملامتی نظروں سے دیکھا تھا جو شرمندگی کے مارے گردن جھکا گیا۔

نسرین بیگم کا یہ رویہ اس لئے تھا، کیونکہ کل رات جب وہاج اور اشعرہ آپس میں بول رہے تھے، تو نسرین بیگم سے رہا نہ گیا، وہ جانے کے لئے اٹھی تھی، مگر عتیق صاحب نے روک لیا یہ کہہ کر کے۔

''آج یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے نا اس کی وجہ اس کی ذمہ دار آپ ہیں، نسرین بیگم میں نے کتنی بار آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ شعیرہ پر اتنی سختی نہ کریں وہ بھی کسی کی بیٹی ہے، لیکن آپ نے کبھی بھی میری بات پر غور نہیں کیا اب نتیجہ آپ کے سامنے ہے، آپ کو تو شکر کرنا چاہیے نسرین بیگم جو ہمیں اشعرہ جیسی محبت کرنے والی، نیک دل لڑکی بہو کی صورت میں ملی ہے، ورنہ تو آج کل کی لڑکیاں شادی کے چند دن بعد ہی شوہر کو لے کر الگ ہو جاتی ہیں اور اگر اشعرہ بھی وہاج کو لے کر الگ گھر میں شفٹ ہو جاتی تو کیا کر لیتی آپ کچھ بھی نہیں، اس لئے آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں، آپ اپنا رویہ اشعرہ کے ساتھ ٹھیک کر لیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت دیر ہو جائے اور بعد میں صرف پچھتاوئے کے سوا کچھ نہ رہے۔'' انہوں نے اپنی طرف سے آخری کوشش آخری تیر اندھیرے میں چلایا تھا، جو ٹھیک نشانے پر جا لگا تھا، وہ سمجھ گئیں تھیں، انہیں احساس ہو گیا تھا کہ وہ غلطی پر ہیں۔

وہ رات کو دل میں یہ طے کر کے سوئی تھیں کہ اپنی اس غلطی کو ضرور سدھاریں گی تاکہ آگے چل کر مزید کچھ بھی غلط نہ ہو، پر انہیں اندازہ نہیں تھا، کہ بات اتنی بڑھ جائے گی اور اشعرہ کسی کو بھی بتائے بغیر یوں گھر چھوڑ کر چلی جائے گی، کل رات کو ذرا سی بھی انہیں بھنک پڑ جاتی تو وہ اسی وقت جا کر اشعرہ کے ساتھ اپنے کیے گئے سلوک اپنے غلط رویوں کی تلافی کر لیتی، تو یہ نوبت نہ آتی، مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

☆☆☆

اشعرہ کو میکے میں آئے ہوئے بھی ہفتہ ہونے والا تھا اور ان گزرے دنوں میں وہاج نے ایک بار بھی اسے کال نہیں کی تھی اور نہ ہی اس نے خود سے کال کرنے کی زحمت گوارا کی تھی۔

''ایک ہفتہ ہونے کو آ رہا ہے مجال ہے جو وہاج نے آ کر پوچھا ہو، امی میں کہہ رہی ہوں ذرا اپنی لاڈلی سے پوچھیں تو سہی کہ کیا ناراضگی چل رہی ہے۔'' صدف باجی نے طنزیہ لہجے میں ساجدہ بیگم کی توجہ اس کی طرف مبذول کروائی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے، وہ میں نے خود ہی وہاج کو کہا تھا کہ میں یہاں کچھ دن رکوں گی، اتنی جلدی مجھے لینے مت آیئے گا اور تمہیں تو معلوم ہے آپی وہاج مجھے میکے میں کتنا کم رہنے

دیتے ہیں اور پہلے آپ سب لوگ ہی اعتراض کرتے تھے کہ میں آپ کے پاس رہتی نہیں ہوں اور اب بھی آپ کو مسئلہ ہے۔'' اشعرہ ماں کی نظروں کو محسوس کر کے گڑبڑائی۔

''ٹرسٹ می امی میں ان کی مرضی سے آئی ہوں، کوئی ناراضگی نہیں ہے ہمارے بیچ۔'' اس نے ماں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے نرمی سے کہا۔

وہ بھی صدف تھی، اتنی آسانی سے مطمئن ہو جانا اس کی شان کے خلاف تھا۔

''چلو مان لیا کہ ناراضگی نہیں ہے، لیکن ایسی بھی کیا مصروفیات اور بندہ آفس سے آتے جاتے چکر ہی لگا لیتا ہے اور دو دن تو اب مجھے بھی ہو گئے ہیں میکے میں آئے ہوئے، میں نے تو نہیں دیکھا کہ تم اسے کال کی ہو یا وہاں سے کوئی فون آیا ہو۔'' صدف باجی بھی اسے مسلسل زچ کیے جا رہی تھیں۔

تبھی ثانیہ (اس کی بھابھی) تین سالہ رابی کو گود میں لیے چلی آئی جو مسلسل بلک بلک کر روئے جا رہی تھی۔

''ارے صدف آپی اشعرہ کو چھوڑ ذرا اپنے بچوں کی خبر لیں۔'' وہ رابی کو ان کی گود میں دیتے ہوئے بولی، تو اشعرہ نے سکون کا سانس لیا۔

''اسے کیا ہوا۔'' وہ فوراً بچے کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''ہونا کیا ہے بار بار سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں گر گئی ہے۔'' ثانیہ نے بتایا اور اشعرہ دل ہی دل میں شکر کیا تھا کہ اب کم از کم موضوع گفتگو تو بدلا، اسے اپنے اوپر بھی غصہ آ رہا تھا اور وہاج پر بھی، اسے لگ رہا تھا جیسے وہ تو اسے بھول ہی گیا ہے، ایک بے چینی سی تھی، جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔

وہ یہی تو چاہتی تھی کہ وہ آزادی کے ساتھ رہے، کوئی زور زبردستی نہ ہو، اب جبکہ سب کچھ ہی اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا تب بھی اسے سکون نہیں تھا، اس کے بغیر جیسے زندگی سے سارے رنگ اڑ گئے تھے، عجیب بے زار سی طبیعت ہو رہی تھی اسے کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا، وہ افسردہ سی وہاں سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

گھر پر وہاج کو سب کو اپنے ساتھ اس کا رویہ کچھ لیا دیا سا اور کھنچا کھنچا سا لگ رہا تھا، بابا کی طبیعت آج کل کچھ خراب رہنے لگی تھی، نمرہ اپنے ایگزامز سے فارغ ہو چکی تھی وہ ان سب کی خاموشی کو محسوس کر رہا تھا، کچھ اس کا اپنا دل بھی عجیب سی بے چینی اداسی کا شکار ہو رہا تھا، وہ اپنا یہی دکھ شیئر کرنے کے لئے رضا کی طرف گیا تھا، مگر گھر کے باہر لگا تالا دیکھ کر کافی مایوس ہوا اور سر جھٹک کر واپسی کے لئے پلٹا تو سیڑھیاں اترتے ہوئے اس کی ملاقات راشد احمد سے ہوئی وہ بھی رضا کی طرح اس کا آفس کولیگ تھا اور رضا کے سامنے والے فلیٹ میں رہتا تھا، وہاج، رضا سے ملنے تو کبھی کبھار آ جاتا تھا مگر راشد کے اتنے اصرار کرنے پر بھی وہ ایک بار بھی اسے ملنے گھر پر نہیں آیا تھا۔

''کیسے ہو وہاج؟ رضا سے ملنے آئے تھے۔'' راشد وہاج سے ہاتھ ملاتے ہوئے گویا ہوا۔

''ہاں یار بس کچھ ضروری کام تھا، مگر اس کے فلیٹ پر تو تالا لگا ہوا ہے۔'' اس نے وضاحت دی۔

''ہاں وہ دراصل رضا تو اسلام آباد گیا ہوا ہے اسے کافی دن ہو گئے ہیں وہاں گئے

ہوئے۔''

''اسلام آباد کیوں خیریت تو ہے نا۔'' وہ پریشان ہوا۔

''جی ہاں جناب خیریت ہی تو نہیں ہے، رضا صاحب کی ازدواجی زندگی خطرے میں ہے اور میں نے تو یہ بھی سنا کہ بات طلاق تک پہنچ گئی ہے۔''

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے وہ لوگ تو بہت خوش تھے، پھر اچانک یہ سب۔'' وہاج کچھ کہتے کہتے رکا تھا۔

''ارے بھائی اچانک کہاں کئی مہینوں سے دونوں کے درمیان مسلسل جھگڑے اور تلخ کلامی ہو رہی تھی اور ابھی پچھلے ہفتے دونوں کے درمیان اتنا جھگڑا ہوا کہ وہ گھر بچوں کو چھوڑ کر اپنے میکے جا بیٹھی، اب ان کی غیر موجودگی میں رضا کیسے گھر بچوں اور جاب کو مینج کر رہا تھا یہ تو بس وہی جانتا ہے، اب تم سوچ رہے ہو گے کہ مجھے یہ سب معلومات کہاں سے ملی تو میرے بھائی یہاں جتنے بھی لوگ فلیٹس میں رہتے ہیں نا سب ایک دوسرے کے حالات سے بخوبی واقف ہیں۔''

''دیکھو اب بھابھی کیا فیصلہ کرتی ہیں، رضا انہیں لینے کے لئے سسرال گیا ہے پر مجھے نہیں لگتا واپس آنے والی ہیں، کیونکہ میری وائف بتا رہی تھی کہ رضا بھابھی پر شک کرنے ساتھ ساتھ سختی بھی بہت کرتا تھا، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ اس کے ساتھ گھر کو چلانے کے لئے کتنی تگ و دو کرتی ہیں، اسے اس بات کا احساس ہی نہیں تھا، بس یار میں تو ایک ہی بات کہوں گا کہ عورت پر بلاوجہ سختی نہیں کرنی چاہیے ورنہ ہماری یہ سختی بلاوجہ کی روک ٹوک انہیں سرکشی بغاوت کی طرف لے جائے گی اور نہ ہی اتنی نرمی رکھو کہ وہ آپ کے سر چڑھ جائے، ایک عورت آپ سے صرف محبت اور عزت ہی تو چاہتی ہے، ہماری بیویاں سارا دن گھر کے کام کرتی ہیں، ہمارے بچوں کا ہمارے والدین کا اتنا خیال رکھتی ہیں اور اگر بدلے میں ہم ان کا خیال نہیں رکھیں گے ان کا احساس نہیں کریں گے تو یہ زیادتی ہوگی ان کے ساتھ اور اگر ہم ان کے ساتھ عزت اور محبت سے پیش آئے گئے تو وہ کبھی بھی آپ کے سامنے سر نہیں اٹھائے گی اور نہ ہی آپ کے کسی فیصلے کے خلاف ورزی کرینگی۔'' وہ اپنی ہی سناتا جا رہا تھا، وہاج تھکے ہارے قدموں، بوجھل دل و دماغ کے ساتھ گھر لوٹ آیا تھا، کہاں تو وہ اپنا غم دل اس سے شیئر کرنے گیا تھا، مگر وہاں جانے کے بعد راشد نے رضا کی زندگی میں آنے والے طوفان کے بارے میں جو بتایا تھا اسے سوچ کر ہی گھبراہٹ ہونے لگی تھی، وہ اپنی جگہ پر سر پکڑ کر بیٹھ گیا، خدانخواستہ اگر کل کو شعیرہ نے سے کوئی ایسا مطالبہ کر دیا، تو وہ بے چینی اور گھبراہٹ محسوس کرتا ہوا کمرے میں چکر لگانے لگا اس دن غصے میں نا جانے کیا کچھ بول گیا تھا، مگر سچ تو یہ تھا، وہ اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، جبھی کچھ سوچتے ہوئے وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔

☆☆☆

میں خوابوں کے خمار سے نکل چکی ہوں
آگے پیار کے اعتبار سے نکل چکی ہوں
پیچھے چھوڑ آئی ہوں امیدیں ساری
میں اب ہر انتظار سے نکل چکی ہوں
دل ہر خوف سے اب آزاد ہے میرا
میں ہر جیت و ہار سے نکل چکی ہوں
ہاتھ کی لکیریں بھی بے اثر ہیں اب
میں قسمت کے ہر وار سے نکل چکی ہوں
محسوس نہیں ہوتا اب کوئی درد مجھ کو
میں بھی احساس کے اس پار نکل چکی ہوں

اب زندگی کے سارے ذکر چھوڑو
میں زندگی کے حصار سے نکل چکی ہوں

آج اتنے عرصے بعد اپنی پسندیدہ غزل پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں تھیں، اور گم صم سی بیٹھی سوچ رہی تھی کہاں تو وہاج ایک دن کے لئے بھی اسے میکے میں نہیں رہنے دیتا تھا اور اب اتنے دن گزر گئے اس نے آنا تو دور ایک بار فون بھی نہیں کیا تھا، اس کے دل میں کھد بد ھ ہو رہی تھی، وہاج کی یہ خاموشی اور بے نیازی اسے بری طرح سے کھل رہی تھی، وہ دشمن جان بے طرح یاد آ رہا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ساری ناراضی کو بھلا کر خود اسے کال کر لے مگر پھر اس کی انا آڑے آ جاتی، بار بار اس کا نمبر سامنے کرتی اور بس ٹچ کرتے کرتے رک جاتی، آخر تنگ آ کر فون واپس رکھنے لگی تھی کہ وہ بجنے لگا، اس نے دیکھا ''وہاج کالنگ'' اس کا دل نئے سرے سے ڈوبنے ابھرنے لگا تھا۔

''ہیلو۔''

''میرے فون کا انتظار کر رہی تھی کیا۔''

وہاج نے پہلی بات یہی کہی تھی۔

''نہیں تو وہ بھی صاف مکر گئی۔''

''اچھا تو پہلی بیل پر کیسے اٹھالیا۔''

''وہ تو میں گیم کھیل رہی تھی تو فون میرے ہاتھ میں تھا۔''

''اب کچھ بولو بھی یا صرف آواز سننے کے لئے فون کیا تھا۔''

''نہیں تمہیں مس کر رہا تھا۔''

''اوہ ریئلی تو آج اتنے دنوں بعد یاد آ گئی میری۔'' اس کی آواز میں گلہ آیا۔

''ہاں تم تو جیسے زور مجھے فون کرتی تھی اور ابھی بھی فون میں نے کیا ہے، آپ نے نہیں۔'' وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا۔

''اچھا، پہلے جھگڑا بھی تو تم نے کیا تھا۔''

''یہ گھر چھوڑ کر بھی تو تم ہی گئی تھی۔''

''تو تم کون سا مجھے لینے کے لئے آ گئے تھے۔'' وہ اب ناراضگی جتاتے ہوئے بولی۔

''ٹھیک ہے تم تیار ہو جاؤ میں آ رہا ہوں تمہیں پک کرنے کے لئے۔''

''کیا اس وقت۔''

''ہاں میں آ رہا ہوں او کے بائے۔'' وہ کہتا ہوا رابطہ منقطع کر گیا تھا۔

☆☆☆

''ارے اشعرہ بیٹا تم آ گئیں۔'' وہ لوگ ابھی وہاج اور اشعرہ کے حوالے سے ہی بات کر رہے تھے جب اچانک سے وہاج کے ساتھ شعیرہ کو دیکھ کر وہ چونک کے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں تھیں۔

''اچھا کیا وہاج جو تم اشعرہ بیٹی کو واپس گھر لے آئے ورنہ میں اور تمہاری امی تو خود یہی سوچ رہے تھے کہ کل جا کر اپنے گھر کی رونق اپنی بیٹی کو منا کر واپس گھر لے آئیں۔'' عتیق الرحمن صاحب نے کہتے ہوئے اشعرہ کے سر پر اپنا دست شفقت رکھا تھا۔

''اشعرہ بیٹا مجھے معاف کر دو، میں نے جانے انجانے میں تمہارا بہت دل دکھایا ہے، بہت ہرٹ کیا ہے تمہیں۔''

''لیکن اب مجھے احساس ہو گیا ہے کہ میں غلط تھی، پلیز بیٹا اپنی ماں سمجھ کر ہی معاف کر دو، آئندہ ہم سب تمہارا بہت خیال رکھیں گے۔'' ان سب کی محبت توجہ پا کر اشعرہ کی آنکھیں نم ہو گئیں تھیں۔

''ارے میری جان روتی کیوں ہو۔'' نسرین بیگم نے اس کی آنکھوں میں آئے آنسو صاف کرتے ہوئے خود سے لگا لیا۔

''جی بھابھی امی بالکل صحیح کہہ رہی ہیں اور اب تو میں بھی اپنے ایگزامز سے فارغ ہو چکی ہوں، تو کچن کی ذمہ داری اب سے میری اور صرف یہی نہیں آپ کو پتا ہے امی نے دونوں کام والی ماسیوں کو بھی کہہ دیا ہے کہ وہ کل سے کام پر آ جائیں۔'' نمرہ نے بتایا۔

''اچھا اب اشعرہ بیٹا تم لوگ جا کر آرام کرو رات کافی ہو گئی ہے صبح بات کریں گے۔'' عتیق الرحمٰن صاحب نے کہا تو وہ دونوں اثبات میں سر ہلا گئے۔

وہ ریان کو سلانے کے بعد ڈریسنگ روم میں چلی گئی واپس آئی تو وہ لیپ ٹاپ پہ لگا ہوا تھا، اسے دیکھ کر لیپ ٹاپ بند کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور اس کے قریب آ کر حسب معمول اسے باہوں میں لے لیا۔

''کیا تم ابھی بھی ناراض ہو مجھ سے۔''

''کوئی اپنے آپ سے بھی ناراض ہوا ہے کبھی، انفیکٹ شرمندہ ہوں، ایم سوری وہاج مجھے تم سے ایسے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' اس کا لہجہ شرمندگی بھرا تھا۔

''نہیں یار کچھ زیادتیاں مجھ سے بھی ہوئیں ہیں اس روز غصے میں نا جانے کیا کچھ بول دیا تمہیں جو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا، پتا نہیں کیسے میرے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی، کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں اور مجھ سے دور رہنے کی کوشش کرتی ہو اور جب تم گھر چھوڑ کر گئیں تو ان گزرے دنوں میں کوئی ایک دن کوئی ایسا لمحہ نہیں گزرا، جب میں نے تمہیں یاد نہ کیا ہو، سچ تو یہ ہے کہ میں آج بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں، تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، تم آج بھی میرے سینے میں دل کی دھڑکن کی طرح دھڑکتی ہو، میری سانسوں کی ضرورت ہو تم، میرا دل میری جان، میرے جینے کی وجہ ہو تم، کیا مجھے معاف نہیں کرو گی، میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ تمہارا بہت خیال رکھوں گا، تمہاری آنکھوں میں کبھی بھی آنسو نہیں آنے دوں گا۔''

''کیونکہ میں نے یہ بات جان لی ہے محبت میں انا نہیں ہوتی، احساس ہوتا ہے محبوب کی خوشی کا اس کے سکون کا۔''

اشعرہ جو اتنے دنوں سے اپنے کیے پر پچھتا رہی تھی، اس کی غیر متوقع باتیں سن کر خوشی سے اندر تک سرشار ہو گئی تھی اور دوبارہ اس کے کندھے سے آ لگی۔

''لو یو وہاج، رئیلی لو لو۔'' وہاج نے بھی اپنا محبت بھرا حصار اس کے گرد باندھ دیا۔

''ضروری نہیں ہمیشہ زندگی ایک امتحان لیتی رہے، کبھی کبھی آزمائشیں ختم بھی ہو جایا کرتی ہیں اور اگر کوئی سچے دل سے اپنی غلطی مان لے تو اپنی انا اور عزت نفس کو ایک طرف رکھ کر اسے تسلیم کر لینا چاہیے۔'' اس نے بھی دل بڑا کر کے تمام غلطیوں کو پس پشت ڈال دیا تھا اور آنے والے وقت نے اس کی خوشیوں کو اس کے لئے خیر مقدم کہہ دیا تھا۔



پارسا

زارا انجرا



آفس کی میز پر پڑی کمپیوٹر اسکرین روشن تھی، وہ بڑے انہماک سے کوئی میل پڑھ رہا تھا جب ہی بغیر اجازت بنا دستک شہیر اندر آیا تھا۔

''ہیلو مسٹر فراڈیے۔'' شہیر نے خاص ٹون سے کہا تھا۔

''ہیلو۔'' اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر کہا اور ہاتھ سے بیٹھنے کا اشارہ کیا مگر وہ اس کے اشارے سے پہلے ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا۔

''یار بند کر اس کو۔'' شہیر نے اسے پوری طرح کمپیوٹر میں محو دیکھا تو کوفت سے کہا اور اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر رخ اس کی طرف کیا۔ اور دراز سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا، غالباً اس نے پوری میل پڑھ لی تھی۔

''سناؤ بڑے دنوں بعد درشن کرا رہے ہو۔'' اس نے ایک سگریٹ نکال کر جلایا اور باقی پیکٹ اور لائٹر شہیر کی طرف دھکیل دیا۔

''یار کیا کروں، بال بچوں والا آدمی ہوں گھر کو بھی ٹائم دینا پڑتا ہے، تمہاری طرح عیاشیاں تو نہیں کر سکتا نا۔'' اس نے بھی سگریٹ نکال کر جلا لیا۔

''بندہ ناچیز کی عیاشیوں کے دن بھی اب تو قلیل لگتے ہیں۔'' اس نے کش لگا کر کرسی کی پشت پر سر ٹکاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''آر یو شیور؟'' وہ اس کی ذو معنی بات کا مطلب فوری سمجھ گیا۔

''ہاں یار، میری اماں کو میری آزادی ہضم نہیں ہو رہی انفیکٹ وہ تو مجھے زنجیر کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔'' اس نے ایش ٹرے اپنے آگے کرتے ہوئے بتایا۔

''ہمم...... ڈیٹس گڈ مگر یہ بتاؤ وہ تمہاری پارسا کا کیا ہوا؟'' اس نے پارسا پر کافی زور دے کر پوچھا تو جواباً عالیان رزاقی کا قہقہہ بلند ہوا۔

''پارسا۔'' اس نے ہنستے ہوئے زیر لب دہرایا۔

''یار کہاں کی پارسا؟ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ اسے اپنا یہ نام دوسروں کو بتاتے ہوئے شرم کیوں نہیں آتی، بھلا کسی طوائف کو یہ نام زیب دیتا ہے۔'' وہ مسلسل خباثت سی ہنسی ہنس رہا تھا اور شہیر بھی اس کی کیفیت سے محظوظ ہو کر سر دھن رہا تھا لیکن اس کا تجسس برقرار تھا، تب ہی اس نے آنکھوں کے اشارے سے دوبارہ پوچھا تھا۔

''یار کئی دنوں سے میرا تو اس طرف چکر ہی نہیں لگا، رات گئے آفس سے فارغ ہوتا ہوں پھر سیدھا گھر ہی جاتا ہوں، تو بتا تیری میٹنگ سیٹ کرا دوں؟'' اس نے قہقہہ لگا کر شہیر کو چھیڑا۔

''او بھائی معاف کر مجھے، میری بیگم کل ہی مجھے طلاق دے دے گی۔'' اس نے جواباً شرارت سے کہا تو دونوں نے یکبار قہقہہ بلند کیا۔

☆☆☆

وہ دونوں کافی پرانے دوست تھے سو آپس میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں تھی، ہمراز اور ہم خیال تھے، ایک دفعہ سڑک کے کنارے کھڑی ایک لڑکی نے ہاتھ کے اشارے سے ان کی گاڑی روکی تھی، وہ دونوں ایک لڑکی کی اس جرأت پر حق دق رہ گئے تھے، لیکن کیونکہ دونوں ہی حسن پرست تھے اس لئے اس حسینہ نازنین کے جلوہ حسن کو قریب سے دیکھنے کا اشتیاق حد سے سوا ہوا اور ویسے بھی اس نے خود لفٹ مانگی تھی تو انکار کیسا۔

جب وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر براجمان ہو چکی تب انہیں اس کے لباس و انداز دونوں ہی عام لڑکیوں سے مختلف لگے اور پھر اس نے بلا جھجک اپنا تعارف بھی کرا دیا۔

پھر ملاقاتوں کے سلسلے شروع ہو گئے اور یوں ان دونوں نے طوائف کا کوٹھا بھی دیکھ لیا لیکن شہیر کیونکہ شادی شدہ تھا اور بیوی کی کڑی نظر میں تھیں اس پر سو وہ ناچ گانا دیکھنے کے چکر میں اپنی ازدواجی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا تھا مگر عالیان وہ تو اس لڑکی کے ساتھ بہت بے تکلف ہو چکا تھا اور اب شاید جی اوب گیا تو کبھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔

''یہی تو ایک بد کردار اور کم ظرف مرد کی فطرت ہے وہ سمجھتا ہے کہ شرم و حیا صرف عورت کے لئے ہے اور وہ تو کچھ بھی کرنے کے لئے آزاد ہے۔'' عالیان بھی انہی مردوں میں تھا وہ پارسا کو چند نوٹوں میں خرید لیتا اس سے دل بہلتا اور پھر اس کی تضحیک و تذلیل بھی کرتا۔

''بھلا تم جیسی لڑکیوں کا دوپٹے سے کیا تعلق؟'' وہ اکثر اس کا مذاق اڑاتا۔

پھر آنا فاناً ہی اس کی شادی ہو گئی تو زندگی سے بہت ہی عیاشیاں قطع ہو کر رہ گئیں، پھر کہاں کی پارسا کہاں کی وہ رقص و سرور کی محفلیں، مصروفیت بھی پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کے فون پر مسلسل ''حدیقہ کالنگ'' جگمگ کر رہا تھا اور وہ بار بار کال کاٹ رہا تھا، وہ بہت ضروری فیکس کر رہا تھا لیکن کال بھی مسلسل آ رہی تھی اس نے زچ ہو کر کال پک کی۔

''عالیان آپ جلدی سے گھر آ جائیں، وہ...... وہ ...... پارسا سکول سے گھر نہیں آئی، سکول والے کہہ رہے ہیں چھٹی کے وقت باقی بچوں کے ساتھ ہی گیٹ تک آئی تھی، پھر کہاں گئی کس کو معلوم نہیں۔'' حدیقہ کے گلے سے الفاظ بمشکل نکل رہے تھے اور ادھر عالیان کے ہاتھ پیر پھول گئے۔

زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، تین دن ہو گئے تھے مگر پارسا کا کہیں کوئی پتہ نہیں تھا اور حدیقہ تو رو رو کر نیم پاگل ہو گئی تھی وہ تو اپنی گڑیا کے بغیر ایک سیکنڈ بھی نہ رہتی تھی اور اب تین دن ہو گئے تھے، وہ کہاں تھی کس کے پاس تھی کچھ علم نہ تھا۔

پولیس بھی پوری کوشش کر رہی تھی مگر ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا تھا۔

پہلی اولاد کے لئے حدیقہ کے دل میں بیٹی کی خواہش پیدا ہوئی تھی اور اللہ نے اس کی خواہش پوری بھی کر دی تھی اور پھر وہ تھی بھی تو اتنی پیاری بالکل باربی ڈول جیسی گہری سبز آنکھیں، دودھیا رنگت، سنہری بال، خاندان میں کوئی بھی اور بچی ایسی نہیں تھی۔

''کسی پر نہیں، کیونکہ ہمارے خاندان میں سبز آنکھوں اور سنہری بالوں والی یہ واحد میری گڑیا ہے جس کے تمام نقش اپنے ہیں۔'' حدیقہ دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی بس اس کی گردن پر بڑا واضح کالا تل تھا جو عالیان سے مشابہہ تھا، عالیان نے اس کا نام امل سوچا تھا مگر حدیقہ کو پارسا نام پسند تھا، نجانے عالیان کیوں شروع میں اس نام سے چڑتا تھا مگر آہستہ آہستہ وہ بھی عادی ہو گیا۔

☆☆☆

وقت اچھا ہو یا برا ہمیشہ گزر ہی جاتا ہے، یہی تو وقت کی خاصیت ہے کہ کبھی رکتا نہیں، ان کا وقت بھی گزر رہا تھا، زندگی کی گاڑی رواں دواں اپنے سفر پر گامزن تھی، کتنے برس بیت گئے تھے مگر حدیقہ کے کرب میں آج بھی کمی نہیں آئی تھی، وہ ہر ہر پل اپنی بچی کو یاد کرتی، کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو بھرتے نہیں بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ناسور بن جاتے ہیں، اس کا زخم بھی ایسا ہی تھا عالیان اسے سمجھا سمجھا کے تھک چکا تھا مگر اس

کی تو جیسے عقل و ہوش بھی ماؤف ہوگئی تھی کتنے سالوں سے وہ نیند کی دوا لے رہی تھی اور عالیان وہ اظہار نہیں کرتا تھا مگر وہ پوری طرح ریزہ ریزہ ہو چکا تھا جھکے کندھے، نحیف بدن یہ وہ عالیان تو نہیں تھا جس کے چہرے پر ہر وقت غرور کے سائے لہرایا کرتے تھے، اکثر وہ نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ جاتا اس کے کانوں میں پارسا کی سرگوشیاں اور قہقہے گونجتے، وہ زندگی سے بہت عاجز آچکا تھا حدیقہ مکمل طور پر ڈپریشن میں مبتلا ہوگئی تھی اور بالکل مریضہ بن گئی تھی ایسے میں گھر کے معاملات پر بھی اس کی کوئی توجہ نہ تھی زندگی بے ترتیب، بے رنگ اور بوجھ بن کر رہ گئی تھی، عالیان بہت زچ رہتا تھا، آفس کے ساتھ ساتھ مستقل طور پر ایک مریضہ کی دیکھ بھال پھر ڈاکٹروں کے چکر اور دوائیاں کبھی کبھی وہ تھک کر چور ہو جاتا اور کبھی دفتر سے کسی دوسرے شہر جانا پڑتا تب تو اور بھی مشکل ہو جاتی حدیقہ کے پاس کسی رشتہ دار خاتون کو بلانا پڑتا، زندگی کے اس سفر میں وہ بری طرح تھک چکا تھا۔

''سر آپ کو کل کراچی جانا پڑے گا۔'' وہ نجانے کون سی گتھیاں سلجھا رہا تھا جب ایک ملازم نے اندر آ کر اسے چیف صاحب کا پیغام پہنچایا اور یہ کہ وہ تین بجے ان سے میٹنگ بھی کر لے۔

اتنا طویل سفر یہ تو شکر اسے بائی ایئر جانا تھا اور ایئر پورٹ سے آفس کی گاڑی اسے لینے پہنچ جاتی، پھر بھی نجانے کیوں وہ بیزار سا لگ رہا تھا۔

☆☆☆

اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی وہ بے دلی کے ساتھ ریسٹ ہاؤس سے باہر نکلا اور ڈرائیور کو گاڑی باہر نکالنے کو کہا۔

اسے آفس سے گاڑی اور ڈرائیور ملی تھی وہ کہیں بھی آ جا سکتا تھا، ہسپتال میں ایمرجنسی میں اس کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی تھی اور وہ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں اسے پہچان گیا تھا۔

''پ...... پا...... ر...... سا۔'' کتنے عرصے بعد وہ کسی کو اس نام سے مخاطب کر رہا تھا، الفاظ لڑکھڑائے تھے اور سوچ منتشر ذہن کی اسکرین پر ننھی سی پارسا کا عکس جھلملا رہا تھا۔

''جی...... عالیان بابو، میں پارسا۔'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا تھا، لیکن اسے کیونکہ اس سے کوئی سروکار نہیں تھا اس لئے اس نے یہ پوچھنا بھی مناسب نہ سمجھا کہ وہ اس شہر میں کب اور کیوں آئی، اس نے مزید کچھ کہے بنا آگے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

''عالیان صاحب اگر زحمت نہ ہو تو میرے ساتھ میرے گھر چلیے ذرا۔'' عالیان نے نجانے اس کی بات کا کیا مطلب لیا تھا اور بنا جواب دیئے قدم باہر کی بڑھائے تھے۔

''ایک امانت لوٹانی ہے آپ کو، بڑے عرصے سے سنبھال رہی ہوں مگر اب اتنی ہمت نہیں رہی۔'' اس نے پیچھے سے آواز دی تھی تو اس کے چلتے قدم خود بخود رک گئے تھے، وہ اس کی ذو معنی بات کو سمجھنے سے قاصر تھا مگر اتنا سمجھ گیا تھا کہ کوئی خاص بات ہے تب ہی اس کے ساتھ چل پڑا۔

بیگ سے چابی نکال کر فلائیٹ کا دروازہ کھول کر وہ اسے اندر لے آئی، وہ دھنک تھا یہ تو بہت نفیس اور صاف ستھرا گھر تھا اور یہاں کے مکینوں کی زندگی بالکل نارمل لگ رہی تھی نہ ہی تخت بچھا تھا نہ گاؤ تکیے لگے تھے نہ ہی گھنگھرو نظر آ رہے تھے وہ لاؤنج عبور کر کے اسے ایک کمرے میں لے آئی اور صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا، وہ صوفے پر پورا بیٹھا بھی نہیں تھا کہ نظر سامنے دیوار گیر فریم میں جڑی تصویر پر جا ٹکی۔

''پارسا...... اور...... پارسا۔'' وہ بجلی کی تیزی سے دیوار کے قریب آیا تھا۔

''پارسا...... مم...... میری بچی...... پارسا۔''

وہ نیم پاگل لگ رہا تھا۔

''میری بچی تمہارے ساتھ فوٹو میں کیسے؟ بتاؤ پارسا میری پارسا کہاں ہے؟'' اس نے اس کے کندھے جھنجھوڑے تو وہ مسکرا کر پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا یہ تمہاری بیٹی ہے؟'' وہ جان بوجھ کر انجان بننے لگی۔

''ہاں ہاں یہ میری بیٹی ہے بچپن میں یہ ہم سے کھو گئی تھی اور پھر آج تک نہیں ملی، مگر تم بتاؤ، میری بچی کہاں ہے؟'' وہ پاگلوں کی طرح کبھی تصویر کی اوڑھ بھاگتا تو کبھی اس کی طرف بڑھا۔

''بہت سالوں پہلے غالباً جب یہ محض پانچ برس کی ہو گی اغواء کاروں نے یہ بچی خانم کے آگے فروخت کی تھی۔'' عالیان کے سن ہوتے چہرے کو اس نے نظر بھر کے دیکھا تھا۔

''کک...... کیا؟ میری پارسا تم لوگوں کے پاس۔'' وہ بے ہوش ہونے کو تھا۔

''یہ لو پانی پیو۔'' ٹھنڈے لہجے میں گلاس اس کی طرف بڑھا کر وہ اس کو اور بے سکون کر رہی تھی۔

''خدا کے لئے مجھے بتاؤ میری بیٹی کہاں ہے۔''

''بتایا تو ہے کہ خانم کے پاس فروخت کیا تھا کسی نے پھر اور کہاں جانا تھا اسے۔'' اس نے سختی سے اس کی بات کاٹ کر اپنے آگے اس کے جڑے ہاتھوں کو بری طرح جھٹکا۔

یہ لمحے عالیان پر کس قدر گراں تھے وہ آسانی سے محسوس کر سکتی تھی اک قیامت سی برپا تھی عالیان رزاقی کے دل و دماغ میں۔

''میری بیٹی کو...... ط...... ط...... طوائف کیوں بنایا تم لوگوں نے؟'' وہ غصے سے کہتا دوبارہ اس کے کندھے جھنجھوڑنے لگا۔

''میں کیا کرتی میرے بس میں کیا تھا۔'' اس نے پھر اسے جھٹک دیا۔

''تم کسی نہ کسی طرح مجھ سے رابطہ کرتی اس کے سکول کے ایڈریس پر چھوڑ دیتی، تم یہ سب کر سکتی تھی مگر تم نے جان بوجھ کر نہیں کیا تم چاہتی تو میری بیٹی کو اس دلدل سے نکال سکتی تھی۔'' وہ پاگلوں کی طرح رو رہا تھا کبھی اس کی طرف جھپٹ کر آتا کبھی دھپ سے صوفے پر گر جاتا، وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

''عالیان رزاقی نکال تو تم بھی سکتے تھے مجھے اس دلدل سے، مگر تم نے مجھے نہیں نکالا، یاد کرو وہ دن جب میں پہلی بار تم دو لڑکوں کو اپنے کوٹھے پر لائی تھی اور میں نے تمہیں اپنی ساری کہانی سنائی تھی کہ کس طرح مجھے کسی نے اغواء کیا اور خانم کے ہاتھوں بیچ دیا خانم مجھے اپنے بڑھاپے کے لئے پالتی رہی لیکن جب میں بڑی ہوئی تو میں نے خانم کی بہت منتیں کیں کہ وہ مجھے اس گناہوں کی دلدل میں مت جھونکیں نجانے اس عورت کو کیوں مجھ پر رحم آ گیا تو وہ میری حفاظت کرنے لگی وہ ہر مرد سے میری شادی کی بات کرتی مگر کوئی بھی کوٹھے سے لڑکی بیاہنے کو تیار نہیں تھا وہ روز یہی کوشش کرتی مگر روز ان کا رہتا، خریدار دام تیز کرنے لگے اور کچھ اسے دھمکانے بھی لگے وہ بے بس ہو گئی اور مجبور تو اس نے مجھے کیا کہ جا اک کوشش تو کر لے، کوٹھوں میں آنے والے مرد تو صاف جواب دے جاتے تھے باہر کی دنیا سے کوئی مسیحا ڈھونڈنے نکلی تھی کہ جو مجھے اس دلدل سے نکالے، یاد کرو میں نے کوٹھے پہ لا کر تم سے یہی کہا تھا اور تم...... تم نے کیا کہا تھا۔''

''دل بہلانے والی اور گھر چلانے والی میں بڑا فرق ہوتا ہے، تم کوٹھے والیوں کا ایسی باتوں سے کیا تعلق اور ہاں یہ دوپٹے لینے کا تکلف مت کیا کرو تم کوٹھے والیاں تو کھلی کتاب کی طرح ہوتی ہو ہاہاہا۔'' اسے اپنی ہی آواز سنائی دی تھی اور وہ بے کل ہو کر اٹھا تھا۔

''مجھے معاف کر دو۔'' اس نے غصے سے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے۔

''میرے دل میں اک آس اک امید تھی تم نے میری آنکھوں میں جلتے آس کے دیے بجھا دیئے اور مجھے پھر روز بکنا پڑا کبھی تمہارے آگے تو کبھی تمہارے جیسے نام نہاد عزت داروں کے آگے۔'' پارسا کی آنکھوں میں آنسوؤں کا اک سیلاب تھا اور ایک ایک آنسو چیخ چیخ کر اس کے اندر کا کرب بتا رہا تھا۔

عالیان رزاقی پر بھی تو آج اک قیامت ٹوٹی تھی پر نجانے وہ کس مٹی کا بنا تھا جسے نہ غشی ہوئی تھی نہ عورت نے آ لیا تھا لیکن وہ نیم مردہ حالت میں صوفے کی پشت سے کمر لگا کر گرا پڑا تھا۔

''کلی۔'' پارسا نے آنسو صاف کرتے ہوئے کسی کو آواز دی تھی تو اک خوبصورت نازک ڈول سی لڑکی اندر آئی تھی، عالیان رزاقی کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''پارسا!'' وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا مگر پارسا نے سر ہلا کر تصدیق کر دی تھی کہ یہ اس کی پارسا ہی ہے۔

''میں چاہتی تو اس لڑکی کو تمہارے لئے مثال عبرت بناتی مگر میں نے ہمیشہ اس کی حفاظت کی اسے گناہوں کی دلدل میں گرنے نہیں دیا بلکہ اسے اس دلدل سے نکال کر یہاں آ گئی، تمہاری بیٹی کو میں نے پارسا ہی رکھا ہے خود نہ بچ سکی مگر چلو اس سکون کے ساتھ مر سکوں گی کہ میں نے کسی اور لڑکی کی عصمت کی حفاظت کی ہے۔''

''میرے پاس الفاظ نہیں تم سے معافی مانگنے کے لئے اور جو نیکی تم نے کی ہے نہ اس کا بدلہ چکانے کے قابل ہوں میں۔'' کلی کو خود سے الگ کر کے وہ پارسا کے قدموں میں گر گیا۔

''اگر مرد اعلیٰ کردار اور معزز ہو تو وہ تم جیسی مجبور عورتوں کا کبھی فائدہ نہ اٹھائے ہاں اگر ممکن ہو تو انہیں ضرور عزت دے لیکن جو بدکردار مرد ہوتے ہیں وہ اپنے اندر کی قباحتوں کو تم عورتوں کے چہرے پر مل دیتے ہیں اور خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں، لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اک ذات احتساب کرنے والی بھی ہے۔''

''مجھے معاف کر دو پارسا، بلکہ تم ہمارے ساتھ ہی چلو۔''

''نہیں عالیان رزاقی میں تمہارے ساتھ کیوں چلو، کس تعلق اور رشتے سے اور ویسے بھی میری جیسی عورتیں گھروں میں کہاں جچتی ہیں۔'' وہ بھگو بھگو کر مار رہی تھی۔

''تم......تم......اس کی ماں بن کر چلو، ہاں پارسا تم نے ساری زندگی اسے بیٹی بنا کر رکھا اور اب تم اس کی ماں بن کر چلو ہمارے ساتھ اور اس کی اصل ماں تو تم ہی ہو جس نے اسے تربیت دی اسے زمانے کی تپتی دھوپ سے بچایا، میں تمہیں اک جائز حق سے لے کر جاؤں گا، میں تم سے نکاح کروں گا پارسا، اگر تم مجھ جیسے غلیظ و ناپاک انسان کو قبول کرو تو، اور ہاں سنو تم تو پارسا ہو تمہیں تو ہم جیسے درندوں نے رول ڈالا مگر اب میں تمہیں اک شرعی حق دونگا۔'' پارسا کی آنکھوں میں سیلاب امڈ آیا تھا، اس نے باز وا کیے اور کلی دوڑ کر ان میں جا سمائی تھی۔

☆☆☆

محبت مار دیتی ہے

تحسین اختر



''یہ اتنی ساری شاپنگ، تم تو لگتا ہے پورا مال ہی اٹھا لائی ہو۔'' صبیحہ نے بیڈ پر بکھرے ڈھیر سارے شاپنگ بیگز کو دیکھتے ہوئے ستارہ سے کہا تھا۔

''ارے یہ تو کچھ بھی نہیں، اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میں جس چیز کی طرف نظر بھی اٹھاؤں وہ خرید کر میرے قدموں میں ڈھیر کر دے۔''

''واقعی، داؤد تم سے پیار بھی تو بہت کرتا ہے۔'' صبیحہ نے رشک سے ستارہ کے چمکتے اور حسین ترین چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا اب بس کرو اور یہ سارا کچھ اٹھا کر الماری میں رکھ دو، اگر امی جان خالہ کے گھر سے جلدی واپس آ گئیں تو پھر خیر نہیں ہو گی بلکہ میں خود سب کچھ اٹھاتی ہوں، ورنہ تم مجھے مرواؤ گی۔''

''یہ سب تو تمہیں اتنا کچھ خریدتے ہوئے سوچنا چاہیے تھا نا۔'' صبیحہ اس کے ساتھ لگ کر شاپنگ بیگز اٹھا کر رکھنے لگی۔

''اس وقت کون ایسی باتیں سوچتا ہے۔'' وہ اک سرور کی سی کیفیت میں بولی تھی۔

''ہاں اس وقت تو تمہیں کہاں ہوش ہو گا ایسی باتوں کا۔'' دونوں نے باتیں کرتے کرتے سارا کچھ اٹھا کر الماری میں رکھ دیا تھا۔

''تم نے یہ تو پوچھا نہیں کہ میں تمہارے لئے کیا لائی ہوں۔'' ستارہ صبیحہ کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی تھی۔

''میں نے سوچا تم خود ہی بتاؤ گی نا۔''

''سوٹ، اور پرفیوم، بہت مہنگا والا۔''

''اچھا، واؤ پھر تو میرے بھی مزے ہو گئے۔'' صبیحہ خوش ہو گئی تھی۔

''دیکھ لو کیا یاد کرو گی۔'' وہ مزے سے بیڈ پر

مکمل ناول



لپٹتے ہوئے بولی تھی۔

''شکریہ میڈم۔''

''اب میرا بھی ایک کام کرو نا۔'' وہ لجاجت سے کہنے ہی لگی تھی کہ صبیحہ ایک دم سے بول اٹھی۔

''چائے بنا لاؤں نا۔''

''ہاہ میری اچھی بہن نہیں ہو۔''

''وہ تو ہوں، اب بس ابھی گئی اور یوں منٹوں سیکنڈوں میں چائے لائی۔'' وہ چٹکی بجا کر باہر نکل گئی تھی، ستارہ نے طمانیت سے آنکھیں موند لی تھیں۔

داؤد خان کا سراپا چھم سے آنکھوں میں اتر آیا تھا، اس ایک نام اور تصور میں کیسی ٹھنڈک بھری تھی کہ پور پور میں سکون ایسے در آتا تھا جیسے دنیا میں ہی جنت دیکھ لی ہو، جیسے اس سے زیادہ خوش نصیب اس دنیا میں کوئی نہ ہو، جیسے اس سے نایاب کچھ اور نا ہو، جیسے اس سے زیادہ انمول کچھ اور کہاں؟

☆☆☆

ستارہ فاروق، فاروق احمد اور یاسمین فاروق کے گھر میں اس وقت روشنی بن کر چمکی تھی جب ان کی شادی کو سات سال گزر چکے تھے، ہر علاج معالجے اور دم درود سے وہ مایوس ہو چکے تھے ان دنوں جب یاسمین مایوسی اور ڈپریشن کی طرف جانے لگی تھی اور انہیں لوگوں کی باتیں تو گھائل کرتی ہی تھیں یہ غم بھی دن رات مارے جاتا تھا کہ کہیں فاروق احمد گھر والوں کے دباؤ میں آ کر دوسری شادی نہ رچا لیں، ایسے وقت میں یاسمین کی کھوکھ میں جب نئی زندگی نے سانس بھری تو انہیں لگا تھا کہ انہیں گویا دوبارہ جینے کا سہارا اور امید مل گئی ہو، اب تو فاروق احمد بھی ان کے گرد گویا پروانے کی طرح پھرنے لگے تھے اور آن کی آن میں گھر والوں اور دنیا والوں کی زبانیں بند ہو گئی تھیں۔

ستارہ کو ستارہ نام بھی یاسمین نے ہی دیا تھا، وہ ان کی زندگی کی روشنی اور ستارہ ہی تو تھی۔

ستارہ کے بعد ان کے اور کوئی اولاد نہ ہوئی اور انہیں اب اس کے بعد کچھ اور چاہیے بھی نہیں تھا، ان دونوں میاں بیوی نے اپنی زندگی کا محور و مرکز ہی اسے بنا لیا تھا۔

فاروق احمد کے سگے بھائی اور بھابھی ایک طیارہ حادثے میں جان کی بازی ہار گئے تو ننھی صبیحہ کی ذمہ داری بھی ان کے کندھوں پر آ گئی تھی، یوں انہیں دوسری بیٹی مل گئی اور ستارہ کو اپنی بہن، صبیحہ کو انہوں نے ستارہ سے کبھی کم نہ جانا تھا، صبیحہ نے بھی دونوں کو ہمیشہ سگے ماں باپ کی جگہ پر ہی رکھا تھا۔

یوں بچپن گزرا اور جوانی آئی، مگر یہ کیا، والدین کا اندھا اعتماد اور بے جا لاڈ پیار ستارہ کو اتنا خود سر بنا گیا کہ جب داؤد خان نے پہلی بار ہی اس کے حسن کے قصیدے پڑھے تو وہ ذرا سا بھی برا مانے بغیر اس کی زبان دانی اور وجاہت پر مر مٹی، صبیحہ کو راز دار بنایا تو اس نے لاکھ سمجھایا کہ امی ابو کے اعتماد کو غلط رنگ مت دو، مگر وہ ستارہ ہی کیا جو کسی کی مان جائے، صبیحہ اسے لاکھ پیاری سہی، اس کی بہن سہی، مگر آج تک ایسا کوئی نہیں تھا جو اسے اس کے ارادوں سے باز رکھ سکے، اس لئے صبیحہ کی ایک نہ سنی گئی اور اس نے داؤد خان کی محبت کے آنگن میں قدم قدم چلنا شروع کر دیا، صبیحہ سمجھا سمجھا کر خود ہی چپ کر گئی، کئی بار اس کے دل میں آیا کہ امی جان کو سب کچھ بتا دے مگر ستارہ کے چمکتے چہرے کا خمار اور خوشی اتنی شدید تھی کہ وہ کبھی اپنے ارادے کو پورا نہ کر سکی اور یوں نا چاہتے ہوئے بھی ستارہ کا ساتھ دینے پر مجبور تھی۔

☆☆☆

یہ دن رات یہ لمحے
اچھے لگتے ہیں
تمہیں سوچوں تو سارے سلسلے
اچھے لگتے ہیں
بہت دور تک چلنا مگر پھر بھی
وہیں رہنا
مجھے تم سے تم ہی تک دائرے
اچھے لگتے ہیں

رات بہت گہری نیند آئی تھی یہ اور بات کہ وہ ساری رات خواب میں بھی داؤد کے سنگ سنگ رہی تھی، داؤد کی محبت تو اسے ہواؤں کے سنگ اڑا رہی تھی، بادلوں میں گھما رہی تھی، ستاروں کے ساتھ چمکا رہی تھی، پھر نیند میٹھی کیوں نہ ہوتی، جب دل مطمئن تھا اور اس محبت پر یوں جھوم جھوم جاتا تھا جیسے کوئی ناگن سپیرے کی کسی دھن پر مست دیوانہ وار ناچ اٹھے، وہ بھی داؤد کی محبت کی بین پر اپنی محبت کو ناچتا دیکھ رہی تھی۔

اس نے آج تک ابو کی محبت دیکھی تھی، دھیرے دھیرے چلنے والی ہوا کی طرح، یا پھر امی کی محبت دیکھی تھی، کچھ کھٹی کچھ میٹھی سی، چاندنی جیسی نازک سی، جگنو جیسی مدھم سی، مگر یہ داؤد کی محبت کیسی محبت تھی، یوں جیسے بادل گھر کر آئیں اور طوفان پل بھر میں جل تھل کر دے یوں جیسے آسمان پر بجلی کڑکے اور جل زمین اٹھے، یوں جیسے سوکھی لکڑیوں کو آگ لگے اور وہ تڑ تڑ سلگنے لگیں، اس محبت نے تو اسے اپنی ہی سدھ بدھ بھلا دی تھی۔

''خدا کے لئے ابھی اٹھ بھی جاؤ، کالج نہیں جانا کیا۔'' صبیحہ نے اس کے اوپر سے چادر اتاری تھی۔

''اٹھتی ہوں نا۔'' اس نے چادر کھینچ کر پھر اوڑھ لی تھی۔

''تیسری بار تمہیں جگانے آگئی ہوں، اب نہیں آؤں گی، اب خود ہی باہر آ جانا۔'' صبیحہ دھمکی دے کر گئی تو اسے ناچار اٹھنا پڑا تھا، وہ کسل مندی سے اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

صبیحہ کو پڑھنے پڑھانے سے اتنی دلچسپی نہ تھی جتنا اس کا دل گھر داری میں لگتا تھا، اس لئے اس نے بی اے کے بعد سارے گھر کا کام کاج سنبھال لیا تھا، امی ابو نے تو اسے بہت کہا تھا کہ وہ کم از کم ماسٹرز تو کر لے مگر اس سے اتنی مشکل پڑھائی نہ ہوتی تھی، اس لئے وہ کان لپیٹ کر کچن میں گھس رہتی تھی، جبکہ ستارہ شروع سے ہی پڑھائی میں اچھی تھی، اس نے ہمیشہ کلاس میں ٹاپ کیا تھا، اس لئے اسے گھر کے کاموں میں اتنی دلچسپی نہ تھی، کل تک تو وہ ہوتی تھی یا اس کی کتابیں، مگر جب سے داؤد اس سے ٹکرایا تھا تب سے اس کی پڑھائی کی روٹین بھی کچھ بدل سی گئی تھی، اب زیادہ ٹائم تو وہ داؤد کی محبت میں گم رہتی تھی اور پڑھائی کو کم ہی وقت دے پاتی تھی، یوں بھی اس کے ایم بی اے کا فائنل چل رہا تھا مگر اسے اب پرواہ کس کی تھی۔

وہ تیار شیار ہو کر سر پر دوپٹہ اوڑھ کر جونہی کالج جانے کے لئے گیٹ سے باہر نکلی تو یاسمین کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

''صبیحہ اری صبیحہ ادھر تو آ۔'' اس کے جانے کے بعد انہوں نے صبیحہ کو آواز دی تھی۔

''جی امی جان۔'' وہ پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''یہ ستارہ آج کل کس ترنگ اور موج مستی میں ہے، مجھے سچ سچ بتا کیا چکر ہے، تمہیں اس کی اور اسے تمہاری پوری پوری خبر ہوتی ہے نا۔'' وہ کافی دنوں سے ستارہ کے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی

تھیں، اس کے چہرے پر جو دھیمی سی مسکان ہر وقت سجی رہتی تھی اور آنکھیں جانے کس خمار سے بھری رہتی تھیں وہ ماں تھیں، اس کی ایک ایک ادا پہچانتی تھیں، آج انہوں نے صبیحہ کو لائن حاضر کر ہی لیا تھا۔

''امی جان پہلے وہ کون سا خراب موڈ میں رہتی تھی، اس کا موڈ تو ہمیشہ سے ایسا ہی رہتا ہے، مجھے تو کچھ خاص بات نہیں لگتی، اگر کچھ ایسا ویسا ہوتا تو میں آپ کو ضرور بتاتی۔'' وہ یاسمین سے نگاہیں چرا کر بولی تھی۔

''ہاں میں جانتی ہوں، وہ ویسے ہی خوش مزاج ہے مگر اتنی زیادہ خوش مزاجی اور خوشی، وجہ کچھ تو ہے۔'' وہ گہری نظروں سے صبیحہ کو دیکھتے ہوئے کہنے لگی تھیں۔

''مجھے نہیں پتہ، آپ اسی سے پوچھ لیجئے گا۔'' وہ ناشتے کے خالی برتن اٹھا کر لے گئی تھی اور ایک طرح سے اپنی جان چھڑا گئی تھی۔

یاسمین کی زیرک نگاہوں سے بچنا کوئی آسان تو نہیں تھا، اندر سے اس کا اپنا دل کانپنے لگا تھا، اس لئے وہاں سے کھسکنے میں ہی اس نے عافیت جانی تھی۔

''اس سے تو میں اچھی طرح پوچھ لوں گی۔'' وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی تھیں۔

☆☆☆

''نہیں داؤد میں آج تمہارے ساتھ کہیں نہیں جا سکتی، آج مجھے کالج سے جلدی گھر پہنچنا ہے، اب روز روز تو میں بہانے نہیں بنا سکتی نا۔'' اس نے فون پر داؤد سے کہا تھا۔

''یار کل سنڈے ہے، کل کا پورا دن بھی تو میں تمہارے بغیر گزاروں گا نا، اس لئے آج کہیں باہر مل لیتے ہیں نا۔'' دوسری طرف داؤد کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

''ابھی کل تو ہم ملیں ہیں۔'' وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

''کل کو گزرے بھی کتنے گھنٹے ہوگئے یہ پتہ ہے تمہیں۔''

''مجھے نہیں پتہ، بس آج مجھے جلدی گھر جانا ہے۔'' وہ بھی اپنی ضد پر اڑ گئی تھی۔

''تو چلو ٹھیک ہے میں کالج سے واپسی پر تمہیں پک کر لیتا ہوں اور تمہیں گھر چھوڑ دوں گا، کہیں نہیں جاتے، لیکن میم اپنے اس خادم کو اپنی اتنی سی خدمت کا موقع تو دے دیں، ورنہ یہ دیوانہ اتنی جدائی برداشت نہیں کر سکے گا۔'' وہ ایسی باتیں کرتا تھا کہ ستارہ کو اس کے آگے ہار ماننا پڑتی تھی۔

''او کے آ جانا۔'' وہ لمبا سانس خارج کر کے بولی تھی۔

''تم ہمیشہ اپنی منوا لیتے ہو۔''

''تمہاری مانتا بھی تو ہوں۔''

''ہاہ مانتے ہو مگر کبھی کبھی۔'' اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

☆☆☆

میرا یہ بھرم ہے
میرے پاس تم ہو
میرے پاس تم ہو
میرے پاس تم ہو

گاڑی میں مشہور زمانہ نغمہ دھیمے سروں میں بج رہا تھا اور داؤد اسی ایک فقرے کو بار بار ری وائینڈ کر کے سن رہا تھا، جیسے ستارہ کی قربت اسے مدہوش بنا رہی تھی۔

''اب بس بھی کرو۔'' ستارہ نے میوزک بند کر دیا تھا اور ہنستے ہوئے اسے چھیڑا تھا۔

''یار چلنے دو نا، اچھا لگ رہا ہے۔'' وہ گانے کے بند ہوتے ہی بدمزہ ہو کر بولا تھا۔

''جناب میرا گھر قریب آ رہا ہے، اس لئے یہ گانے وانے چھوڑیں اور مجھے بس یہیں اتار دیں۔'' وہ قریب آتے علاقے کو دیکھ کر اس سے کہنے لگی تھی۔

''ہیں اتنی جلدی تمہارا گھر آ گیا، ابھی تو ہم نے سفر شروع ہی کیا تھا۔''

''آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے مجھے تمہارے ساتھ گاڑی میں بیٹھے ہوئے۔'' ستارہ نے کلائی پر بندھی گھڑی اس کی آنکھوں کے آگے کی تھی۔

''اچھا تو تم ایک ایک منٹ گن رہی ہو، بڑی ظالم ہو یار، میں تو سمجھتا تھا جب تم میرے ساتھ ہوتی ہو تو تمہیں وقت گزرنے کا کہاں ہوش رہتا ہے۔''

''داؤ دا آپ سے باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا، بس مجھے یہیں اتار دیں۔'' وہ اسے دور تک جاتا دیکھتا رہا تھا۔

''ستارہ کپڑے چینج کر کے اور کھانا وانا کھا کر میرے پاس آنا۔''

آج کل یاسمین کو جانے کس چیز کی بے چینی لگ گئی تھی کہ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی تھی انہوں نے اسے آواز دے کر کہا تھا۔

''امی جان خیر تو ہے نا۔'' اس کے چہرے پر ہزار رنگوں کی قوس قزح سجی ہوئی تھی، اس نے بمشکل خود کو کنٹرول کر کے پوچھا تھا۔

''ہاں خیر ہی ہے۔'' وہ اپنے کمرے میں بڑھ گئی تھیں۔

''تم منہ ہاتھ دھولو میں کھانا لاتی ہوں۔'' صبیحہ ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی، جائے نماز لپیٹ کر اس کے پاس آ کر بولی تھی۔

''سب خیر ہے نا۔'' ستارہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا، یاسمین کے انداز پر کچھ تو وہ بھی ٹھٹک گئی تھی۔

''امی جان کو تمہاری حرکتوں پر شک ہو گ ہے، صبح مجھ سے بھی اچھی خاصی تفتیش کی انہوں نے، مگر میں تو عادی مجرموں کی طر صاف مکر گئی ہوں، مجھے لگتا ہے اب اسی سلسلے می تم سے پوچھیں گی۔'' صبیحہ نے جاتے جا اسے خاصا پریشان کر دیا تھا، اس کے ماتھے ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے، اب کہاں کی بھوک اور کدھر کا اطمینان، وہ ایسی پریشانی میں ا کمرے میں گھس گئی تھی۔

''بات سنو یہ کھانا ابھی تک ایسے ہی کیو پڑا ہے۔'' صبیحہ چائے کا پانی بھی رکھ آئی تھی مگ اس کے سامنے کھانے کی ٹرے ابھی تک ا چھوئی پڑی تھی۔

''یار مجھے تو اتنی گھبراہٹ ہو رہی ہے ا ویسے ہی پیٹ میں گولے سے اٹھ رہے ہیں، کھا کیسے کھاؤں۔''

''یہ تو بیٹا محبت کے چکروں میں پڑنے سے پہلے سوچنا تھا۔'' وہ شرارت سے بولی تھی۔

''میں اتنی پریشان ہوں اور تمہیں شرارتیں سوجھ رہی ہیں۔'' ستارہ اس کے اس انداز پر بر مان گئی تھی۔

''اچھا چلو میں بھی سیریس ہو جاتی ہوں۔'' وہ خاموشی سے ہونٹ بند کر کے بیٹھ گئی تھی۔

''ستارہ۔'' اتنے میں امی کے کمرے سے ستارہ کو آواز آئی تھی، ستارہ نے جلدی سے اٹھ کر چپل پاؤں میں اڑسی تھی اور امی کے کمرے میں پہنچ گئی تھی۔

''جی امی جان۔'' ان کے کمرے تک جاتے جاتے اس نے اچھا خاصا خود کو سنبھال لی تھا۔

''بیٹھو۔'' انہوں نے اپنے سامنے اس کے لئے جگہ بنائی تھی، وہ بیٹھ گئی تھی۔

''دیکھو ستارہ بچے جتنی مرضی بڑے ہو جائیں مگر والدین کے سامنے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں، وہ ماں باپ جنہوں نے اپنے بچوں کو انگلی پکڑ کر قدم قدم چلنا سکھایا ہوتا ہے وہ ان کی ایک ایک چال پہچانتے ہیں اس لئے میں آج کل جو کچھ دیکھ رہی ہوں، وہ مجھے چونکا بھی رہا ہے عجیب بھی لگ رہا ہے اور پریشان بھی کر رہا ہے، تم سمجھ رہی ہو نا میری بات، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ جو اعتبار اور اعتماد کا رشتہ تم سے جوڑ کر ہم نے تمہیں دنیا کی اس دلدل میں اتارا ہے تم اس بھروسے اور مان پر اس دلدل سے خود کو بچائے رکھو۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں۔'' وہ گم صم بیٹھی تھی، جب یاسمین نے اپنی بات مکمل کر کے اس سے پوچھا تھا۔

''بولو نا، اب خاموش کیوں ہو۔''

''جی جی امی جان آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہے جیسا آپ سوچ رہی ہیں۔'' داؤد کی محبت کا نشہ ابھی جسم و جاں سے چھوٹا نہیں تھا اس لئے کیسے اتنی آسانی سے مان جاتی، ماں کی باتوں پر صاف مکر گئی تھی۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو۔'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

''اب جاؤں میں۔''

''ہاں جاؤ۔'' اس نے جلدی سے جان چھڑائی تھی اور کمرے سے باہر آ گئی تھی۔

☆☆☆

''زہے نصیب، آج میری قسمت کا ستارہ کیسے چمک اٹھا کہ جناب نے مجھے خود بلایا ہے۔''

اگلے دن کالج آتے ہی اس نے داؤد کو کال کی تھی اور ملنے کے لئے کہا تھا۔

داؤد کو اس سے ملنے پر اتنی خوشی تھی کہ وہ بیان کرنے سے قاصر تھا۔

''اچھا اب زیادہ ڈائیلاگ مت بولو، ٹائم پر آ جانا۔'' وہ اس کی خوشی کو محسوس کر سکتی تھی۔

''اوکے میری جان کہہ تو ابھی آ جاؤں۔''

''نہیں بس ٹائم پر آنا۔'' ستارہ نے کال کاٹ دی تھی، ورنہ داؤد کی باتیں کبھی ختم نہیں ہوتی تھیں۔

بادل گھر کر آئے تھے، موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا اور ایسے میں جب ستارہ نے اسے خود بلایا تھا داؤد کی تو سمجھ لاٹری نکل آئی تھی۔

''کیا کھاؤ گی؟'' ایک ریسٹوران میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے جب داؤد نے اسے پوچھا تھا۔

''کھانے کو چھوڑو، میں نے آج ایک خاص بات کرنے کے لئے تمہیں بلایا ہے۔''

''ہاں بولو، ایک چھوڑ دس سناؤ، دس ہزار سناؤ، میں سنتا ہی رہوں گا جان من۔''

''تم نے میرے بارے میں اپنے گھر والوں سے بات کی ہے۔'' ستارہ نے سنجیدگی سے داؤد سے پوچھا تھا، امی کی کل کی باتوں نے اسے ڈرا دیا تھا۔

''نہیں۔''

''کیوں داؤد، آخر کب کرو گے، میں اب زیادہ دیر تک اس محبت کو اپنے گھر والوں سے چھپا نہیں سکوں گی۔''

''ستارہ تم تو جانتی ہو میرے خاندان کا پرابلم کیا ہے، وہ کبھی بھی اپنی فیملی سے باہر رشتہ نہیں کرتے اور ایسا صرف زمین جائیداد کی وجہ سے ہوتا ہے کو جو جائیداد اور زمین سالہا سال سے خاندان میں چلی آ رہی ہے اس کا ایک ٹکڑا بھی خاندان سے باہر نہ جائے، میں اپنے اس جاگیردارانہ نظام سے خائف تھا مگر یار پھر بھی

مجھے نہیں پتہ تھا کہ کب تمہاری محبت اس طرح میرے دل میں گھر کر جائے گی کہ میں اپنے خاندان کی ساری روائتیں بھول جاؤں گا، اب ایک عجیب سی کش مکش ہے، نہ میں تمہیں چھوڑ سکتا ہوں اور نہ ہی میرا خاندان تمہیں قبول کرے گا میں یہ بھی جانتا ہوں۔''

''تو پھر داؤد میں کیا کروں۔''

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں کوئی نہ کوئی حل نکال لوں گا۔''

''کیسے پریشان نہ ہوں، میری تو راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔''

''میرے ہوتے ہوئے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' داؤد نے اس کے یخ ٹھنڈے ہاتھ پر اپنا بھاری بھرکم ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تھی۔

''داؤد اگر ہم ایک نہ ہو سکے۔'' اس کی آنکھوں میں نمی بھر گئی تھی۔

''یہ کیسی بری بات منہ سے نکالی ہے تم نے، ایسی بددعا نہ دو مجھے۔'' وہ تڑپ اٹھا تھا۔

''میری ایک بات سنو ستارہ، اگر میں اکیلا تمہارے گھر تمہارے والدین سے تمہارا ہاتھ مانگنے آجاتا ہوں تو کیا انہیں کوئی اعتراض ہوگا۔''

''تم اکیلے، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''کیوں نہیں ہو سکتا، میرے پاس کیا نہیں ہے تمہیں دینے کو، روپیہ پیسہ جائیداد گھر زیور اور سب سے بڑھ کر اپنا نام، پھر میرے خیال میں تمہارے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے، میری فیملی اس شادی میں شامل ہو یا نہ ہو تم لوگوں کو اس پر نہیں سوچنا چاہیے، میں تو تمہیں پوری عزت اور احترام کے ساتھ اپنانا چاہتا ہوں۔''

''بس ستارہ فیصلہ ہو گیا تم اپنی امی سے میرے بارے میں بات کرو، وہ جب بھی ملنے کے لئے مجھے بلائیں گی میں حاضر ہو جاؤں گا اور جس قسم کی سیکیورٹی مجھ سے انہیں چاہیے ہو گی میں دینے کے تیار ہوں۔''

''لیکن داؤد تم ایک بار اپنے گھر والوں سے بات تو کرو، کیا پتہ وہ لوگ مان جائیں۔''

''میں تم سے زیادہ جانتا ہوں اپنوں کو، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔''

''اچھا پھر ٹھیک ہے میں امی جان سے بات کروں گی۔'' وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''سنو پریشان مت ہونا، میں ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔'' جاتے جاتے داؤد نے اسے تسلی دی تھی، اس کا دل اطمینان سے بھر گیا تھا۔

☆☆☆

''یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے داؤد کے بارے میں امی جان کو بتا دیا تھا، وہ تو اس کے ارادے سن کر اپنی جگہ سے اچھل پڑی تھیں۔

''امی کیوں نہیں ہو سکتا، جب وہ ہر قسم کی ذمہ داری لے رہا ہے تو ہمیں کس چیز کی پریشانی۔'' وہ اب داؤد کا مقدمہ لڑنے کے لئے سو فیصد تیار تھی۔

''ہمیں کس چیز کی پریشانی، کتنی آسانی سے تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی ہے، اپنی نازوں پلی بیٹی کا ہاتھ ایک اجنبی کے ہاتھ میں دے دیں اور پریشان نہ ہوں وہ بھی جس کے ساتھ کوئی نہ کھڑا ہو، نہ خاندان نہ گھر والے، اس اکیلے پر کیسے اتنا اعتبار کر لیں، جاؤ بی بی جا کر اپنا کام کرو اور یہ خناس دماغ سے نکال دو نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہم کریں گے۔'' یاسمین بیگم نے خوب دل کی

بھڑ اس نکالی تھی۔

''امی جان!''

''بس میں نے کہہ دیا نا آگے ایک لفظ بھی مت بولنا ورنہ میرا دماغ مزید خراب ہو جائے گا۔'' انہوں نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا۔

''ویسے بھی میری ایک بات سنو میں کیسے تمہارے باپ سے کہوں گی کہ جس بیٹی کو اعتبار اور اعتماد کی چھتری دے کر وہ دنیا کی دھوپ میں گھماتا رہا ہے اس نے کیسے اس چھتری میں سوراخ کر دیئے ہیں۔'' یاسمین نے اسے کڑی نظروں سے گھورا تھا وہ جیسے زمین میں گڑ گئی تھی۔

''بولو جواب دو، تمہارے یوں خاموش رہنے سے کچھ نہیں ہوگا، ہم تمہیں اس کام کے لئے تو باہر نہیں بھیجتے رہے کہ تم اپنے لئے بر تلاش کرتی پھرو، بولو اب چپ کیوں کھڑی ہو۔'' وہ گرجی تھیں۔

''امی جان میں نے آپ کے اعتماد کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچائی، بس وہ ہر وقت کا ساتھ تھا تو اگر ایک دوسرے کو ہم لوگ پسند کرنے لگے تو اس میں کیا برائی ہے۔'' اس نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا تھا۔

''ہاں برائی تو اس سسٹم میں ہے جب آگ اور تیل کو ہم خود اکٹھا رکھیں گے تو شعلے تو لپکیں گے۔''

''امی جان پلیز۔''

''ستارہ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ فی الحال تم یہاں سے چلی جاؤ، مجھے تنہا چھوڑ دو اور میرا دماغ ٹھنڈا ہونے دو، ورنہ مجھے جتنا تم پر غصہ ہے میں کچھ کر بیٹھوں گی۔'' وہ تو اس کی داؤد سے محبت پر ہی آپے سے باہر ہو گئی تھیں۔

''ستارہ آ جاؤ باہر۔'' باہر سے صبیحہ نے آواز دی تھی، وہ یاسمین کے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

''ابھی امی جان سے زیادہ بحث مت کرو، انہیں آہستہ آہستہ نارمل ہونے دو۔'' صبیحہ نے اسے سمجھایا تھا۔

''مگر صبیحہ!''

''اگر مگر چھوڑو، کوئی بیٹی ایک غیر مرد کے لئے یوں ماں باپ کو امتحان میں ڈال دے تو ان کا اتنا غصہ کرنا تو بنتا ہے نا۔'' صبیحہ نے دانش مندی سے اسے سمجھایا تھا، وہ چپ کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''کہاں جا رہی ہو۔'' اگلی صبح وہ معمول کے مطابق اپنی تیاری میں مشغول تھی اور صبیحہ کچن میں ناشتہ بنا رہی تھی جب یاسمین نے اس کے پاس آ کر اس سے پوچھا تھا۔

''کالج۔'' اس نے حیرت سے جواب دیا تھا۔

''تم کچھ دن تک کالج نہیں جاؤ گی۔''

''کیوں امی جان۔''

''بس یہ میرا حکم ہے، جب تک میں کسی فیصلے پر نہیں پہنچ جاتی کہ تمہارے باپ سے کیسے اور کس طرح مناسب الفاظ میں بات کرنی ہے اور آگے ان کا ردعمل کیا ہوتا ہے، میں ابھی تک اسی ادھیڑ بن میں مبتلا ہوں تب تک میں تمہیں کالج جانے نہیں دے سکتی، ویسے بھی تم سے ایک اور بات بھی کرنے آئی ہوں کہ تم کسی طرح اس لڑکے کا خیال اپنے دل سے نکال سکتی ہو تو نکال دو، میں چاہوں تو اس معاملے میں تم پر سختی بھی کر سکتی ہوں مگر مجھے پتا ہے کہ بے جا سختی صرف اور صرف بغاوت کو جنم دیتی ہے جو میں کل سے تمہاری آنکھوں میں دیکھ رہی ہوں، اس لئے بہت پیار سے تمہیں سمجھا رہی ہوں کہ اس لڑکے کا

خیال دل سے نکال دو۔''
''ایسا کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔''
اس نے ماں کی اتنی لمبی چوڑی بات پر ایک جملے میں ہی انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔
''ایک بار پھر سے سوچ لو۔'' وہ اپنے تحمل اور اس کی محبت کو ایک طرح سے آزما رہی تھیں۔
''بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن۔'' وہ اپنے ارادے پر ڈٹی ہوئی تھی۔
''تم نے سوچا نہیں اور مجھے جواب بھی دے دیا ہے۔''
''امی جان میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔''
اس نے جلدی سے کہا اتنے میں یاسمین کا ہاتھ اٹھا تھا۔

چٹاخ اور ایک بھرپور تھپڑ ستارہ کے گال پر نشان ثبت کر گیا تھا۔
''یہ محبت نہیں دیوانگی ہے جس نے ماں باپ کا ادب لحاظ بھی ختم کر دیا ہے۔'' وہ کہہ کر باہر چلی گئی تھیں۔

وہ اس معاملے کو اپنی دانش مندی سے حل کرنا چاہتی تھیں، مگر بات اتنی آگے کی تھی کہ وہ اکیلی یہ معاملہ نہیں سلجھا سکتی تھیں اس لئے انہیں یہ سب شوہر کے گوش گزار کرنا پڑا تھا۔
''میں اس کا گلہ دبا دوں گا۔'' انہوں نے ابھی آدھی بات ہی سنی تھی اور بھڑک اٹھے تھے۔
''گلا دبا دینے سے بات بنتی تو میں کب کا گلا دبا چکی ہوتی۔'' انہوں نے شوہر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔
''تو کیوں نہیں دبایا، مجھ تک آنے سے پہلے تمہیں یہ کام کر دینا چاہیے تھا۔''
''فاروق صاحب یہ سب اتنا آسان نہیں۔''
''تو ٹھیک ہے اسے گھر میں بٹھاؤ، اس کا باہر آنا جانا بند کرو، بہت ہو گئیں پڑھائیاں۔''
''سیلاب کا راستہ روک دینے سے کبھی سیلاب بھی رکا ہے، اب ہماری بہتری اسی میں ہے کہ عقل مندی سے اس سیلاب کا رخ کہیں اور موڑ دیں تبھی ہم تباہی سے بچ سکتے ہیں۔''
''تو پھر ٹھیک ہے اس لڑکے کو کہو کہ اپنے گھر والوں کو لے کر جلد از جلد ہمارے گھر آئیں۔''
انہوں نے پاس پڑا پانی کا گلاس ایک ہی سانس میں ختم کیا تھا اور لمبی سانس خارج کرتے ہوئے بولے تھے۔
''ہاں یہ ٹھیک ہے، وہ اپنے گھر والوں کو لائے اور ہم اس کے گھر جائیں، اگر مناسب لوگ ہوں تو ان دونوں کو طریقے سلیقے سے ایک بندھن میں باندھ دیں بس بہتر یہی ہے۔'' وہ شوہر کی طرف دیکھ کر بولی تھیں، فاروق نے سر ہلا کر ان کی بات کی تائید کی تھی۔

☆☆☆

''داؤد تمہیں اپنے گھر والوں کو منانا ہی ہو گا۔'' وہ فون پر اس سے مخاطب تھی۔
''وہ تمہارے گھر آنے کو کسی صورت نہیں مانیں گے، ستارہ آخر تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔''
''پھر مجھے بھول جاؤ۔''
''تم ایسا کر سکتی ہو۔''
''بولو، جواب دو نا۔''
''نہیں۔'' وہ کہیں دور سے بولی تھی۔
''تو پھر میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں۔''
''ایسے میرے ماں باپ نہیں مانیں گے۔''
''انہیں کس قسم کی گارنٹی چاہیے میں دینے کو تیار ہوں۔''
''انہیں تمہاری نہیں تمہارے گھر والوں کی گارنٹی چاہیے۔''
''بس تم انہیں کسی طرح مناؤ۔''

''میں انہیں جانتا ہوں وہ کبھی نہیں آئیں گے۔''

''اور میں اپنے ماں باپ کو جانتی ہوں وہ ایسے ہی تمہارے ہاتھ میں میرا ہاتھ نہیں پکڑائیں گے۔'' ستارہ نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

جتنی دعائیں آتی تھیں
سب مانگ لیں ہم نے
جتنے وظیفے یاد تھے سارے
کر بیٹھے ہیں
کئی طرح سے جی دیکھا ہے
کئی طرح سے مر بیٹھے ہیں
لیکن جاناں!
کسی بھی صورت
تم میرے ہو کر نہیں دیتے
تم میرے ہو کر نہیں دیتے

☆☆☆

''آج چاول تم بناؤ گی۔'' وہ اپنے کمرے میں گھسی ہوئی تھی جب صبیحہ نے اندر آ کر اس سے کہا تھا۔

''کیوں تمہیں کیا مسئلہ ہے؟''

''مسئلہ مجھے نہیں امی جان کو ہے، ان کا کہنا ہے کہ اب تم بھی میرے ساتھ کچن میں میرا ہاتھ بٹایا کرو، تاکہ اِدھر اُدھر کی خرافات سے بچ سکو، کیونکہ مثال مشہور ہے خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے، اسی لئے تمہارے خالی دماغ میں داؤد نامی شیطان نے قبضہ جما لیا ہے۔'' وہ اس کے پاس بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتے ہوئے شرارت سے بولی تھی۔

''بکواس مت کرو، وہ شیطان نظر آتا ہے تمہیں۔''

''مجھے نہیں امی جان کو، چلو اب اٹھو اور میرے ساتھ باہر چلو۔''

''یار تم بنا لو نا، میرا موڈ نہیں ہے۔''

''یہ یار وار سے کام نہیں چلنے والا، مجھے امی سے مار نہیں کھانی۔''

''کیا مصیبت ہے۔'' وہ اس کے ساتھ باہر آ گئی تھی۔

''محبت نہ ہوئی کوئی عذاب ہو گیا۔'' کچن میں آ کر بھی اس کی بڑبڑاہٹ جاری تھی اور صبیحہ اس کی اس حالت کے بھرپور مزے لے رہی تھی۔

☆☆☆

''تمہارے گھر والے آنے کو تیار نہیں اور میرے گھر والے یہ بات ماننے کو تیار نہیں، آخر کریں تو کیا کریں۔'' اب اس کا ملنا تو ناممکن سی بات ہو گئی تھی، اس لئے وہ فون پر ہی داؤد سے مخاطب تھی۔

''اس کا ایک اور حل بھی ہے میرے پاس۔'' کافی دیر بعد داؤد کی سرسراتی ہوئی آواز آئی تھی۔

''وہ کیا؟'' وہ بے تابی سے بولی تھی۔

''کورٹ میرج۔''

''واٹ، کورٹ میرج۔'' اس کی چیخ نکلی تھی۔

''ہاں۔''

''کیا کہہ رہے ہو تم، ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''میں بالکل صحیح کہہ رہا ہوں، ایسا ممکن ہے، دنیا میں کوئی بھی کام ناممکن نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں، میں اپنے ماں باپ کو اتنا بڑا دھوکا نہیں دے سکتی۔''

''یہ محبت کرنے سے پہلے سوچنا تھا۔''

''محبت میں نے اس لئے تو نہیں کی تھی۔'' وہ بولی تھی۔

''تو پھر ٹھیک ہے جب ساتھ زندگی نہیں،

گزار سکتے تو اس محبت کا بھی کیا فائدہ، ایسا کرو مجھے بھول جاؤ، تم اپنے گھر خوش، میں اپنے گھر خوش۔''

''داؤد ایسا کبھی ہو سکتا ہے۔'' وہ رونے والی ہو گئی تھی۔

''یہ بھی نہیں ہو سکتا، وہ بھی نہیں ہو سکتا، یہ نیا پار لگانی ہے یا نہیں، جب گھر والے نہیں مان رہے تو پھر ہمیں اپنی اپنی زندگیوں کے لئے خود ہی کچھ کرنا ہے نا۔''

''داؤد!''

''جی جان من، یہ داؤد بھی تمہارا، اس کی جائیداد نام حسب نصب سب تمہارا تم ایک بار مان جاؤ، ماں باپ کتنے دن ناراض رہ لیں گے، زیادہ سے زیادہ چند مہینے، انہیں آخر ایک دن ماننا پڑے گا اور پھر جب میں ان کی لاڈلی بیٹی کو پھولوں کی طرح رکھوں گا بے تحاشا خوش رکھوں گا تو ان کے سارے اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔'' وہ آہستہ آہستہ اپنی باتوں سے ستارہ کو لبھا رہا تھا اور آج کل تو ویسے بھی ستارہ کو اس کی باتیں ہی زندگی لگا کرتی تھیں، تقریباً دو دن لگے تھے کشمکش میں اور فیصلہ ہو گیا تھا، داؤد کی محبت جیت گئی تھی اور ماں باپ کی اتنے سالوں کی ریاضت محنت اکارت گئی تھی، ستارہ کورٹ میرج کے لئے مان گئی تھی۔

☆☆☆

بارش تڑ تڑ برس رہی تھی، اندر باہر جل تھل کا سماں تھا، صبیحہ بیرونی گیٹ کے پاس ہی چکر لگا لگا کر تھک گئی تھی، وہ پوری بارش میں بھیگی ہوئی تھی مگر اسے کسی چیز کا کوئی ہوش نہیں تھا، اسے بس ستارہ کا انتظار تھا، جو صبح بے حد ضروری نوٹس کا بہانہ کر کے کالج گئی تھی اور ابھی تک اس کے آنے کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا، پتہ نہیں کیوں صبیحہ کو آج کچھ انہونی کا احساس ہو رہا تھا، چھٹی حس اندر ہی اندر کچھ غلط ہونے کا پتہ دے رہی تھی، مگر وہ اس خطرے کو اپنے اندر ہی دبا رہنے دینا چاہتی تھی۔

''صبو اندر آ جاؤ بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا۔'' یاسمین نے اسے برآمدے میں کھڑے ہو کر دیکھا تھا اور آواز لگائی تھی۔

''جی امی جان ابھی آتی ہوں۔''

''ادھر گیٹ کے پاس کیا کر رہی ہو۔''

''وہ ستارہ ابھی تک نہیں آئی، اسی کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''موسم بھی تو دیکھو، بارش رکے گی تو آ جائے گی۔'' یاسمین کا اپنا دل بھی بیٹھا جا رہا تھا، مگر وہ ساری بے چینی کو پس پشت ڈال کر کچھ بھی برا سوچنا نہیں چاہتی تھیں، انہیں اپنی ستارہ پر خود سے بھی زیادہ بھروسہ تھا۔

بارش رک گئی تھی، سہ پہر ڈھلی تھی اور شام اپنے پر پھیلانے کو تھی، ستارہ کو آج نہیں آنا تھا اور نہ ہی وہ آئی تھی، اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا، دونوں ایک دوسرے کے پاس بیٹھی کسی انہونی کے احساس میں گم تھیں۔

''میں فاروق کو بتاتی ہوں وہ باہر جا کر پتہ کریں کوئی حادثہ اس کے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔'' یاسمین نے اٹھتے ہوئے صبیحہ سے کہا تھا، اتنے میں صبیحہ کے موبائل پر انجان نمبر سے میسج آیا تھا۔

''صبیحہ میں نے اور داؤد نے کورٹ میرج کر لی ہے۔''

''ٹھہریئے امی جان۔''

''کیا ہوا؟'' صبیحہ کی انجان سی آواز پر ان کے قدم وہیں رک گئے تھے۔

''جو حادثہ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔''

''کیا مطلب، کیا ہوا ہے، مجھے بتاؤ صبو ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔'' وہ صبیحہ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر وہیں بیٹھ گئی تھیں۔

''امی جان ہماری ستارہ نے کورٹ میرج کر لی ہے اور وہ ہمیں چھوڑ کر چلی گئی ہے۔'' صبیحہ نے بتایا تھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، صبح کی بے چینی کی اب سمجھ آئی تھی، ستارہ ان لوگوں کو اتنا بڑا دھوکا بھی دے سکتی ہے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''کیا؟'' یاسمین وہیں بے ہوش ہو گئی تھیں۔

''ابو جان، ابو جان۔'' صبیحہ فاروق کو بلانے دوڑی تھی۔

عجیب رات درد بھری تھی، سنسناتی ہوئی، خوف زدہ کر دینے والی، یاسمین کو ہوش آ گیا تھا، وہ صبیحہ کے ساتھ لگی زاروقطار رو رہی تھیں۔

''وہ مر جاتی تو میں اونچے اونچے بین ڈالتی ساری دنیا مجھے پرسہ دیتی تو مجھے صبر و قرار آ جاتا۔'' وہ بولی تھیں۔

''وہ کیوں مر جاتی اس نے تو ہمیں جیتے جی مار دیا ہے، کل میں شان سے سینہ تان کر باہر نکلتا تھا اور آج سے میرے کندھے اور سر دونوں دنیا والوں کے سامنے جھک گئے ہیں۔'' فاروق نے بھی نقاہت بھری آواز میں کہا تھا۔

''میں نے تو اس کی بات سنی تھی اس پر کوئی الزام نہ لگایا، کوئی اذیت نہ دی اس کو، بلکہ اس کی بغاوت اور سرکشی کے ڈر سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ اس لڑکے کے گھر والوں کو کہو تمہارا ہاتھ مانگ کر لے جائیں، مگر اس بے غیرت نے پھر بھی بغاوت کر دی، اس گھر کی دیواروں سے ٹکرا کر انہیں ملیا میٹ کر دیا، ہمارے پیار اور عقل مندی کا یہ صلہ دیا۔'' یاسمین حرف بہ حرف درست کہہ رہی تھیں۔

''اسے اگر ہماری عزت کا اتنا خیال ہوتا تو کبھی غیر مرد کا نام بھی نہ لیتی، آج سے اس گھر میں کوئی اس کا نام نہیں لے گا ورنہ میں اپنی جان لے لوں گا۔'' فاروق صاحب نے سختی سے کہا تھا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تھے، پیچھے وہ دونوں رہ گئی تھیں ایک دوسرے کا غم بانٹنے کے لئے۔

☆☆☆

دن اور راتیں حسین سے حسین تر ہو گئی تھیں، ان دونوں کو کچھ یاد نہ رہا تھا، نہ گھر بار نہ گھر والے، نہ دنیا والے، نہ دنیا کی جگ ہنسائی نہ اپنا اٹھایا گیا غلط قدم، یاد تھا تو بس اتنا کہ وہ دونوں ساتھ تھے، محبت ان کے ساتھ تھی، پیار ہمراہ تھا، چاہت دیوانہ وار رقصاں تھی۔

داؤد تو چلو خیر مرد تھا مگر ستارہ کو بھی کچھ یاد نہ رہا تھا، نہ ماں نہ باپ نہ صبیحہ، کچھ بھی۔

''اب تمہیں اندازہ ہوا میرا فیصلہ کتنا صحیح تھا۔'' داؤد اس کی زلفوں سے کھیلتے ہوئے بولا تھا۔

''میں جس کام کو بہت مشکل سمجھ رہی تھی وہ اتنا آسان ہوگا، میں نے سوچا بھی نہ تھا۔''

''جانم میری محبت نے سب آسان بنا دیا ہے، ورنہ مشکل ہی تھا سب۔''

''ہاں یہ تو ہے۔''

''داؤد یہ اتنی بڑی حویلی کیا تمہاری ہے۔'' ستارہ نے پوچھا تھا۔

''اونہوں، میری نہیں ہے میری کبھی تھی مگر اب تمہاری ہے۔''

''کیا سچ۔''

''ہاں سچ مچ۔''

''داؤد تم کتنے اچھے ہو۔'' خوشی اس کے

انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

''جب میرے بابا نے دوسری شادی کی تھی تو میری ماں نے ان سے یہ حویلی میرے نام لکھوا لی تھی۔''

''مگر اس میں کوئی رہتا کیوں نہیں ہے۔''

''اس لئے کہ وہ سب اپنی آبائی حویلی میں رہتے ہیں اور اب تم آ گئی ہو نا، اس کو آباد کرنے، چونکہ یہ میری ہے تو اسے میری زندگی کو ہی آباد کرنا تھا نا۔'' اس نے ستارہ کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے کہا تھا۔

''آپ کی زندگی۔'' وہ بولی تھی۔

''ہاں میری زندگی جو کہ تم ہو۔'' داؤد نے کہا تھا اور ستارہ کے چہرے پر شفق کی لالی بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

دن اور رات اپنے تسلسل سے جاری و ساری تھے مگر زندگی اس گھر میں جیسے ٹھہر گئی تھی۔

پچھلا صحن اجڑا پڑا تھا، سارے پودے پانی کے بغیر سوکھ رہے تھے، درختوں سے گرے پتے یونہی پڑے تھے، صبیحہ تخت پر بیٹھی پاؤں ہلائے جا رہی تھی اور دور کہیں خلاؤں میں کچھ کھوج رہی تھی، آج ستارہ کو گھر چھوڑے کتنے ہی دن ہو گئے تھے، وہ اس کے بغیر اداس ہو رہی تھی، وہ دونوں ایک ساتھ کھیل کود کر جوان ہوئی تھیں، ان میں سگی بہنوں سے بھی زیادہ محبت تھی، اس کی جدائی پر صبیحہ کو اداس تو ہونا تھا۔

رہے یاسمین اور فاروق وہ دونوں اپنے کمرے میں بند تھے، کھانا پینا ہنسنا بولنا انہوں نے چھوڑ دیا تھا، بس دونوں کے سرہانے دوائیوں کا بکس دھرا رہتا تھا جو وہ پھانکتے تھے اور زندگی گزار رہے تھے۔

''ستارہ تم تو ہمیں جیتے جی مار گئی ہو، جیتے جی مار گئی ہو۔'' صبیحہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھی۔

''تم نے امی جان اور ابو جان کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا، تم نے میرے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا، مجھے بھی تنہا کر دیا اور انہیں بھی۔''

''ستارہ تم نے ایسا کیوں کیا؟'' آنسو پلکوں کی باڑھ توڑ کر گالوں پر بہہ نکلے تھے، صبیحہ نے انہیں صاف نہ کیا تھا، جس کی یاد میں یہ بہہ رہے تھے اسے ان لوگوں کی ذرا بھی فکر نہ تھی۔

''تم نے امی ابو پر سے میرا اعتبار بھی کھو دیا ہے، میں جب بھی ان کے سامنے جاتی ہوں وہ عجیب نظروں سے مجھے دیکھتے ہیں، جانتی ہو ان نظروں میں کیا ہوتا ہے، خوف، وحشت، پریشانی، مگر میں تمہارے جیسی نہیں ہوں اور ستارہ نہ بھی ہونا چاہوں گی۔'' اس نے اپنے آپ سے کہا تھا اور گالوں پر لڑھکتے آنسو صاف کر کے اندر آ گئی تھی۔

☆☆☆

اونچی دیواروں والی حویلی جس کے اردگرد پرندے بھی پر مارتے ہوئے خوف زدہ ہوتے تھے، جس کی بلندیوں سے ہوا بھی سرسراتی اور لجاتی ہوئی گزرتی تھی، جس کی راہداریوں سے رات بھی دبے پاؤں جاتی تھی، اس حویلی میں ستارہ مالکن بن کر اترا اترا کر چلتی تھی اور ملازمین پر رعب جماتی تھی۔

داؤد کی محبت تو تھی ہی اک نشہ، مگر جو نشہ اور لذت اس حکمرانی میں تھا اس کا مقابلہ کوئی چیز نہ کر سکتی تھی، انسان کی سرشت میں شاید یہ چیز شامل ہے کہ وہ اپنے ہی جیسوں کو حقیر جان کر خود کو بہت مغرور محسوس کرتا ہے اور ان دنوں یہی حال ستارہ داؤد کا تھا۔

وہ حویلی میں چوکیدار کی بیٹی سے اپنے

پاؤں دبوا رہی تھی اور آنکھیں بند کیے خوب مزے میں تھی، جب داؤد کمرے میں آیا تھا، ملازمہ اسے دیکھ کر فوراً باہر نکل گئی تھی ساتھ ہی ستارہ نے بھی آنکھیں کھولی تھیں۔

''یار تم دن بدن موٹی ہوتی جا رہی ہو، کچھ ہلا جلا کرو۔'' وہ بیڈ پر اس کے پاس آ کر بولا تھا اور اس کی کلائی میں پڑے بھاری کنگن کو چھیڑنے لگا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میں موٹی ہو رہی ہوں۔''

''ہاں تمہیں کیوں لگے گا کیونکہ کبھی موٹے لوگوں نے بھی کہا ہے کہ وہ موٹے ہیں۔''

''چھیڑ رہے ہو۔'' وہ اترائی تھی۔

''نہیں حقیقت بتا رہا ہوں۔'' وہ شرارت سے بولا تھا، وہ اک ادا سے زلفیں جھٹک کر رہ گئی تھیں، داؤد کے دل اور گھر پر اس کی مکمل حکمرانی تھی پھر یہ ادائیں تو اس کا حق تھیں۔

''اچھا سنو اماں کو ہمارے نکاح کا پتہ چل گیا ہے۔''

''اوہ یہ تو بہت برا ہوا۔'' وہ پریشان ہو اٹھی تھی۔

''انہیں کس نے بتایا۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے انہوں نے مجھے یونہی چھوڑ رکھا ہے، یہ جو ملازمین کی فوج ظفر موج ہے اس میں آدھے سے زیادہ تو ان کے مخبر ہوں گے۔''

''اب کیا ہوگا داؤد۔''

''کچھ نہیں ہوتا، میں ہوں نا یار۔'' اس نے ستارہ کو تسلی دی تھی اور وہ کچھ نہیں بتایا تھا جو اماں بیگم نے اسے کہا تھا، انہوں نے کہا تھا جب یہ عشق وشق کا بھوت دماغ سے اتر جائے تو بتا دینا شادی تو تمہیں میری بھتیجی سے ہی کرنی ہوگی۔

''پھر بھی داؤد، وہ بہت ناراض ہوئی ہوں گی۔''

''ظاہر ہے میں نے ان کے علم میں لائے بغیر اتنا بڑا کام کر لیا ناراض ہونا تو بنتا ہے نا ان کا۔''

''اب کیا ہوگا۔''

''ارے کچھ نہیں ہوتا، میں جب کہہ رہا ہوں کہ سب سنبھال لوں گا تو تمہیں فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے، چلو آؤ کھانا کھاتے ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیڈ سے اٹھانے لگا تھا۔

جس طرح وہ ستارہ کے ناز اٹھا رہا تھا اور مہینوں گزرنے کے بعد بھی اٹھا رہا تھا ستارہ اس پر پاؤں زمین پر نہیں آسمان پر رکھتے ہوئے چلتی تھی۔

☆☆☆

فاروق کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور اتنا شدید ہوا تھا کہ ان کا بچنا مشکل لگتا تھا، مگر صبیحہ اور یاسمین انہیں بروقت ہاسپٹل لے آئی تھیں یا شاید ابھی انہیں اور جینا تھا ان کی سانسیں باقی تھیں، انہیں اس دنیا میں اور غم سہنا تھا اس لئے وہ بچ گئے تھے۔

''ستارہ کو بتا دوں۔'' صبیحہ نے جائے نماز پر بیٹھی ہوئی یاسمین سے کہا تھا۔

''کس کو؟''

''ستارہ کو۔'' وہ دوبارہ بولی تھی۔

''اس بار تو تم نے اس کا نام ہمارے سامنے لے لیا ہے، آئندہ مت لینا، وہ ہمارے لئے مرگئی اور ہم اس کے لئے۔'' یاسمین نے سختی سے کہا تھا اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے تھے، صبیحہ فرش سے اٹھ کر سوئے ہوئے فاروق کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کیسی بد نصیب ہو ستارہ، تمہیں کانٹا بھی چبھتا تھا تو ابو ساری ساری رات تمہاری فکر میں

جاگتے تھے اور اب انہیں دیکھو تمہاری وجہ سے وہ موت کے منہ پر کھڑے ہیں، بڑا اچھا صلہ دیا ہے تم نے انہیں، تم نے بیٹی ہونے کا حق ادا کر دیا، واہ ستارہ واہ۔'' وہ خیالوں ہی خیالوں میں ستارہ سے مخاطب تھی۔

☆☆☆

''بی بی جی آپ۔'' وہ کچن میں آئی تو رخسانہ گھبرا گئی تھی کیونکہ وہ کچن میں کم ہی آتی تھی بلکہ اس نے کبھی جھانک کر نہیں دیکھا تھا کچن میں۔

''بی بی جی کچھ چاہیے تھا آپ کو مجھے بلا لیا ہوتا۔''

''نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیے آج میں داؤد کی پسند کی ڈش خود بناؤں گی، تم ایسا کرو یہ ساری چیزیں نکال کر باہر رکھو۔'' وہ رخسانہ کو چیزیں بتانے لگی تھی۔

''جی۔'' رخسانہ جلدی سے چیزیں نکال نکال کر باہر رکھنے لگی تھی۔

''رخسانہ تمہیں پتہ ہے کہ محبت سے جو کھانا بنایا جائے اس کا اثر کھانے والے پر کتنا ہوتا ہے۔''

''بی بی جی آج تو آپ نے بالکل میری اماں والی بات کی ہے۔'' رخسانہ چوکیدار کی بیٹی تھی اور دس جماعتیں پاس تھی، غربت نے آگے پڑھنے نا دیا اور اس کا باپ اسے اپنے ساتھ ہی حویلی میں لے آیا، اسے بھی حویلی میں آئے ہوئے ایک مہینہ ہی ہوا تھا، مگر اپنی ذہانت اور خدمت کی وجہ سے وہ ستارہ کے بہت قریب آ گئی تھی، ستارہ کو بھی ذہین اور خوبصورت رخسانہ اچھی لگتی تھی۔

''اچھا وہ بھی یہی کہا کرتی تھیں۔''

''جی۔''

''اس کا مطلب ہے وہ بھی تمہارے ابا سے بہت محبت کرتی ہیں۔'' ستارہ نے کٹنگ بورڈ پر ٹماٹر رکھے تھے اور کاٹنے لگی تھی۔

''ہاں جی بہت، بی بی جی لایئے یہ تو میں کاٹ دوں آپ کے ہاتھ خراب ہو جائیں گے۔''

''تم کاٹو گی تو پھر میرا کھانا بنانے کا کیا فائدہ۔'' اس نے کہا تھا اور ساتھ ہی چھری سے اس کی انگلی پہ کٹ لگ گیا تھا۔

''سی۔'' اس نے جلدی سے انگلی دبالی تھی۔

''اوہ میں نے کہا تھا نا بی بی جی یہ آپ کے کرنے کا کام نہیں ہیں۔'' ستارہ نے جلدی سے ٹشو پیپر لا کر سامنے رکھا تھا۔

''میں نے تمہیں کتنی بار کہا ہے یاسمین کہ یہ میری بیٹی کے کرنے کا کام نہیں ہیں۔'' آنکھوں کے سامنے ایک بھولا بسرا منظر لہرایا تھا، وہ کچن میں اماں کی وجہ سے زبردستی آ تو گئی تھی اور بے دلی سے چاولوں کے لئے پیاز کاٹ رہی تھی جب اس کی انگلی پر ایسے ہی کٹ لگ گیا تھا اور وہ بھاگتی ہوئی باہر صحن میں اخبار پڑھتے ہوئے فاروق کے پاس آ کر رونے لگی تھی، انہوں نے اسی وقت نہ صرف اس کے پٹی باندھی تھی بلکہ یاسمین کو بھی خوب ڈانٹا تھا اور اسے آئس کریم بھی لا کر کھلائی تھی۔

''ابو جی۔'' انگلی کا درد اب کم پڑ گیا تھا مگر ایک اور درد اٹھا تھا دل میں اور باپ یاد آیا تھا۔

''ابو جی۔'' وہ آنسوؤں میں ڈوبی آنکھیں لئے کچن سے باہر آ گئی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں کیا ضرورت تھی کچن میں جانے کی۔'' داؤد نے اس کی انگلی کو دیکھا تھا تو ڈانٹنے لگا تھا۔

''بس تھی ضرورت۔'' وہ باپ کو یاد کر کے چڑ چڑی سی ہو رہی تھی۔

''ملازم کیا مر گئے تھے۔'' وہ بولا تھا۔

''خود ہی تو کہا تھا ہلا جلا کرو، بیٹھ بیٹھ کر موٹی ہو رہی ہو۔''

''یار وہ مذاق میں کہا تھا۔''

''اچھا چھوڑیں کچھ نہیں ہوا، ذرا سا تو کٹ ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے ہاتھ چھڑا کر کروٹ بدل لی تھی۔

''آج موڈ کیوں خراب ہے۔'' داؤد نے اس کا چہرہ دوبارہ اپنی طرف موڑا تھا۔

''نہیں ٹھیک ہوں۔''

''سچ بتاؤ، کیا بات ہے۔'' وہ بھی اپنے نام کا ایک تھا۔

''ابو جی بہت یاد آ رہے ہیں۔'' صبح کے روکے آنسو داؤد کے سامنے بہنے لگے تھے۔

''اوہ تو یہ بات ہے، تو بات کر لوان سے۔'' داؤد نے آسان ساحل پیش کیا تھا۔

''بات کر لوان سے، کیا ان سے اب بات کرنا اتنا ہی آسان ہے۔'' اس نے داؤد کو گھور کر دیکھا تھا۔

''مجھ پر غصہ آ رہا ہے، میری وجہ سے یہ سب ہوا ہے نا۔'' وہ اس کے گھورنے پر جلدی سے بولا تھا۔

''نہیں تم پر غصہ کیوں آئے گا، خود پر آ رہا ہے۔''

''خود پر بھی نہیں آنا چاہیے، چلو اٹھو کوئی اچھی سی مووی دیکھتے ہیں، تمہارا موڈ فریش ہو جائے گا، میرا اس وقت بہت موڈ ہے کوئی اچھی سی مووی دیکھنے گا۔''

''تم دیکھو جا کر میں سوؤں گی۔'' اس کا دل آج واقعی اداس ہو رہا تھا۔

''سونا ہے یا رونا ہے۔''

''نہیں سونا ہے۔''

''پرامس۔'' وہ ہاتھ پھیلا کر بولا تھا۔

''پرامس۔'' اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

''اوکے میں تو مووی دیکھنے لگا ہوں۔'' وہ اٹھ گیا تھا اور ستارہ کی نیند آنکھوں کے پیچھے کئی مناظر ایک ساتھ چلنے لگے تھے۔

☆☆☆

فاروق کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور وہ گھر آ گئے تھے مگر بہت کمزور ہو گئے تھے، صبیحہ اور یاسمین پہلے سے بھی بڑھ کر ان کا خیال رکھنے لگی تھیں۔

''یاسمین ایک بات کہوں۔'' صبیحہ ابھی انہیں سوپ پلا کر باہر گئی تو فاروق نے کہا تھا۔

''جی۔''

''صبیحہ کے لئے رشتے والی سے بات کرو کہ وہ جلد از جلد اس کا کوئی اچھا سا رشتہ کروائے، میں اب اس کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں، زندگی کا کیا بھروسہ کب یہ چراغ بجھ جائے۔''

''کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، ڈاکٹر نے بھی آپ کو اسٹریس لینے سے منع کیا ہے نا۔''

''جو بھی ہے تم اب اس کے لئے کوئی اچھا سا رشتہ تلاش کرو۔''

''جی میں آج ہی کہتی ہوں کسی سے۔''

''ہاں اب اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔'' یاسمین نے بھی فاروق کی بات سے اتفاق کیا تھا۔

☆☆☆

''داؤد آج رخسانہ کی اماں نے مجھ سے

ایک عجیب بات کی۔"
"اچھا، وہ کیا؟"
"کہنے لگی بی بی جی ماشاء اللہ سے آپ کی شادی کو آٹھ مہینے ہو گئے ہیں اور آپ کی گود ابھی ہری نہیں ہوئی، کسی ڈاکٹر کو دکھایا آپ نے، تب سے میں یہی سوچ رہی ہوں کہ اس طرف تو ہمارا دھیان ہی نہیں گیا، ہمیں کسی اچھی ڈاکٹر سے ملنا چاہیے نا۔"
"ہاہاہا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا تھا مگر داؤد زور زور سے ہنسنے لگا تھا۔
"کیا ہوا؟ میں نے کوئی لطیفہ تو نہیں سنایا۔"
"یہ بھی ایک لطیفہ ہے، پتہ ہے ان فارغ عورتوں کو ایسی باتوں کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا اور تم بھی اس کی باتوں میں آ گئی، کم آن یار آٹھ مہینے ہوئے ہیں آٹھ سال تو نہیں۔"
"داؤد۔" اس نے اسے ٹوکا تھا۔
"اچھا اب یہ نہ کہہ دینا چلو اٹھو ڈاکٹر کے پاس چلیں، بس جب اس کی منظوری ہو گی خدا کی طرف سے ہو گی، تم ٹینشن مت لو۔" وہ کہہ کر واش روم میں گھس گیا تھا، ستارہ بند دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی، داؤد نے اس مسئلے کو سنجیدہ لیا ہی نہیں تھا۔
رات آئی تھی اور دبے پاؤں آئی تھی، ستارہ مخملیں کمبل اوڑھے محو خواب تھی، داؤد چپکے سے اٹھا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا، ستارہ سوتی رہ گئی تھی اور سورج نکل آیا تھا۔

☆☆☆

"رخسانہ کہاں ہے۔" زرینہ اس کے لئے صبح جوس لے کر آئی تو اس نے رخسانہ کو نا پا کر پوچھا تھا۔
"جی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔" وہ جوس رکھ کر باہر نکل گئی تھی۔
شام کو بھی رخسانہ نظر نہ آئی تو اس نے زرینہ سے پھر پوچھا تھا۔
"پتہ نہیں جی، وہ اپنے کوارٹر میں ہے۔"
"اچھا جاؤ اس کو بلا کر لاؤ، دیکھوں تو سہی اس کی طبیعت کتنی خراب ہے، اگر زیادہ خراب ہوئی تو ڈرائیور کے ساتھ میڈیسن لینے بھیج دوں گی۔"
"جی۔" زرینہ سر ہلا کر رخسانہ کو بلانے چلی گئی تھی، تھوڑی دیر بعد رخسانہ اس کے سامنے تھی۔
"ارے تمہیں کیا ہوا۔" سوجی آنکھیں، لال چہرہ، بکھرے بال، زرد رنگ ایک ہی دن میں رخسانہ تو بالکل بدل گئی تھی۔
"اگر اتنی طبیعت خراب تھی تو صبح سے کوارٹر میں کیوں پڑی ہوئی ہو، ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھایا اور تمہاری اماں کہاں ہیں۔" رخسانہ کو گم صم دیکھ کر وہ خود سے ہی بولنے لگی تھی۔
"دوائی کھا لی ہے۔" وہ ستارہ سے نظریں ہی نہ ملا پا رہی تھی، آہستہ سے بولی تھی۔
"اچھا، چلو پھر ٹھیک ہے، اگر دوائی کھا لی ہے تو جاؤ جا کر آرام کرو۔" اس نے رخسانہ سے کہا تھا اور ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگی تھی۔

☆☆☆

"داؤد مگر میں اتنی بڑی حویلی میں رات کیسے گزاروں گی تمہارے بغیر۔" داؤد نے اسے کال کر کے بتایا تھا کہ وہ آج رات اپنے ایک دوست کو پارٹی دے رہے ہیں اس لئے سب یار دوست رات اس کے فارم ہاؤس پر گزاریں گے، وہ اس کا فون سن کر پریشان ہو گئی تھی۔
"ارے یار اکیلی، اتنے سارے ملازموں

کے ہوتے ہوئے بھی اگر تم خود کو اکیلی تصور کرتی ہو تو حیرانی والی بات ہے۔''
''مگر تم تو نہیں ہو گے نا، اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اب مجھے تمہارے بغیر نیند نہیں آتی، میں ساری رات جاگتے ہی گزار دوں گی۔''
''اوہو، تم تو کبھی کبھی بالکل بچوں کی طرح ضد کرنے لگتی ہو۔'' اتنے مہینے ہو گئے تھے اسے ستارہ کے ساتھ رہتے، ٹھیک ہے اس نے ستارہ کو ٹوٹ کر چاہا تھا مگر جو بے وفائی اس کے خون میں شامل تھی یہی بڑی بات تھی کہ اس نے ستارہ کو اپنا نام دیا سب کچھ دیا عزت دی، مگر اب اندر کا خون جوش مارتا تھا اور دن رات ایک ہی چہرہ دیکھ دیکھ کر وہ اوب گیا تھا، اس لئے اس کی محبت کے چنگل سے وہ کچھ دیر کے لئے ہی سہی مگر فرار چاہنے لگا تھا۔
''اوکے گڈ نائٹ۔'' اس نے ستارہ کی مزید تاویلیں سننے کے بعد فون بند کر دیا تھا۔
ستارہ ساکت موبائل کو گھور کر رہ گئی تھی، اتنا تو وہ بھی جان گئی تھی کہ داؤد کے فیصلوں کو ایک انچ بھی نہیں بدلا جا سکتا۔
رخسانہ کی طبیعت اب ٹھیک تھی، اس نے رخسانہ کو کہا تھا کہ وہ اس کے کمرے میں ہی فرش پر گدا ڈال کر سو جائے۔
''رخسانہ ایک بات پوچھوں۔'' داؤد کے بغیر کمرہ کاٹ کھانے کو دوڑ رہا تھا اور نیند واقعی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، اس نے فرش پر لیٹی ہوئی رخسانہ سے پوچھا تھا۔
''جی بی بی پوچھیں۔''
''کل تمہاری اماں مجھے بتا رہی تھیں کہ انہوں نے تمہاری بات اپنی بہن کے بیٹے یعنی تمہارے خالہ زاد سے پکی کی ہوئی ہے اور وہ جلد ہی تمہاری شادی کر دیں گی، تو کیا تم اس رشتے سے خوش نہیں ہو، کیونکہ کچھ دنوں سے میں نوٹ کر رہی ہوں تم بہت چپ چپ رہنے لگی ہو، یا پھر کوئی اور بات ہے۔''
''بی بی ہماری خوشی کیا اور ناخوشی کیا، ہم تو وہ بھیڑ اور بکریاں ہیں جنہیں جس طرف بھی ہانکو ادھر ہی چل پڑیں گی۔'' وہ اداسی سے بولی تھی۔
''کیا مطلب۔'' اس کے جواب کی گہرائی پر وہ حیران ہوئی تھی۔
''مطلب صاف ظاہر ہے ہم سے مرضی ورضی کون پوچھتا ہے یہ تو آپ جیسے لوگوں کو چونچلے ہیں۔'' رخسانہ کی بات سیدھا تیر کی طرح اس کے دل میں لگی تھی اب وہ رخسانہ کو کیا بتاتی کہ جس شان وشوکت کی آج وہ مالک ہے وہ انہی چونچلوں کی مرہون منت ہے، کیسے اس نے اپنی مرضی چلانے کے لئے ماں باپ کی عزت پر لات ماری ہے۔
''اچھا ٹھیک ہے، اب سو جاؤ، مجھے نیند آ رہی ہے۔'' رخسانہ کی بات نے اسے کیا کیا کچھ یاد نہیں دلایا تھا، ابھی اس کا رخسانہ سے مزید باتیں کرنے کا موڈ تھا، مگر اب بیزاری سے بولی تھی اور کروٹ دوسری طرف لے لی تھی۔
رات ٹھیک طرح سے نیند نہ آئی تھی بار بار آنکھ کھلتی رہی تھی، جب بھی آنکھ کھلی نئے سرے سے داؤد پر غصہ آنے لگتا تھا۔
آخر خدا خدا کر کے رات گزری تھی اور صبح کی سفید نمودار ہوئی تھی۔

☆☆☆

''شکر ہے اللہ پاک نے صبیحہ کو عزت کے ساتھ اپنے گھر کا کر دیا۔'' یاسمین اور فاروق اطمینان بھرے چہروں کے ساتھ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور صبیحہ کو وداع کر کے بہت پرسکون تھے، شکر اس بات کا تھا کہ صبیحہ کی جو ذمہ داری خدا

نے ان دونوں کے سپرد کی تھی اس سے وہ پوری ایمانداری سے سبکدوش ہوئے تھے، صحن میں گزری تقریب کی باقیات اِدھر اُدھر بکھری ہوئی تھیں، بے شک گھر میں صبیحہ کے جانے کے بعد سناٹا ہو گیا تھا، جان لیوا خاموشی سارے میں چکراتی پھر رہی تھی مگر ان دونوں کو آج یہ خاموشی اور سناٹا اچھا لگ رہا تھا، انہوں نے خیریت کے ساتھ ایک فرض ادا کیا تھا۔

''جو کچھ ستارہ نے کیا میں تو ڈر رہی تھی کہ شاید ہی کبھی صبیحہ کے لئے ہمارے در پر کوئی آئے۔'' یاسمین نے کہا تھا۔

''ستارہ کے کیے کی سزا صبیحہ کو کیسے مل سکتی تھی۔''

''یہ دنیا بڑی ظالم ہے فاروق صاحب، یہ کسی کو نہیں بخشتی، یہاں کسی کی سزا کسی کو بھی مل جاتی ہے۔''

''ہوں صحیح کہہ رہی ہو تم، اچھا اب اٹھ کر اندر آ جاؤ اور آرام کرو یہ سب کچھ سمیٹنے نہ لگ جانا، صبح سب کچھ سیٹ ہو جائے گا۔'' فاروق نے اٹھتے ہوئے یاسمین سے کہا تھا۔

''مجھ میں اب کہاں ہمت ہے یہ سب کرنے کی۔'' وہ بھی اٹھ کر ان کے پیچھے پیچھے اندر آ گئی تھیں۔

''صبیحہ ہوتی تو سارا کچھ صاف کر کے سوتی، اللہ پاک میری بچی کے نصیب اچھے کرے۔'' یاسمین صبیحہ کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئی تھیں، صبیحہ نے ان کی سگی بیٹی سے زیادہ ان کی خدمت کی تھی۔

''آمین۔'' فاروق نے بھی اس کے اچھے نصیب کی دعا کی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں پتہ ہے میں نے رات کیسے گزاری۔'' دوپہر بارہ بجے کے قریب داؤد واپس آیا تھا، ستارہ اس کی شکل دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

''اچھی بیوی ہو تم، نہ سلام نہ دعا، نہ پانی وانی پوچھا اور آتے ہی کلاس لے ڈالی۔'' وہ صوفے پر گرتے ہوئے بولا تھا۔

''کیا رات بھر سوئے نہیں۔'' تھکاوٹ اس کے انگ انگ سے عیاں تھی۔

''جب یار دوست اکٹھے ہوں ہلا گلا ہو تو پھر کون کافر سوتا ہے اور وہ سونے بھی کب دیتے ہیں، اچھا یار میں تو کمرے میں جا رہا ہوں، بے حد تھکا ہوا ہوں، مجھے شام سے پہلے پہلے مت اٹھانا۔'' وہ اپنا کوٹ اٹھا کر بولا تھا۔

''مگر داؤد۔''

''شش۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر داؤد نے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کروا دیا تھا۔

''کہنا ساری باتیں شام میں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا تھا، ستارہ اس کی پشت کو گھور کر رہ گئی تھی۔

کل شب کی جاگی ہوئی ستارہ رات کی سیاہی پھیلتے ہی کھانا کھا کر لیٹ گئی تھی اور لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی تھی، داؤد چونکہ شام تک سوتا رہا تھا اس لئے اس کی آنکھوں میں تو نیند کا نام و نشان تک نہیں تھا، وہ کچھ دیر تو موبائل پر گیمز کھیلتا رہا تھا پھر بور ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا، رخسانہ سارا کچن صاف کر کے اور سمیٹ کر کچن سے نکلی ہی تھی کہ سامنے داؤد آ گیا تھا۔

''کیا حال احوال ہیں رخسانہ بی بی۔'' اس نے آگے بڑھ کر رخسانہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا، رخسانہ سر سے پاؤں تک کانپنے لگی تھی، اسے ابھی تک وہ رات نہیں بھولی تھی جب صاحب نے اس سے اس کی جوانی کا خراج لیا تھا اور وہ نادان معصوم مگر

مجبور و بے بس لڑکی سوائے رونے دھونے کے اور کچھ نہ کر سکی تھی۔

''چھوڑیں میرا ہاتھ، میں اپنے کوارٹر میں جا رہی ہوں۔'' اس نے لرزتے کانپتے لہجے میں ہمت کر کے کہہ ہی دیا تھا۔

''اوہ اتنی جرأت، مجھے یعنی داؤد کو ہاتھ چھوڑنے کا کہہ رہی ہو ہاہاہا۔''

''ارے تمہاری یہی جرأت اور معصومیت نے تو مجھے تمہاری طرف متوجہ کیا ہے۔'' داؤد نے پہلے سے بھی سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور اسے گھسیٹتے ہوئے اسٹڈی میں لے آیا تھا۔

نہ جانے کس احساس کے تحت ستارہ کی آنکھ کھلی تھی، شاید وہ آج وہ بہت جلدی سو گئی تھی، یا شاید کسی انہونی کے احساس نے اسے جگا دیا تھا، اس نے اپنے برابر دیکھا تو داؤد کی جگہ خالی تھی، اس نے مندی مندی آنکھوں سے موبائل اٹھا کر دیکھا تو رات کا ایک بج رہا تھا۔

''داؤد کہاں ہے۔''

''یہیں کہیں ہو گا، آ جائے گا۔'' اس نے خود ہی سوال کیا تھا اور خود ہی جواب دے کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

مگر کچھ تھا جو نیند آنکھوں کے پیچھے بے چین کرنے لگا تھا، اس نے دوبارہ سے آنکھیں کھولی تھیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''داؤد کو دیکھوں۔'' وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی اور کمرے سے باہر آ گئی تھی، باہر ہو کا عالم طاری تھا، اس وقت سارے ملازمین اپنے اپنے کوارٹروں میں تھے، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، سامنے گلاس وال سے لان کا منظر بھی واضح تھا، داؤد وہاں بھی نہیں تھا۔

''اسٹڈی میں ہو گا۔'' اس نے جلدی سے اوپر کی طرف رخ کر لیا تھا، اسٹڈی روم دوسری منزل پر تھا، کاش وہ اسٹڈی روم کا دروازہ نہ کھولتی، کاش جو منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہ کبھی نظر نہ آتا، کاش وہ اس منظر کو دیکھنے سے پہلے ہی مر جاتی، کاش کاش پھر کاش۔

''ستارہ!'' داؤد جو پوری طرح رخسانہ پر جھکا ہوا تھا، دروازہ کھلنے کی آواز پر جب اس نے ستارہ کو دیکھا تو زمین اس کے بھی پاؤں تلے سے سرک گئی تھی، ستارہ پیچھے مڑ کر بھاگی تھی اور بھاگتی ہی چلی گئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں آ کر نیچے قالین پر بیٹھ گئی تھی اور سر پیٹ کر رونے لگی تھی، جس شخص کی خاطر اس نے اپنے گھر کو چھوڑا، والدین اور بہن کو چھوڑا اور جس کو اس نے ٹوٹ کر چاہا اس کی اصلیت تو آج سامنے آئی تھی ورنہ وہ اب تک اک خواب میں ہی جی رہی تھی۔

اداسی کی
کوئی تو آخری حد ہو
کہ جس کے بعد
ممکن نہ رہے کچھ اور غم سہنا
یا پھر یوں ہو کہ
غم سہنے کی عادت اس طرح کچھ ہو
کہ سہہ کر بھی
نہ جنبش ابروؤں میں اور نہ ماتھے پہ بل آئے
شکستہ، ٹوٹے، اعصاب پر طاری تھکن نہ ہو
لبوں سے بے ارادہ آہ نہ نکلے
نہ دل ڈوبے
کبھی ہلکی نمی رخسار پر
آنکھوں سے نہ اترے
لبوں کو سی لیا جائے
نمی کو پی لیا جائے
چبھن میں اور تھکن میں

خامشی سے جی لیا جائے
اداسی کی کوئی تو
آخری حد ہو

☆☆☆

کمرے میں ایسی خاموشی تھی کہ سوئی بھی پھینکو تو آواز دور تک سنی جائے، وہ دونوں ہاتھ گود میں دھرے جانے کب سے یوں بیٹھی تھی جیسے کوئی موی مجسمہ ہو، وہ کمرے میں آیا تو بس انگلیوں سے اس طرح اپنا سر کھجا رہا تھا جیسے اسے شرمندگی کم اور اس کی کھسیاہٹ زیادہ تھی۔

"دیکھو ستارہ، مالکوں اور ملازموں میں تو پھر اس طرح چلتا رہتا ہے، ان ملازموں کا اور کام کیا ہوتا ہے مالکوں کو خوش کرنا۔" وہ ستارہ کے بالکل پاس زمین پر ہی بیٹھ گیا تھا اور اس کے سرد ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

اس کے عمل سے جو ابھی ابھی ستارہ دیکھ کر آئی تھی اس کے الفاظ زیادہ کریہہ اور بدشکل تھے، جو اس نے ابھی ستارہ کی سماعتوں میں انڈیلے تھے۔

ستارہ سوچ رہی تھی وہ آئے گا تو شرمسار ہو گا، اپنی چوری پر ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگے گا، دوبارہ ایسا کچھ بھی نہ کرنے کی قسمیں کھائے گا، اس کے پاؤں پڑ جائے گا اور وہ تو اس سب پر بھی اسے بخشنے کو تیار نہیں تھی مگر اس کی سوچ، سوچ ہی رہی تھی وہ آیا تھا اور اس نے ایسا کچھ نہ کہا تھا، ستارہ کا خون اندر ہی اندر کھولنے لگا تھا، وہ اس کی محبت اور چاہت کا قاتل تھا، اس کے ارمانوں کا قاتل تھا، اس کا دل کر رہا تھا کہ اس سمے وہ یا تو اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی یا پھر اپنی زندگی اپنے ہاتھوں ختم کر لیتی۔

☆☆☆

"کیا ملازموں کا کام ہوتا ہے مالکوں کو خوش کرنا۔" اگلے دن داؤد جانے کہاں تھا اور رخسانہ قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی کل سے ستارہ سے چھپتی پھر رہی تھی، ستارہ نے اسے اس کے کوارٹر میں جا پکڑا تھا، وہ آج بھی اجڑے حالوں میں بیٹھی تھی اور اس کی کچھ دن پہلے کی حالت بھی ستارہ کی نظروں میں آ گئی تھی، اس کا مطلب تھا و بیماری داؤد تھا، ستارہ نے اس کے پاس کھڑے ہو کر سرد لہجے میں پوچھا تھا۔

"نہیں بی بی، ہم خدمت کرتے ہیں، ہم محنت مزدوری کرتے ہیں اور حق حلال کا کھاتے ہیں، ہمارے ذمے تو نہیں ہوتا کہ ہم مالکوں کی ہ ناجائز فرمائش بھی قبول کریں۔" وہ اس کے الزا پر تڑپ اٹھی تھی۔

"تو پھر۔" وہ اس کی آنکھوں سے گر والے آنسوؤں کو دیکھ کر بولی تھی۔

"آپ تو جانتی ہیں، صاحب کس قدر ظا ہیں، میں نے ان کی بہت منتیں کی تھیں بہت واسطے دیئے تھے ان کو، مگر......"

"صاحب ظالم تھے اور ہیں۔" یہ تو ستار بی بی کو پتہ ہی نہیں چلا تھا، اس نے تو داؤ صاحب کا ایک روپ دیکھا تھا اور دوسرا روپ تھا جو آج رخسانہ کے الفاظ اسے دکھا رہے تھے۔

☆☆☆

"یہ تم نے کیا کیا خود کو مجھ سے اتنا الگ لیا، یار اب بس بھی کرو، مان لیا مجھ سے ایک غلط ہوئی مگر اس کی سزا اتنی بڑی تو نہ دو۔" وہ اپنے روم سے گیسٹ روم میں شفٹ ہو گئی تھی، داؤ تھا اور اس کو بچوں کی طرح بہلانے لگا تھا، جس طرح اپنی محبت کا لالی پاپ دے کر وہ اسے سے بھگا لایا تھا، آج پھر وہی لالی پاپ ہاتھ میں پکڑے غلطی بھی یوں مان رہا تھا جیسے ست فاروق پر کوئی احسان عظیم کر رہا ہو۔

"یہ سزا میں تمہیں نہیں خود کو دے رہی ہوں۔" پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر وہ بڑی دیر بعد بولی تھی۔

"اچھا اب بس بھی کرو نا۔" اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا تھا۔

"مت چھوؤ مجھے۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی تھی۔

"ستارہ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" وہ جاگیردار تھا، اپنے باپ دادا بھائیوں کزنز سب کو یہ سب کرتے دیکھتا آیا تھا، ستارہ جس طرح ری ایکٹ کر رہی تھی اس کے خاندان کی عورتوں کو اس نے کب یہ کرتے دیکھا تھا۔

"داؤد بس جو ہو گیا ہے اتنا ہی بہت ہے، اب تم جاؤ یہاں سے۔"

"او کے چلا جاتا ہوں، مگر اتنا تو بتا دو یہ غصہ یہ ناراضگی آخر کتنے دن تک چلے گی۔" وہ اس کے موڈ کو بہت لائیٹ لے رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ بس تم جاؤ یہاں سے۔" اس نے منہ موڑ لیا تھا اور وہ چلا گیا تھا۔

"اتنی محبت اور اتنا حق پا کر لوگ ایسے ہی مغرور ہو جایا کرتے ہیں، جس طرح ستارہ داؤد تم ہو گئی ہو۔" وہ باہر نکلتے ہوئے دل ہی دل میں سوچ کر مسکرایا تھا۔

☆☆☆

"تم میرے ساتھ تھانے چلو گی اور داؤد کے خلاف پرچہ درج کرواؤ گی۔" اس نے دو دن سوچتے ہوئے گزارے تھے کہ وہ داؤد کو کیا سزا دے اور پھر سزا اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

"بی بی جی میں۔" رخسانہ جی جان سے کانپ گئی تھی۔

"ہاں اب وقت بدل گیا ہے، اب ملازموں کے حقوق بھی بدل گئے ہیں، اب ملازم مالکوں کو ناجائز خوش نہیں کر سکتے، یہ زیادتی اور ہراسمینٹ کے زمرے میں آتا یہ سب اور میں ظالم کا ساتھ نہیں دوں گی، مظلوم کا ساتھ دوں گی۔"

"مگر بی بی جی میں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی، ہم غریب اور کمزور لوگ ہیں اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پر رو پیٹ کر خاموش ہو جاتے ہیں، مگر ظالم اور طاقت ور کے خلاف لڑ نہیں سکتے۔"

"دیکھو رخسانہ تم پڑھی لکھی ہو، اتنا تو جانتی ہو اب زمانہ بہت بدل گیا ہے، اگر تم اپنے حق کے لئے آواز اٹھاؤ گی تو کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور جو بگاڑے گا وہ خود بھی اس روئے زمین پر دندناتا نہیں پھرے گا۔"

"نہیں نہیں بی بی جی میں یہ سب نہیں کر سکتی۔" اس نے صاف انکار کر دیا تھا اور وہ تب تک رخسانہ کے پاس بیٹھی رہی تھی جب تک کہ اس نے اسے منا نہیں لیا تھا۔

"اس کی اتنی ہمت کہ وہ میرے خلاف پرچہ درج کروانے پہنچ گئی۔" داؤد تک بات پہنچ گئی تھی اور وہ دیوانہ بن گیا تھا، اس نے اس کے خلاف اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے اس کے ماں باپ کو ایک تگڑی رقم دے کر ان کے گاؤں روانہ کر دیا تھا، تاکہ داؤد اپنا غصہ ان پر نہ نکال سکے اور رخسانہ کو اس نے ایک محفوظ ٹھکانے پر رکھا ہوا تھا، کیونکہ جب اس نے کیس درج کروا دیا تھا تو رخسانہ کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

"میں اپنا اور اپنے خاندان کی عزت کا جنازہ نہیں نکال سکتا، وہ جب بھی اور جہاں بھی نظر آئے اسے گولی مار دینا۔" داؤد نے اپنے بندوں کو رخسانہ کے پیچھے لگا دیا تھا۔

☆☆☆

''مجھے بتاؤ یہ سب تم نے کیا ہے نا۔'' وہ ستارہ کے سر پر کھڑا چیخ رہا تھا۔

''کیا سب۔'' آج اس کے چہرے پر کچھ اطمینان نظر آ رہا تھا، وہ اسی طرح ٹھنڈے لہجے میں بولی تھی۔

''اتنی انجان مت بنو، وہ دو ٹکے کی لڑکی رخسانہ اس کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ میرے خلاف تھانے کچہری میں جا سکے، مجھے صاف بتاؤ یہ سب تم نے کروایا ہے نا۔''

''جو بھی کیا ہے تم نے کیا ہے، میں نے کچھ نہیں کروایا۔''

''اب تمہاری محبت کہاں چلی گئی ہے جو بڑے بڑے دعوے رکھتی تھی۔''

''وہیں جہاں تمہاری محبت چلی گئی تھی، تم بھی تو مجھ سے اس محبت کے بڑے بڑے دعوے کرتے تھے۔''

''بات سنو ستارہ بی بی ہمارے ہاں مردوں کی برابری نہیں کی جاتی اور ایک عورت تو بالکل بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ اس کے بازو کو جھٹکا دے کر باہر نکل گیا تھا۔

''اب چوٹ لگی ہے تو تلملا رہے ہو نا داؤد صاحب، ایسے جانے کتنے دن اور کتنی راتیں میں بھی تلملاتی رہی ہوں۔'' اس نے داؤد کے غصے کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی تھی، اس کے پیچھے بڑبڑانے لگی تھی۔

داؤد کو ایسے تھانے کچہریوں سے نمٹنا خوب آتا تھا، اس نے بھاری بھرکم رقم دے کر تھانیدار کا منہ بند کر دیا تھا، اب بس رخسانہ یہاں کے چکر لگا سکتی تھی اس کا کیس تھانیدار کی میز سے آگے نہیں جا سکتا تھا، اس کام کے بعد اب اس نے رخسانہ کی تلاش تیز کر دی تھی اس کے بندے کتوں کی طرح اس کی بو سارے شہر میں سونگھتے پھرتے تھے۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے، میں اس حویلی سے باہر کیوں نہیں جا سکتی۔'' داؤد شام میں گھر آیا تو وہ پھٹ پڑی تھی۔

''میری مرضی۔'' وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔

''داؤد یہ سب کیا ہے؟'' وہ چلائی تھی۔

''ستارہ آہستہ آواز میں بات کرو اور یہ جان لو کہ یہ تم جو اس گھر میں سکون سے چلتی پھرتی نظر آ رہی ہو اور میں نے ابھی تک تمہیں کچھ نہیں کہا تو اس کے پیچھے ابھی بھی میری وہ محبت شامل ہے جس کے وجود سے تم انکار کیے بیٹھی ہو، ورنہ اپنے سے دشمنی کرنے والوں سے مجھے نمٹنا خوب آتا ہے، میرے خیال میں تمہیں جو کچھ سمجھ آ رہا ہے اتنا ہی بہت ہے، اس لئے اس محبت کو قائم رہنے دو اور مجھے اتنا مجبور نہ کرو کہ میں تمہارے لئے کوئی سخت قدم اٹھاؤں۔'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

ستارہ کے روم روم میں خوف کی ایک لہر دوڑ گئی تھی، واقعی داؤد سے کسی بھی قسم کے رویے کی توقع کی جا سکتی ہے، اسے اب بس اس حویلی سے نکلنا تھا یہاں اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا اور جس محبت کی داؤد بات کر رہا تھا وہ تو کب کی ختم ہو چکی تھی۔

''داؤد تمہیں واقعی مجھ سے محبت ہے۔'' وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولی تھی۔

''تمہیں کوئی شک ہے۔''

''تو پھر اس محبت کا واسطہ ہے مجھے آزاد کر دو، اس محبت اس رشتے اس حویلی سے سب سے، میں اب مزید تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم، ہوش و حواس میں تو

ہو۔''

''کیا اس محبت سے تمہارا دل بھر گیا ہے۔''

''کون سی محبت سے۔'' وہ اسی کے انداز میں بولی تھی۔

''کون سی محبت؟'' وہ اچنبھے سے اسے دیکھنے لگا تھا

''ہاں کون سی محبت۔''

''مجھے لگتا ہے تم پاگل ہوگئی ہو۔''

''میں پہلے بھی پاگل ہوگئی تھی جو اتنا بڑا قدم اٹھالیا اور اب تبھی پاگل ہوچکی ہوں جو دوبارہ اتنا بڑا قدم اٹھانا چاہتی ہوں، تمہیں پتہ ہے یہ سب کچھ پاگل پن میں ہی تو ہوتا ہے۔'' وہ بولنے لگی تھی اور وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا، جیسے ستارہ کی باتوں کو کوئی اہمیت نہ دے رہا ہو۔

☆☆☆

فرض کرو
تم کچھ نہ پاؤ
اپنا آپ لٹا کے بھی
فرض کرو
کوئی مکر ہی جائے
سچی قسم اٹھا کے بھی
فرض کرو
یہ فرض نہ ہو
سچی ایک حقیقت ہو
تیرے عشق کے ہر اک رستے پر
جاناں ایک قیامت ہو
اور سنا ہے
یہ قیامت
خون جگر کا پیتی ہے
تم تو جاناں فرض کرو گے
مجھ پہ تو سب بیتی ہے

حویلی کے سب دروازے اور راستے اس کے لئے بند تھے اور اس شخص کے ساتھ اب وہ رہنا نہ چاہتی تھی، اگر یہاں سے کسی نہ کسی طرح باہر نکل بھی جاتی تو جاتی کہاں۔

گھر، پیارا گھر، مگر اس گھر کو تو اس نے خود چھوڑا تھا، وہ اب وہاں کس منہ سے اور کیسے جاتی، اس گھر کے دروازے تو وہ اپنے ہاتھوں بند کر آئی تھی۔

گھر کے نام پر دل میں ایک ہوک سی اٹھی تھی اور بے تابی سے انگلیوں نے موبائل پر بھولے بسرے نمبروں کو چھوا تھا۔

''ہیلو امی، امی جان۔'' یہ موبائل امی جان اور صبیحہ کے پاس گھر میں ہوتا تھا، دوسری بیل پر ماں کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کے جسم کا رواں رواں آواز بن گیا تھا۔

''کون؟'' وہ پہچان گئی تھیں، مگر انجان بن کر بولی تھیں۔

''امی جان میں ستارہ۔'' وہ اس بے تابی سے بولی تھی۔

''کون ستارہ، ہم کسی ستارہ کو نہیں جانتے۔'' انہوں نے بے رخی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

جو کچھ وہ ان کے ساتھ کر کے آئی تھی، وہ اسی سلوک کی مستحق تھی، وہ ماں کی آواز سن کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی، اس ایک آواز نے جسے جسم و جاں سے روح تک کھینچ لی تھی۔

جن کو چھوڑ آئی تھی وہ اب پہچاننے سے انکاری تھے اور جس کی خاطر چھوڑ آئی تھی وہ خود اب اس کی شکل تک دیکھنا نہ چاہتی تھی، زندگی نے ایک غلط قدم اٹھانے کی سزا اسے کچھ یوں دی تھی کہ اسے اپنی زندگی ہی بوجھ لگنے لگی تھی اندر اور باہر سے جنگ لڑتے لڑتے وہ خود حواس کھونے لگی تھی، ذہن جیسے ہر وقت ماؤف سا رہنے لگا تھا، اس نے رخسانہ کو واپس اس کے ماں

باپ کے پاس بھیج دیا تھا کیونکہ وہ اور رخسانہ مل کر بھی داؤد جیسے طاقت ور لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھیں، کم از کم اس معاشرے میں رہتے ہوئے وہ ان سے بدلہ نہیں لے سکتی تھیں۔

''کیا فائدہ اس جینے کا، کیا فائدہ اس عیش و عشرت کا، اور کیا فائدہ اس محبت کا۔'' اس نے سوچا تھا اور ڈھونڈ ڈھانڈ کر داؤد کی سلیپنگ پلز ایک ساتھ پھانک لی تھیں، وہ چند ہی پل میں بے سدھ ہوئی تھی اور بے ہوشی میں داؤد کی بجائے فاروق اور یاسمین کے سراپے آنکھوں کے سامنے لہرائے تھے۔

داؤد جب تک کمرے میں آیا تھا، تب تک اسے گولیاں کھائے ہوئے بہت دیر گزر چکی تھی، وہ بھاگم بھاگ اسے لئے ہوئے ہاسپٹل پہنچا تھا۔

''سوری۔'' ڈاکٹر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا، داؤد کو لگا تھا، زمین اور آسمان ایک ساتھ گھوم گئے ہیں۔

محبت میں لوگوں کو جان سے جاتے دیکھا تھا، مگر آج اس نے ایک محبوب کو نفرت میں جان سے گزرتے دیکھا تھا۔

''یہ کیا کیا ستارہ تم نے۔'' وہ اس کے برف بنے ماتھے پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا، اس نے اس پر لاکھ پہرے بٹھائے تھے مگر وہ ستارہ تھی اسے ان پہروں کو توڑنا آتا تھا۔

☆☆☆

عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت تھا، یاسمین تسبیحات میں مشغول تھیں مگر دل جانے کیوں بے چین تھا، انہوں نے پانی کا گلاس پاس رکھ لیا تھا اور خود ہی آیتیں وغیرہ پڑھ کر اس پانی کو گھونٹ گھونٹ پیئے جا رہی تھیں، اتنے میں دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا تھا۔

''یا اللہ خیر، اس وقت کون آ گیا۔'' وہ دروازہ کھولنے اٹھی تھیں۔

سامنے ایمبولینس کھڑی تھی اور پاس کھڑا شخص جس نے بیل دی تھی وہ گھر کے ایڈرس کی تصدیق کر رہا تھا۔

''جی یہی فاروق صاحب کا گھر ہے۔'' انہوں نے چوکھٹ تھام کر کہا تھا، اس آدمی نے ایمبولینس میں موجود باقی دو آدمیوں کو اشارہ کیا تھا تو وہ جلدی سے ڈیڈ باڈی کو نیچے اتارنے لگے تھے۔

''کون ہے یہ، یہاں کیوں لائے ہو اس میت کو، ہمارا تو کوئی نہیں مرا۔'' یاسمین بھاگ کر میت کے پاس آئی تھیں اور کپڑا اہٹا دیا تھا۔

''ستارہ، میری بچی۔'' جس کے بارے میں وہم و گمان بھی نہیں تھا، وہ بے جان لاشے کی صورت سامنے پڑی تھی، داؤد کو اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ اسے تنہا ہی دفن کر دیتا اور اس کے والدین کو اس کے آخری دیدار سے بھی محروم رکھتا، یہ اس نے ستارہ کے گھر والوں پر احسان کیا تھا۔

وہ ماں تھیں، لاکھ ستارہ سے ناراض تھیں، مگر بیٹی کو یوں کب دیکھ سکتی تھیں، ان کی چیخ و پکار اور آہ و بکا نے بام و عرش ہلا دیئے تھے، مگر ستارہ اب ان سے بہت دور جا چکی تھی، وہ محبت میں یہاں سے گئی تھی مگر نفرت سمیٹ کر واپس آئی تھی ارمانوں اور امنگوں بھرا دل لئے اس نے ماں باپ کو چھوڑا تھا مگر ٹوٹے دل اور بے جان وجود کے ساتھ ماں باپ کے سامنے پڑی تھی۔

سچ کہا ہے کسی نے بددعائیں کبھی خوش نہیں رہنے دیتیں اور دکھی دل سے نکلی ہوئی بددعائیں تو کبھی نہیں۔

☆☆☆

دوسرا حصہ

''یہ وقت ہے تمہارے گھر آنے کا۔''
ارمان تابش اور نشا کے ہمراہ جونہی لاؤنج میں داخل ہوا، بھابھی کی کڑکتی آواز نے اس کو استقبال کیا تھا نشا ڈرائیوے سے لاؤنج تک دھڑکتے خوفزدہ دل کے ساتھ آئی تھی، گھر بے انتہا شاندار تھا، لیکن ارمان کی بھابھی کی آواز۔
''اف۔'' نشا نے خوف سے آنکھیں میچ لیں، وہ ارمان اور تابش کے پیچھے سر جھکا کر کھڑی تھی ابھی ارمان کی بھابھی دیکھنے کا شرف اسے حاصل نہ ہوا تھا۔
''وہ بھابھی تابش آپ کو بتائے گا لیٹ آنے کی وجہ۔'' ارمان ہکلا کر بولا تھا، اب بھگتے تابش، بھابھی کی کڑی نگاہوں کے پہرے میں وہ تابش کی بات پر کیسے عمل کرسکتا تھا، اس کا دل ڈانواڈول ہوا۔
''بھابھی دراصل ہم ایک مصیبت میں گرفتار ہوگئے تھے۔'' تابش نے لہجے کو پریشانی کی ڈبکی لگوائی تھی، بھابھی پر خاطر خواہ اثر ہوا تھا تابش کے لہجے کی پریشانی کا۔
''کیسی مصیبت؟'' دردانہ بھابھی کے لہجے میں اب کہ بے چینی تھی، ارمان مصیبت میں ہو وہ کیسے برداشت کرتیں، دس سال کا تھا ارمان جب وہ اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھیں، ارمان اپنے بڑے بھائی آفان سے سولہ سال چھوٹا تھا، ارمان اور آفان کے والدین حیات نہ تھے، دردانہ نے ارمان کی پرورش کا ذمہ لے لیا، ان کی اپنی اولاد تو ہوئی نہیں، اب ارمان ہی ان کا سب کچھ تھا، ارمان کی تربیت انتہائی کڑے خطوط پر کی تھی انہوں نے، صرف تابش کے ساتھ ارمان کی دوستی اعتراض نہ تھا، ایک تو تابش بڑا سلجھا ہوا شریف نوجوان تھا، دوسرا حال ہی میں شاندار جاب ملی تھی اسے، یہی وجہ تھی وہ تابش کی

مکمل ناول



اے دل تو ہی بتا

فوزیہ سرور



بات کو بہت اہمیت دیتی تھی، تیس سالہ ارمان ابھی تک ان کے نزدیک بچہ تھا۔

''وہ بھابھی بات یہ ہے۔'' تابش سوکھے لبوں کو زبان سے تر کرنے کے لئے پل بھر کو رکا، کچھ بھی تھا بھابھی کے سامنے جھوٹ بولنا ہرگز آسان نہ تھا۔

''اب بولو بھی۔'' دردانہ بھابھی کی بے تابی عروج پر تھی، ارمان دل ہی دل میں آل تو جلال تو آئی بلا ٹال تو کا ورد کرنے میں معروف، نشا زمین پر نگاہ گاڑھے خوفزدہ دل کو سنبھالنے میں ہلکان۔

قسمت نے بھی اسے عجیب دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

''بھابھی ارمان کسی لڑکی سے محبت کرتا تھا شدید، آپ کے ڈر سے اس نے آپ کے سامنے ذکر نہیں کیا۔'' تابش نے جھوٹ کا سرا آخر تھام ہی لیا تھا، اسی اثنا آفان بھی کمرے سے نکل کر بیوی کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے، ان کی جانچتی ٹٹولتی نگاہیں ارمان پر مرکوز تھیں، دردانہ بھابھی کا صدمے سے برا حال۔

''کیا میں ظالم ہوں اس کے نزدیک جو اس کی خوشی کی راہ میں حائل ہوتی۔'' صدمے میں ڈوبی آواز دردانہ بھابھی کے ذہن سے برآمد ہوئی، ارمان جو اس سفید جھوٹ پر تابش کو آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا، بھابھی کی بات سن کر خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا تھا اسے، نشا نے آنکھیں مزید میچ لیں۔

''تابش یہ تم کیا بریکیں لگا لگا کر بات بتا رہے ہو، اب خبردار درمیان میں ٹھہرے، پوری بات مکمل کرو۔'' آفان بھائی نے تابش کو بری طرح لتاڑا، پھر تو تابش صاحب کی زبان گویا فراٹے بھرنے لگی۔

''دراصل آفان بھائی ارمان نشا سے محبت کرتا تھا، نشا کی ماں مر چکی ہے، اس کا باپ سوتیلا تھا، وہ نشا کی شادی کسی نشئی سے کروا کر رقم بٹورنا چاہتا تھا۔'' نشا نے ارمان کو بتا دیا۔

''وہ ہم دونوں نشا کو لے کر کورٹ گئے تھے، نشا اور ارمان کا نکاح کروانے۔'' تابش نے بات مکمل کر کے لمبی سانس کھینچ کر خارج کی، ارمان دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا تابش کی جھوٹی کہانی پر، آفان آنکھیں سکوڑے بغور دونوں کو دیکھنے میں مگن، دردانہ بھابھی کے چہرے پر دکھ اور تھکن کے اثرات رقم تھے، کیا وہ واقعی ارمان کی نظر میں اتنی سخت اور جابر تھیں کہ ارمان ان کے سامنے اپنی محبت کا ذکر نہ کر سکا، وہ تو انہیں اپنی اولاد کی طرح عزیز تھا، اب اگر ارمان اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر ہی چکا ہے تو وہ اس کی دلہن کو خوشدلی سے قبول کریں گی، ارمان اب شدت سے دردانہ بھابھی کے ردعمل کا منتظر تھا جو چپ کے دورے پر نکل گئی تھیں، آفان کو تابش اور ارمان پر یقین آیا ہو یا نہ ہو، دردانہ کو آ گیا تھا، بالآخر وہ چپ کے دورے سے واپس لوٹ ہی آئیں اور جب وہ بولیں، تو آفان تو آفان، تابش اور ارمان کو حیرانگی کے سمندر میں زوردار دھکا دے گئیں، وہ تینوں ہاتھ پاؤں مارتے خود کو ڈوبنے سے بچانے لگے۔

''نشا سامنے تو آؤ، میں بھی دیکھوں، میرے ارمان کی دلہن کیسی ہے۔'' لہجہ شہد میں ڈوبا تھا پھر تینوں حیرانگی کے سمندر میں کیوں نہ ڈوبتے، نشا شہد میں ڈوبی آواز پر دونوں کے عقب سے نکل کر سامنے آ کھڑی ہوئی، دردانہ بھابھی نے نشا کو دیکھا تو نشا نے دردانہ بھابھی کو دونوں کی ایک دوسرے کی جانب نگاہیں جو اٹھیں تو پلٹنا بھول گئیں، دردانہ بھابھی نشا کی خوبصورتی پر دم بخود تو نشا جو دردانہ بھابھی کو کوئی بھاری بھرکم

ہٹلر ٹائپ خاتون سمجھے بیٹھی تھی، دردانہ بھابھی کو ایک خوبصورت ڈیسنٹ خاتون کے روپ میں دیکھ کر انگشت بدنداں، آواز بے شک بے پناہ رعب کی حامل تھی لیکن وہ خود ہر گز اتنی زیادہ عمر کی نہ لگتی تھیں، بہت ہی خوبصورت اور کم عمر ہے یہ ارمان، دردانہ بھابھی نے ستائش سے پر لہجے میں ارمان کو مخاطب کیا تھا، ارمان کیا کہتا بس مشرقی مرد کی بھرپور ایکٹنگ کرتا شرما گیا، آفان کے دل میں بھی نشا کی معصومیت کم عمری نرم گوشہ جگا گئی، انہوں نے ہنس کر ارمان کو سینے سے لگا گیا، گویا انہیں ارمان کے فیصلے پر کوئی اعتراض نہ تھا، ارمان اور تابش کو ہرگز یقین نہ تھا یہ سب اتنی آسانی سے قبول کر لیا جائے گا، ارمان کے دل سے ہوک سی اٹھی تھی کاش یہ سب حقیقت ہوتا، وہ دونوں دردانہ بھابھی کی جانب متوجہ ہوئے جو نشا کو اپنے ساتھ لگائے کچھ بتا رہی تھیں۔

''اکیس سال کی تھی جب میں اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھی، آفان چھبیس سال کے تھے، ارمان دس سال کا، آج ارمان تئیس سال کا ہو گیا ہے لیکن میرے لئے وہی دس سالہ ارمان ہے، لاڈ اور فرمائشیں کرتا ہوا، یہ بگڑ نہ جائے اس وجہ سے اس پر سختی بڑھا دی، شاید کچھ زیادہ ہی سختی کر بیٹھی جو ارمان کو یہ قدم اٹھانا پڑا۔'' دردانہ بھابھی جو چونتیس سال کی تھیں، ان کے لہجے میں تاسف اور دکھ تھا، ارمان کا دل بری طرح دکھا، بھابھی اس کے لئے ماں کی جگہ تھی، بھابھی اور بھائی کی اولاد نہ تھی وہ جانتا تھا ان کی امیدوں اور محبتوں کا وہی مرکز ہے، لیکن وہ کیا کرتا نشا کو انسانوں کے جنگل میں کیسے بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا، جس کا دکھ اس کے دل کو رلا گیا تھا۔

نشا بھی اس پیاری سی بھابھی کی محبت پر پر سکون سی ہو گئی تھی لیکن دل کو نکاح کے بعد والی صورتحال کا دھڑکا لگا تھا، ایک ہی کمرے میں وہ ارمان کے ساتھ ہر گز نہیں رہے گی، وہ اسی تکلیف دہ خیال کی زد میں تھی جب بھابھی کی مہربان آواز اس کے تکلیف دہ خیال کو اڑا کر لے گئی۔

''ارمان تم نے نکاح تو کر لیا، کسی کے زخمی ہو کر ہسپتال پہنچنے کا تو تم نے جھوٹ بولا، لیکن اب کبھی مجھ سے اور اپنے بھائی سے جھوٹ مت بولنا۔'' اسی پل ارمان کا دل چاہا سچ اگل دے کیونکہ بھابھی اور بھائی کا دکھی ہونا اسے شرمسار کر گیا تھا، اس سے قبل کر وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہناتا تابش نے اس کے چہرے کے تاثرات کو بھانپ کر اس کا ہاتھ اتنی شدت سے دبایا کہ ارمان کی کراہ نکل گئی، بھابھی کی بات ابھی جاری تھی سو بیابچہ بن کر وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

''بے شک تم نے نکاح کر لیا ہے لیکن رخصتی کا خیال ابھی دل میں نہ لانا، نشا ابھی کم عمر ہے، اس کو مزید تعلیم دلواؤ اس کو اعتماد دو اور خود بزنس میں نام بناؤ جب ہم بہتر سمجھیں گے تم دونوں کی رخصتی ہو جائے گی، تب تک نشا میری بہن اور دیورانی بن کر اس گھر میں راج کرے گی۔'' دردانہ بھابھی کی بات سن کر تابش، ارمان اور نشا تینوں کے دل سے بوجھ ایک ساتھ سرکا تھا، آفان بھائی بھی بیوی کی بات سے سو فیصد متفق نظر آئے تھے۔

''جیو ہزاروں سال، میری پیاری بھابھی۔'' ایک نعرہ بلند کر کے ارمان بھابھی کے قدموں میں بیٹھ گیا، دردانہ بھابھی نے محبت سے اس کے ریشمی بال بکھیرے، نشا کو ٹھکانہ مل گیا تھا، ایک محفوظ ٹھکانہ، حسن کے نام کے جڑنے نے اسے دربدر کیا تھا اور ارمان کا جھوٹا نام جڑنے نے اسے گھر کی چھت دی تھی، اب آئندہ اس کی

زندگی اسے کیا کچھ دکھانے والی تھی، وہ کچھ نہ جانتی تھی، وہ اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر چکی تھی، وہ ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے، وہ یہ ضرور جانتی تھی۔

☆☆☆

''اللہ تیرا شکر ہے، میرے بچے کو ہوش آ گیا۔'' ثمینہ بیگم وارفتگی سے حسن کے چہرے کو چومتے ہوئے لرزتی آواز میں بولیں، تیمور، زرینہ بیگم، عریشہ اور اس کے والدین کے چہرے بھی بے پایاں خوشی اور سکون جگمگا اٹھے تھے، حسن کو پورے دو ماہ بعد ہوش آیا تھا، ڈاکٹر نے بھرپور تسلی سے نوازا تھا، ثمینہ بیگم کو، حسن بالکل ٹھیک تھا، کچھ دن ہاسپٹل میں اسے رکھا جانا تھا، حسن ثمینہ بیگم کی محبت اور اشک شوئی پر تڑپ اٹھا تھا۔

''بس کر دیں مما، میں اب ٹھیک ہوں، خود کو اتنا ہلکان نہ کریں۔'' اسے کومے سے باہر آئے دو دن بیت چکے تھے ڈاکٹرز نے اپنی تسلی کرنے کے بعد ہی سب کو حسن سے ملنے کی اجازت دی تھی، ثمینہ بیگم اپنے آنسو ٹشو سے پونچھتی بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئیں، ان کا، وہ حسن کو مزید کیوں پریشان کرتیں، حسن کی نگاہ عریشہ کے خوشی چھلکاتے چہرے پر پڑی تو بے ساختہ لبوں سے نکلا۔

''تم۔''

''ہاں میں، نہ جانے کتنی دعاؤں اور التجاؤں کے بعد یہ دن دیکھنے کو ملا ہے۔'' حسن کے بیڈ کے قریب ہوتی وہ محبت سے پر لہجے میں بولی تھی، حسن کو تو پہلے بھی اس کی محبت پر شک نہ تھا وہ تو دل ہی نشا کا اسیر ہو گیا ورنہ عریشہ نشا کی جگہ ہوتی لیکن وہ یہ نہیں جانتا تھا عریشہ نشا کو اس سے اتنی دور کر چکی ہے کہ جہاں اس کا گماں نہ پہنچے، نشا کا خیال اس کے دل میں ابھرا تھا لیکن وہ نشا کی سمیرا چچی کو جانتا تھا نہ جانے نشا کے ساتھ اس نے کیا سلوک کیا ہوگا۔

''اب کیسا فیل کر رہے ہو۔'' عریشہ کے محبت بھرے استفسار نے حسن کو نشا کے خیال سے نکال باہر کیا، نشا کی چچی سمیرا نے تو جھوٹے منہ بھی حسن کی خیریت دریافت نہیں کی، ثمینہ بیگم کی تنفر بھری آواز حسن کی سماعتوں سے ٹکرائی تو عریشہ کو جواباً کچھ بھی کہنے کی بجائے حسن ثمینہ بیگم کی جانب متوجہ ہو گیا جو عریشہ کے والدین، زرینہ خالہ اور تیمور کے سامنے اپنے اندر کی کھولن اگل رہی تھیں، عریشہ بھی ثمینہ بیگم کی بات پر زیر لب مسکرا دی، قدرت اس کی مدد کر رہی تھی پہلے نشا کا پتہ صاف ہوا، اس نے بھول کر بھی ثمینہ بیگم کے سامنے اس عرصے میں ذکر نہ کیا تھا نشا کی آمد کا، بڑے بے قدرے لوگوں میں حسن نے رشتہ جوڑا تھا، عریشہ کی مما نے لہجے میں حیرت سمو کر اظہار خیال کیا، بیٹی کی چاہ سے وہ دونوں میاں بیوی واقف تھے، اس لئے ثمینہ بیگم اور حسن کو نشا اور اس کی فیملی سے متنفر کرنے میں اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے، حسن دو ماہ کومے کی حالت میں ہاسپٹل میں زیر علاج رہا ہے، سمیرا نے ایک کال کر کے حسن کے متعلق پوچھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔'' ثمینہ بیگم کو سمیرا بیگم پر حد سے زیادہ غصہ تھا، حسن کی نگاہوں کے سامنے نشا کا معصوم چہرہ لہرایا تو وہ بے چین ہو اٹھا۔

''مما، نشا کا اس معاملے میں کیا قصور، وہ میری بیوی ہے، بلکہ یوں کرتے ہیں ہم نشا کو اپنے گھر لے آتے ہیں، میں ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوتے ہی آپ کے ساتھ سمیرا آنٹی سے ملنے جاؤں گا۔'' حسن کے لہجے میں نشا کے لئے

تفکر اور محبت تھی، عریشہ کا چہرہ پل بھر میں تاریک ہوا تھا، عریشہ کے والدین نے جتاتی نگاہوں سے بیٹی کے چہرے پر اترے تاریک بادلوں کی چھایا دیکھی تھی، پچھلے دو ماہ سے وہ ہاسپٹل کے چکر پر چکر لگا رہی تھی، تیمور اور روزینہ بیگم بھی حسن کے ہمنوا تھے، لیکن ثمینہ بیگم کو تو حسن کی بات سن کر پتنگے لگ گئے لیکن ضبط سے کام لینا ان کی مجبوری تھی کیونکہ اگرچہ اب خطرے کی کوئی بات نہ تھی، لیکن انہیں ابھی احتیاط کرنی تھی سو لہجے کو حتی المقدور نرم کیا اور بولیں۔

''تم گھر آؤ گے تو پھر سوچیں گے کیا کرنا ہے۔'' حسن نے سر اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا تھا، عریشہ کی پرسوچ نگاہیں حسن کے خوبصورت چہرے پر تھیں تو ذہن اس کی بات میں الجھا تھا، اتنا تو وہ جانتی تھی نشا حسن کو ملنے والی نہیں لیکن حسن کے دل میں نشا کی محبت جوں کی توں تھی، یہی بات اسے شاک پہنچا گئی تھی، اگر وہ سمجھتی تو اس پل جان لیتی نشا کی سمیرا بیگم کے گھر میں غیر موجودگی جان کر حسن نشا کی تلاش میں نکل پڑتا تو وہ واقعی نشا کا سچا عاشق تھا، اگر وہ عریشہ کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا تو پھر حسن کی محبت محض وقتی تھی، اسے اب حسن کی نشا کے لئے محبت کا پیمانہ جانچنا تھا، اس کی نگاہ نے کمرے میں محو گفتگو نفوس کو دیکھا تھا الجھن بھری مسکراہٹ نے اس کے سرخ لپ اسٹک سے رنگے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

☆☆☆

''ندیم مجھے بھی اپنے ساتھ آفس لے جایا کرو، بہت بور ہو جاتی ہوں گھر میں۔'' ماہ نور کے انداز میں دلربائی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں کو جیل لگاتا ندیم اس کے انداز دلربائی پر گھائل سا ہو گیا، وہ اب باقاعدگی سے آفس جانے لگا تھا، ماہ نور اس کو ایک بھی چھٹی نہ کرنے دیتی تھی آفس سے، اس کے خیال میں بزنس اب ندیم کو ہی دیکھنا چاہیے، دو ماہ سے وہ باقاعدگی سے آفس جا رہا تھا، ماہ نور کی بات پر وہ جیل لگانا چھوڑ کر بیڈ پر چہرہ ہاتھوں کی ہتھیلیوں میں ٹکائے بیٹھی ماہ نور کے قریب جا بیٹھا۔

''کیوں بور ہو جاتی ہو گھر میں، ماما ہیں، ثمرہ اور نمرہ ہیں، آفس میں جا کر کیا کرو گی، بلکہ مجھے بھی ناکارہ کر دو گی۔'' ندیم کے لہجے میں شرارت کی جھلک تھی لیکن ماہ نور شرارت نہ بھانپ سکی اور تڑپ کر بولی۔

''میں ناکارہ کر دوں گی وہ کیسے؟''

''بھئی جب ہر وقت تمہاری من موہنی صورت دیکھتا رہوں گا تو کام کیا خاک کروں گا۔'' ندیم ماہ نور کے چہرے پر محبت کا ثبوت نقش کرتے گمبھیر لہجے میں گویا ہوا، ماہ نور کی اداؤں نے اسے کچھ اس طرح جکڑا تھا وہ اس کے اشاروں پر ناچتا تھا، وہ یہ بات تک فراموش کر چکا تھا اس نے ماہ نور سے شادی اس کی دولت کی بنا پر کی ہے، ماہ نور اتنے عرصے میں اس کے ذہن میں یہ خیال راسخ کر چکی تھی جب اتنی دولت موجود ہے تو بیوی کی دولت پر نظر کیوں رکھی جائے، وہ اب ماہ نور کے سامنے اس کی دولت کا نام تک نہ لیتا تھا، الٹا بھاری رقوم ماہ نور کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرواتا رہتا تھا، وہ کہاں خرچ کرتی ہے، کیوں کرتی ہے، پلٹ کر نہ پوچھتا تھا، یہی باتیں آفس کا مینجر جب سمیرا بیگم کو بتاتا تو وہ جلتے توے پر جا بیٹھتیں، دو ماہ میں ہی وہ ماہ نور کے رنگ ڈھنگ پہچان چکی تھی، یہ لڑکی ان کے بیٹے کو الو بنا سکتی ہے، سمیرا بیگم کو نہیں، ندیم کو بہترا سمجھاتیں لیکن ندیم صرف ماہ نور کی باتوں کو اہم گردانتا تھا، یہ بات سمیرا بیگم کے لئے باعث تشویش تھی، اب تو ندیم بیوی کی اجازت ہوتی تو

ماں کے پاس بیٹھتا وگرنہ بنا سلام کیے آفس چلا جاتا، ماہ نور ندیم کو مکمل مٹھی میں کر چکی تھی، اس وقت بھی ندیم کے گمبھیر لہجے میں کی گئی سرگوشی اس کے خوبصورت چہرے پر ست رنگی مسکراہٹ بکھیر گئی، ندیم کھوسا گیا، اسی لمحے ماہ نور کو ندیم سے اہم فیصلہ کروانا تھا، نرمی سے ندیم کا بازو تھام کر اپنی جانب کھینچا تو ندیم کھینچا چلا آیا، کچھ ہی لمحے بعد ندیم کا سر ماہ نور کی گود میں تھا۔

اس کی مخروطی انگلیوں کی پوریں ندیم کے گھنے بالوں سے کھیل رہی تھیں، ندیم مدہوش سا ہونے لگا۔

''ندیم!'' ماہ نور کی میٹھی سرگوشی ندیم کے کان کے قریب ابھری تھی۔

''بولو ندیم کی جان۔'' ندیم اس کے لہجے کی مٹھاس میں ڈوب سا گیا تھا۔

''یہ بنگلہ میرے نام کر دو، آخر تمہیں اتنی بڑی خوشی دینے جا رہی ہوں، گفٹ بھی تو میرے شایان شان ہونا چاہیے۔'' وہ پریگنیٹ تھی، یہ بات سمیرا بیگم بھی جانتی تھیں لیکن ماہ نور سمیرا بیگم ثمرہ اور نمرہ کو زیادہ منہ ہی نہ لگاتی تھی، ندیم ماہ نور کی پریگنینسی کی خبر جان کر مزید ماہ نور کی ماننے لگا تھا، ندیم نے پرسکون انداز میں ماہ نور کی فرمائش سنی تھی اور پرسکون انداز میں ہی بولا۔

''مما، ثمرہ اور نمرہ کا بھی اس بنگلے میں حصہ ہے انہیں اعتراض ہوگا۔''

''کیوں اعتراض ہوگا ندیم، آپ بس آج کل میں میرے نام کر دیں یہ بنگلہ اور مما ثمرہ نمرہ کو لے کر ساتھ والے بنگلے میں شفٹ ہو جائیں، ہر وقت جلی کٹی سناتی رہتی ہیں مجھے اور تم تو جانتے ہو اس حالت میں پریشانی ہونا میرے لئے کتنا خطرناک ہے۔'' ماہ نور نے گویا ندیم پر بم پھوڑ دیا تھا، ساتھ والا بنگلہ کل ہی کرائے دار چھوڑ گئے تھے، وہ سالوں سے بنگلے میں رہائش پذیر تھے اچانک ہی وہ خالی کر گئے تھے، اب وہ کیسے کہہ دیتا سمیرا بیگم کو کہ وہ نمرہ اور ثمرہ کو لے کر بنگلے میں شفٹ ہو جائیں، ابھی اتنا بھی بے دید وہ نہیں ہوا تھا، اس کا سر بے اختیار نفی میں ہلا تھا، لیکن مقابل بھی ماہ نور تھی جس نے دو ماہ میں سارا حساب کتاب کر لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں، کرائے داروں کو بھی اس نے بھگایا تھا یہ بات سمیرا بیگم کو علم میں آئی تھی کرائے دار سمیرا بیگم کو وجہ بتا کر گئے تھے، سمیرا بیگم نے ندیم کو بتانا چاہا تھا لیکن وہ ماہ نور کے متعلق کچھ بھی سننے کا روادار نہ تھا، ندیم کا نفی میں سر ہلنا ماہ نور کے اندر آگ لگا گیا، لیکن اس نے خود کو پرسکون رکھا، اپنی مرضی کے نتائج نکالنے کے لئے صبر اور برداشت کے ساتھ ساتھ نرم خوئی سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ انہی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر محبت سے ندیم کے ماتھے پر لب رکھ کر بولی۔

''آپ میری بات نہ مان کر مجھے دکھ پہنچائیں گے کیا۔'' لہجہ روہانسا کیا، جب اسے کام نکلوانا ہوتا ندیم کو تم کی بجائے آپ کہہ کر مخاطب کرتی، ندیم تڑپ اٹھا۔

''میں کیوں دکھ پہنچاؤں گا، بس کچھ عجیب سا لگے گا، مما کیا سوچیں گی، یہی بات انکار کروا گئی مجھ سے، میری پریشانی کا احساس ہی نہیں آپ کو، مجھے پرسکون ماحول چاہیے، آپ کی مما کی باتیں میرا بی پی شوٹ کر دیں گی۔'' ماہ نور نے ہمت نہ ہاری تھی، سمیرا بیگم کی ماہ نور سے تلخ کلامی کا ندیم بھی گواہ تھا، تھوڑی سی پس و پیش کے بعد بالآخر اس نے ماہ نور کی بات کان کر اسے سرشار کر دیا، ماہ نور نے ندیم کے ساتھ ہی پھر کمرے سے باہر قدم نکالا تھا، سمیرا بیگم بے تابی سے بیٹے کے کمرے سے نکلنے کی منتظر لاؤنج میں بیٹھی تھیں،

نمرہ ثمرہ اپنے کمروں میں تھیں، ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مشغول، سمیرا بیگم نے شعلے برساتی نگاہوں سے بیٹے کے ساتھ کھڑی خوبصورت سپنی کو دیکھا تھا جو ہمہ وقت ان ماں بیٹیوں کو ڈسنے کے لئے تیار رہتی تھی، وہ ان تینوں ماں بیٹیوں کے خرچے اتنے کم کروا چکی تھی کہ تینوں کو اس پل پرافسوس ہوتا جس پل انہوں نے ماہ نور کو اپنے گھر گھسنے دیا تھا، ندیم گنی چنی رقم ماں کے ہاتھ پر رکھتا تھا، سمیرا بیگم کا اکاؤنٹ خالی ہو چکا تھا۔

''ہیلو آنٹی کیسی ہیں۔'' ماہ نور نے ندیم کے بازو میں بازو ڈال کر خوشگوار لہجے میں استفسار کیا۔

''ہونہہ۔'' جواباً سمیرا بیگم تنفر سے سر جھٹک کر بیٹے کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''ندیم مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی۔'' ماہ نور نے جتاتی نگاہوں سے ندیم کو دیکھا جیسے کہہ رہی ہو دیکھا اپنی ماں کا رویہ، ندیم کا دل بھی ماہ نور کی باتوں کا مزید قائل ہو گیا۔

''جی مما۔'' ماں کو جواب دیتے لہجہ سرد اور روکھا ہوا تھا اس کا، سمیرا بیگم کا دل دکھ سے ادھڑ سا گیا، اکلوتا بیٹا، اتنا پرایا کر دیا تھا۔

''ماہ نور تم کمرے میں جاؤ مجھے اپنے بیٹے سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔'' سمیرا بیگم نے لہجے سے دکھ ظاہر نہ ہونے دیا تھا لیکن ماہ نور کو حکم دیتے لہجے کی سختی چھپا بھی نہ پائی تھیں۔

''ماہ نور کہیں نہیں جائے گی، جو بات آپ کو کرنی ہے، اس کی موجودگی میں ہی کریں اور ہاں میں نے ایک فیصلہ کیا ہے، بہتر ہے ابھی آپ کو بتا دوں، میں یہ بنگلہ ماہ نور کے نام کر رہا ہوں، آپ نمرہ ثمرہ کو لے کر آج ہی ساتھ والے بنگلے میں شفٹ ہو جائیں، میں ماہ نور کو پرسکون ماحول دینا چاہتا ہوں، جو آپ کی موجودگی میں ممکن نہیں ہے۔'' ندیم کے لہجے کی سرد مہری اور اوپر سے یہ فیصلہ، سمیرا بیگم پر گویا چھت ملبے سمیت آن گری ہو، وہ بے دم سی ہو کر بیٹھی رہ گئیں بیٹے کے لہجے میں ماں بہنوں کے لئے نرمی اور احساس کا شائبہ تک نہ تھا۔

''اب کہیے آپ کو کیا کہنا ہے۔'' دلجوئی کی خاطر ماہ نور کو مزید اپنے قریب کرتا وہ کھردرے لہجے میں گویا ہوا، سمیرا بیگم کا دل لہجے کے کھردرے پن سے چھلنی کر رہ گیا، لفظ گویا روٹھ گئے تھے ان سے۔

''اوکے میں آل ریڈی لیٹ ہوں، آپ آج شفٹنگ کا کام مکمل کر لیجئے گا۔'' ماں کے وجود پر بنا نگاہ ڈالے بیوی کو لئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھر لاؤنج سے نکل گیا، ماہ نور ندیم کو گاڑی میں بٹھا اور رخصت کر کے جب لاؤنج میں واپس آئی سمیرا بیگم کو اسی انداز میں بیٹھے دیکھا جیسے چھوڑ گئی تھیں، فاتحانہ نگاہوں سے اس سنگدل عورت کے وجود کو درد میں ڈھلتا دیکھ کر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی، مکافات عمل شروع ہو چکا تھا، اس پل سمیرا بیگم کو نشا یاد آئی تھی، بدن نے بے اختیار جھرجھری لی تھی۔

قدرت نے ماہ نور کی صورت کو مکافات عمل کا آغاز کیا تھا، جس کی پہلی ضرب ابھی پڑی تھی اور سمیرا بیگم درد سے تڑپ رہی تھی۔

☆☆☆

''بھابھی ناشتہ۔'' ارمان ڈائننگ ٹیبل بیٹھا ٹیبل پر انگلیوں سے میوزک کے سر تال بکھیر بے صبری سے بولا۔

''اف ایک تو یہ لڑکا ہاتھ پاؤں پھلا ہے، پراٹھا توے سے اترا ہوا چاہیے اور صبر نا نہیں۔'' کچن میں دردانہ بھابھی توے سے پر

اتار کر رومال پر رکھتے ہوئے بڑبڑائیں، نشا چائے مگ میں نکالتی بھابھی کی بڑبڑاہٹ بھی سماعتوں میں انڈیل گئی۔

''نشا! جاؤ ناشتے کی ٹرے اپنے شوہر نامدار کو دے آؤ، تم سے نکاح کر کے تو زیادہ ہی شوخا ہو گیا ہے۔'' دردانہ بھابھی کے لہجے میں ارمان کے لئے محبت تھی، نشا بھابھی کا حکم مانتا ہی تھا، سو ٹرے تھامی اور کچن سے نکل کر ڈائننگ روم میں ارمان کے سامنے ڈائننگ ٹیبل پر لا رکھی، ارمان گرما گرم ناشتہ نشا کو ٹیبل پر رکھتا دیکھ کر شریر ہوا، بڑی خدمتیں ہو رہی ہیں میری، نشا نے جواباً ارمان کو بری طرح گھورا تھا، ہر وقت فضول ہانکتا رہتا تھا، اسی پل دردانہ بھابھی کچن سے برآمد ہوئیں، نشا کے چہرے کے بگڑے زاویے دیکھ کر وہیں ان کے قریب ٹھہر گئیں۔

''کیا ہوا نشا، وہ بھابھی کالج سے لیٹ ہو جاتی ہوں روزانہ۔'' نشا نے بھی جوابی گولہ ارمان پر داغ دیا تھا، ارمان نے بوکھلا کر بھابھی کو دیکھا تھا جو کڑے تیوروں سے اب ارمان کو گھور رہی تھیں۔

''کیا سن رہی ہوں میں ارمان۔'' لہجے میں کڑک تھی۔

''اف بھابھی ایک تو آپ ہر وقت بجلی بنی رہتی ہیں گھر میں، کب کڑک میں بدل جائیں پتہ ہی نہیں چلتا، اور کب کالج سے لیٹ ہوئیں آپ'' ارمان نشا کی جانب متوجہ ہوا۔

''اس کو کچھ مت کہو، وہ تو اتنی معصوم ہے۔'' دردانہ بھابھی نے جھٹ نشا کی طرفداری کی تھی، دو ماہ میں نشا نے اسے گھر کے ہر فرد کا دل جیت لیا تھا اپنی سلجھی ہوئی عادات اور معصومیت سے، کبھی کبھی بھابھی کو لگتا نشا کا تعلق کسی اچھے سلجھے ہوئے گھرانے سے ہے، لیکن جو انہیں بتایا گیا تھا اس تناظر میں نشا انہیں بہت نفیس طبیعت کی لگی تھی، دردانہ بھابھی نے خود بہترین کالج میں ارمان کے ساتھ جا کر نشا کا ایڈمیشن کروایا تھا، نشا کے پاس مکمل کاغذات موجود تھے، جو کمی پیشی تھی وہ ارمان نے پوری کر دی تھی، یوں نشا نے کمپیوٹر سائنس اور سائنس سبجیکٹس منتخب کر کے آئی سی ایس میں ایڈمیشن لیا تھا، اسے پک اینڈ ڈراپ کرنا ارمان کی ذمہ داری تھی یہ بھابھی کا حکم تھا، وہ نشا کی خاطر جلدی بیدار ہوتا تھا، آفان بھائی تو تب مزے سے سو رہے ہوتے تھے، جب وہ نشا کو کالج ڈراپ کر کے خود آفس چلا جاتا تھا، نشا کے کالج جانے سے اس کی آفس جانے کی روٹین بھی سیٹ ہو گئی تھی، اس سے قبل تو وہ آفس جانے میں خاصی ڈنڈی مار جاتا تھا، دردانہ بھابھی کی نشا کی طرفداری کرنے پر باقی ماندہ ناشتہ منہ پھلا کر کیا گیا، نشا سے ہنسی ضبط کرنا محال ہو گیا۔

اس گھر کے مکینوں سے اسے محبت، عزت، تحفظ، یہاں سب کچھ ملا تھا، اس گھر میں وہ رچ بس گئی تھی، وہ اب ہلکا پھلکا مذاق بھی کر لیتی تھی، وہ ہنسنے لگی تھی، وہ جو ہمہ وقت رونی صورت بنائے اپنے گھر میں کاموں میں مشغول رہتی تھی، اس گھر میں دردانہ بھابھی نے اسے ہتھیلی کا چھالا بنا چھوڑا تھا، وہ ان کی محبتوں کے سائے میں پرسکون ہو چکی تھی، لیکن حسن کا خیال اس کے دل کو ڈستا رہتا تھا۔

''ناشتہ ہو گیا ہے اب چلو اٹھو نشا کو چھوڑ کر آفس پہنچو۔'' دردانہ بھابھی نے ارمان سے کہا، ارمان چیئر گھسیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا تو نشا چادر اوڑھ کر بیگ کندھے پر لٹکائے تیار کھڑی تھی، ارمان ناراضگی کا بھرپور اظہار کرتے بھابھی کو مودبانہ سلام کر کے لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج کے دروازے کی جانب بڑھا، نشا اس کی ناراضگی

بھانپ گئی اور اس کے پیچھے سرعت سے بھاگی، اسے واقعی جھوٹی شکایت نہیں لگانی چاہیے تھی ارمان کی، اسے نہ جانے کیوں ارمان کی بات بری لگی تھی، نشا جب ڈرائیوے پر پہنچی تو ارمان گاڑی سٹارٹ کیے کھڑا تھا، نشا فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر دھپ سے سیٹ پر بیٹھ گئی، اس کے بیٹھتے ہی ارمان نے گاڑی گیٹ کی جانب بڑھا دی۔

''ناراض ہو۔'' نشا کے لہجے میں شرمندگی تھی، گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی، ارمان کی نگاہیں ونڈ اسکرین کے پار شفاف سڑک پر تھیں، نشا کی بات ان سنی کر دی، نشا لب بھینچ کر رہ گئی، ارمان نے اپنے گھر میں شروع کے دنوں میں نشا کی ہر قدم پر دلجوئی کی تھی، اسے اپنے تعاون کا ہر ممکن یقین دلایا تھا، اس نے نشا کے ساتھ دوستی کا بندھن باندھ کر نشا کو اپنی ہر مشکل الجھن شیئر کرنے پر آمادہ کیا تھا، نشا کے لئے ارمان دنیا کی کڑی دھوپ میں ایک گھنا سایہ تھا، جو اس تک کسی تپش کو پہنچنے نہ دیتا تھا، وہ اس وقت واقعی شرمندہ تھی، ارمان کی باتیں بعض دفعہ اسے عجیب احساس میں مبتلا کر دیتی تھیں، اب وہ اس کی ناراضگی سہہ نا پا رہی تھی۔

''پلیز ناراض تو نہ ہوں ناں مجھ سے۔'' نشا ارمان کے اسٹیئرنگ پر جمے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں منمنائی، گاڑی اس پل ڈول سی گئی، نشا کا دل خوف سے اچھل کر حلق میں آ گیا، سراسیمہ نگاہوں سے ارمان کا چہرہ دیکھا، جہاں اب ناراضگی کا شائبہ تک نہ تھا۔

''گاڑی بھی چلانی نہیں آتی۔'' نشا کے سر پر ابھی بھی خوف سوار تھا اسی خوف کے زیر اثر وہ پھر الٹا بول گئی۔

''جب میرے ہاتھوں کو نظر لگاؤ گی، تو گاڑی نے تو ڈولنا ہی ہے۔'' پرسکون جواب ارمان کی جانب سے موصول ہوا تھا۔

''میں نے کب نظر لگائی۔'' وہ تڑپ ہی تو اٹھی اس الزام پر۔

''توبہ ہے بظاہر ناراض اور میری ہر حرکت پر نظر، جب میرے ہاتھوں کو گھورا جا رہا تھا۔'' وہ نہیں بلکہ سراہا جا رہا تھا، نگاہوں ہی نگاہوں میں، ارمان سے کوئی جیت سکتا تھا، منہ پھلانے کی باری اب نشا کی تھی، ارمان کا حلق پھاڑ قہقہہ گاڑی میں گونجا۔

''ننھا سا دل ہے تمہارا، تم زندہ کیسے ہو مجھے تو حیرت ہوتی ہے، ہر بات کو سچ جان لیتی ہو، اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر میں بھلا کیوں ناراض ہونے لگا اور تم سے ناراض، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔'' ارمان کے لہجے میں ایسا کچھ تھا، کہ نشا خاموشی سے بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

''ہمیں سمیرا بیگم سے ملنا ہے، آپ انہیں پیغام دے دیں کہ حسن اور ان کی والدہ ان سے ملنے آئے ہیں۔'' حسن شائستگی سے چوکیدار سے مخاطب ہوا، چوکیدار نیا تھا حسن کو وہ پہچانتا نہ تھا، پرانا چوکیدار ماہ نور نے نکال دیا تھا، چوکیدار نے سر سے پیر تک اس نوجوان کو دیکھا اور بولا۔

''صاحب جی سمیرا بیگم تو اس گھر میں نہیں رہتیں۔'' ثمینہ بیگم نے چونک کر چوکیدار کو دیکھا تھا تو حسن نے پریشانی سے۔

''تو پھر کہاں ہیں وہ۔'' حسن نے بے تابی سے استفسار کیا۔

''وہ جی مجھے نہیں پتا۔'' چوکیدار نے گویا جان چھڑائی تھی۔

''مجھے ان سے ملنا ہے، اگر تم مجھے روکو گے تو میں زبردستی گھر میں داخل ہو جاؤں گا۔'' حسن کو

طیش آ گیا، چوکیدار کے جھوٹ پر، ثمینہ بیگم آج بھی اس گھر کے دروازے پر بیٹے کی خاطر آئی تھیں ورگرنہ وہ ہرگز اب نشا کو بہو بنانے کے حق میں نہ تھیں، ان کے نزدیک نشا واقعی منحوس تھی، چوکیدار نے حسن کی بات کو درخواعتنانہ جانا اور سگریٹ پھونکنا جاری رکھا، حسن چوکیدار کی اس حرکت پر سیخ پا ہو گیا اور چوکیدار کو پوری قوت سے پرے دھکیلتا کھلے گیٹ سے گھر میں داخل ہو گیا ثمینہ بیگم بھی بیٹے کے پیچھے لپکیں، چوکیدار جو دھکے سے لڑکھڑا کر گرا تھا سرعت سے اٹھ کر ان کے پیچھے بھاگا لیکن تب تک وہ دونوں ماں بیٹا گھر کے رہائشی حصے تک پہنچ چکے تھے، چوکیدار بے بسی سے انہیں دیکھ کر وہیں کھڑا رہ گیا، حسن اور ثمینہ بیگم لاؤنج میں داخل ہوئے تو یہ وہ لمحہ تھا جب ندیم اپنا فیصلہ سنا کر ماں کو پتھر کر گیا تھا، ماہ نور اپنے کمرے میں تھی، حسن اور ثمینہ بیگم کو سامنے دیکھ کر سمیرا بیگم کو دھچکا لگا۔

''ہونہہ، بچ گیا یہ حسن، نشا تو اب اس کو ملنے سے رہی۔'' لیکن اگر وہ اسے یہ کہہ دیتی ہے کہ نشا کو تو وہ گھر سے نکال چکی ہے کہیں یہ مجھ پر مقدمہ ہی نہ کر دے، بیٹا پہلے ہی ہاتھ سے نکل چکا تھا، سمیرا بیگم کے پاس اتنی رقم تو تھی نہیں جو کسی مقدمے کو جھیل سکتی، اس عورت نے اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی نہ سیکھا تھا۔

''نشا کہاں ہے؟'' حسن کے لہجے کی بے تابی سمیرا کے اندر زہر بھر گئی۔

''گھر میں ہی ہے نشا۔'' جواباً سمیرا بیگم کا لہجہ پرسکون تھا۔

''بلکہ وہ طلاق چاہتی ہے تم سے۔'' سمیرا بیگم کے الفاظ حسن کو آگ لگا گئے، ثمینہ بیگم خاموش تماشائی بنی کھڑی تھیں، بیٹے کی حالت دل کو پگھلاتی تھی تو اس گھر کی سنگدلی ان کے دل کو نشا سے بدظن کرتی تھی۔

''مجھے نشا سے ملنا ہے ابھی اسی وقت، ورگرنہ میں آپ کو کورٹ میں لے جاؤں گا۔'' حسن کی دھمکی پر سمیرا بیگم نے کھول کر حسن کو دیکھا تھا۔

''دفع ہو جاؤ میرے گھر سے، نشا تمہیں کبھی نہیں ملے گی سمجھے، کبھی نہیں۔'' سمیرا بیگم کے دل میں نشا کے لئے ابھی بھی نفرت تھی۔

''آپ میری نشا سے بات کروائیں۔'' حسن جواباً دھاڑا تھا۔

''آپ کی نشا سے بات کیسے ہو گی، جب نشا گھر میں موجود ہی نہیں۔'' خوبصورت مترنم آواز پر حسن چونک کر پلٹا، سمیرا بیگم کا رنگ خوف سے زرد ہوا، ماہ نور شروع کے دنوں میں خاصی گھل مل کر رہی تھی ساس نندوں سے، تب سمیرا بیگم نے نشا پر اپنے ظلم کی داستان فخر سے سنائی تھی۔

''اب یہ لڑکی اسے مشکل میں نہ پھنسا دے، حسن سے کچھ بعید نہیں وہ واقعی کیس کر دے۔''

''تو پھر کہاں ہے نشا؟'' حسن اس حسین عورت کے عین مقابل جا کھڑا ہوا تھا، اسے نشا سے محبت تھی، محبت امتحان مانگتی ہے وہ اس وقت امتحان میں گھرا کھڑا تھا۔

''مما کو یقین تھا آپ نہیں بچیں گے، مما نے نشا کو یہی بتایا کہ آپ کی ڈیتھ ہو گئی ہے، پھر نشا کی ہم نے پچھلے ماہ شادی کر دی اور اس کا شوہر اسے امریکہ لے کر جا چکا ہے اب آپ ہی بتایئے اب آپ کو کیا کرنا چاہیے۔'' ماہ نور نے حسن پر ایٹم بم چھوڑ کر معصومیت سے کہا، حسن کا وجود پرخچوں میں ڈھل گیا، اس کی بیوی نشا کسی اور کے نکاح میں شادی شدہ زندگی گزار رہی تھی، وہ تکلیف سے ادھ موا ہونے لگا، اسے محسوس ہوا گویا اس کے دماغ کی شریان پھٹ جائے گی،

ثمینہ بیگم بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس لڑکی کو دیکھے گئیں، جو زہر اگل کر اب جا چکی تھی، سمیرا بیگم کی آنکھوں میں البتہ ماہ نور کے لئے تشکرانہ جذبات امڈے تھے، بہت بڑی مصیبت سے ماہ نور نے اسے بچا لیا تھا، پہلے کی بات اور تھی تب اس کی اپنی حکمرانی تھی، اب بیٹے کی حکمرانی تھی اور بیٹے کی ڈوریں بیوی کے ہاتھ میں تھیں۔

''اب سن لیا سچ جاؤ اب یہاں سے۔''

سمیرا بیگم تنفر سے پھنکاریں، حسن نے خالی خالی نگاہوں سے اس عورت کا مکروہ چہرہ دیکھا جو اپنے ظلم کی انتہا دکھا گئی تھی، وہ ٹوٹے دل اور تھکے قدموں سے اس گھر سے نکلا تھا، نشا اس کا مقدر ہی نہ تھی، اس پل اس کے دل نے جانا تھا، ثمینہ بیگم کا دل بیٹے کی حالت پر دکھی تھا، لیکن ان کا بیٹا زندگی کی ساری خوشیاں سمیٹے گا، انہیں یقین تھا، بس کچھ وقت درکار تھا، حسن نے گھر پہنچ کر پہلا کام ہی یہ کیا تھا، طلاق کے کاغذات تیار کروا کر طلاق نشا کے گھر بھجوا دی، اب نشا سے اس کا ہر تعلق ختم ہو چکا تھا، شاید محبت کا بھی، وہ دن عریشہ کی محبت کی جیت کا دن تھا جب حسن نے طلاق کے کاغذات سائن کیے تھے، ثمینہ آنٹی نے ساری بات اس کے گوش گزار کر دی تھی اور وہ جانتی تھی اس میں کوئی صداقت نہیں ہے، لیکن وہ کیوں سچ اگلتی، جب اس کا کام بن گیا تھا، نشا کو طلاق ہو گئی تھی، لیکن افسوس نشا کو علم نہ تھا، بیچاری اب حسن کی یاد سینے سے لگائے زندگی کے دن پورے کرے گی، عریشہ کی سوچ میں نشا کے لئے افسوس تھا۔

☆☆☆

''کیا ہو رہا ہے؟'' ارمان کچن میں داخل ہوا تو مختلف کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں نے اس کا استقبال کیا تو وہ بے ساختہ استفسار کر بیٹھا، نشا جو مگن انداز میں کھانا ڈش آؤٹ کر رہی تھی، مصروف انداز میں بولی۔

''کھانا برتنوں میں نکال رہی ہوں، کیا کیا بنا لیا تم نے اس گھامڑ کے لئے۔'' ارمان ندیدوں کی طرح برتن چیک کرنے لگا، نشا نے کمر پر ہاتھ رکھ ارمان کو گھوری سے نوازا۔

''اب کیا کہہ دیا میں نے۔'' ارمان نے لہجے میں معصومیت سموئی۔

''تم نے گھامڑ کسے کہا۔'' نشا نے لڑاکا بیوی کی طرح استفسار کیا۔

''پکی بیوی لگ رہی ہو۔'' ارمان پٹڑی سے اترا تھا۔

''کیا مطلب ہے بیوی لگ رہی ہو بھئی بیوی ہے وہ تمہاری۔'' دردانہ بھابھی نے عین اسی وقت کچن میں انٹری دی تھی، نشا گڑبڑا کر پھر کھانا نکالنے لگی، ارمان نے اس کی حالت کا خوب مزہ لیا۔

''ویسے گھامڑ میں نے تابش کو کہا تھا۔'' وہ نشا کے قریب ہو کر سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

''بھائی ہیں وہ میرے، خبردار جو انہیں گھامڑ کہا۔'' جواباً نشا بھی دھیمی آواز میں غرا کر بولی۔

''لڑکی حد ادب، اس کے لئے عزت بھرے الفاظ اور مجھے تم تم لگی رہتی ہو۔'' ارمان نے اس کے غرانے پر آنکھیں دکھائیں۔

''یہ کیا کھسر پھسر کر رہے ہو دونوں۔'' دردانہ بھابھی نے ان کے سر پر چھاپہ مارا تھا۔

''سمجھا کریں نا بھابھی میاں بیوی کے راز و نیاز ہیں، اب آپ کو کیا بتائیں۔'' ارمان نے نشا کو دیکھتے دائیں آنکھ کا کونا دبا گیا، نشا کا دل اس پل دھڑک اٹھا، وہ بے اختیار نگاہیں جھکا گئی، دل کی لگامیں اس نے اسی پل شدت سے کسی تھیں،

ارمان محض اس کا دوست تھا اور کچھ نہیں، اس نے خود کو یقین دلایا تھا۔
"مجھے جانا بھی نہیں ہے، تم دونوں خوش رہو بس اور ہاں نشا تابش اور اس کی بیوی پہنچنے والے ہیں، اپنے میاں صاحب سے کہو تمہاری ہیلپ کروائے ٹیبل پر کھانا سرو کرنے کے لئے، ملازمہ نے بھی آج ہی چھٹی کرنی تھی، میری طبیعت صبح سے کچھ عجیب سی ہو رہی ہے، کچھ سمجھ نہیں آ رہی وگرنہ میں تمہاری مدد کروا دیتی، تم نے تنہا اتنا کام کیا ہے، آفان اور میں تو تمہارے پکائے کھانوں کے فین ہو چکے ہیں، اب تابش اور اس کی بیوی بھی انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے۔" دردانہ بھابھی کے لئے میں محبت کا سمندر موجزن تھا نشا کے لئے، نشا کی آنکھیں اتنی محبت پر بھر آئیں، کام وہ اپنے گھر میں بھی کرتی تھی، وہاں اسے بدلے میں ستائش کی بجائے ڈانٹ پھٹکار سہنا پڑتی تھی، یہاں ہر کوئی اسے سراہتا تھا، محبت دیتا تھا بدلے میں، وہ ہر پل اللہ کا شکر ادا کرتی تھی جس نے اسے بہترین ٹھکانہ دیا تھا۔
"اور آئندہ بھی اللہ اس کی زندگی میں آسانیاں لائے گا اسے یقین کامل تھا۔" ارمان کی نگاہیں نشا کی نم آنکھوں سے الجھ گئیں، وہ اس کی کیفیت سمجھتا تھا، لیکن بھابھی کی عجیب طبیعت پر دونوں ہی یکساں فکر مند ہوئے تھے۔
"بھابھی کھانے کے بعد میں آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا ارمان کے لہجے میں فکر اور محبت تھی۔
"میں بھی ساتھ جاؤں گی۔" نشا بھی بول اٹھی۔
"کیوں تم جاؤ گی۔" ارمان نشا کو تنگ نہ کرے یہ کیسے ہو سکتا تھا۔
"کیوں میں کیوں نہیں جا سکتی۔" جواباً تنک کر کہا گیا، آنکھوں کی نمی خفگی میں ڈھل گئی۔
"ارمان، نشا۔" بھابھی کی پکار پر دونوں نوک جھونک چھوڑ کر بھابھی کی جانب متوجہ ہوئے، دردانہ بھابھی میز کا کونا پکڑے بمشکل کھڑی تھیں۔
"بھابھی آپ ٹھیک نہیں ہیں میں ابھی آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں۔" ارمان تیزی سے بولا، آفان آفس میں کسی میٹنگ میں مصروف تھے اس لئے وہ گھر نہ آ سکے تھے۔
"نشا تم بھابھی کو پکڑو میں اور تم بھابھی کو سہارا دے کر گاڑی تک لے جاتے ہیں۔"
ارمان کے لہجے میں تفکر اور تشویش تھی، آخر بھابھی کو اچانک کیا ہو گیا، نشا اور ارمان نے بھابھی کو گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بٹھایا، نشا ان کے ساتھ بیٹھ گئی، ارمان گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا، چوکیدار نے گیٹ کھول دیا، ارمان کی گاڑی آن واحد میں گیٹ سے نکلی تھی، ڈاکٹر کے کلینک پہنچ کر ارمان نے ڈاکٹر سے فوری ٹائم لیا، اب بھابھی ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کروا رہی تھیں، ارمان اور نشا باہر انتظار میں بیٹھے تھے، وہ دونوں خاموش تھے، نشا کو ارمان اور اس کی فیملی کے ساتھ رہتے سال کا عرصہ گزر چکا تھا، حسن ایک یاد بن کر اس کے دل و روح پر تازیانے لگا تا رہتا تھا، وہ ارمان کے ساتھ حسن کی کالونی دوبارہ بھی گئی تھی، تب چوکیدار نے دونوں کی بات تک نہ سنی تھی اور انہیں درشتگی سے جانے کا کہا تھا، وہ دونوں لوٹ آئے تھے، نہ جانے کیوں اسے لگنے لگا تھا ارمان اس کے دل میں خاص مقام حاصل کر چکا ہے، وہ مقام جو حسن نکاح کے بعد بھی حاصل نہ کر پایا تھا۔
اسے ارمان کی فکر رہتی تھی، وہ اس کی ناراضگی سہہ نہ پائی تھی، وہ اللہ سے بھی ڈرتی تھی

وہ کسی کے نکاح میں تھی پھر اس کی سوچوں پر ارمان کیوں قابض ہونے لگا تھا، لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی، حسن تو اس کب کا طلاق دے چکا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' ارمان نے نشا کو سوچوں میں مستغرق دیکھ کر استفسار کیا۔

''کچھ نہیں بس حسن کے متعلق سوچ رہی تھی۔'' نشا کے لہجے میں افسردگی تھی، ارمان کے دل میں چبھن سی ہوئی تھی، ایک کسک سی جاگی تھی، نشا تو کسی کی امانت ہے پھر اس کا دل کیوں اس کا اسیر ہوا، اب نشا وہ ڈری سہمی دبو سی نشا نہ تھی، بلکہ با اعتماد ہنستی مسکراتی رہنے والی نشا تھی اور ایسی نشا ارمان نے اسے بنایا تھا، وہ اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا، وہ ہر خوشی اس کے قدموں میں ڈھیر کر دینا چاہتا تھا خواہ وہ خوشی حسن کی صورت ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنے طور پر بھی حسن کو تلاش کر چکا تھا، حسن اپنی فیملی کے ہمراہ لندن جا چکا تھا، اب وہ صحت یاب تھا یہی اطلاع اسے ملی تھی اور وہ نشا کو یہ خبر دے کر بے چین نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''اب تم کیوں سوچ میں ڈوب گئے۔'' نشا اپنی بات کے جواب میں ارمان کو چپ کی چادر اوڑھتے دیکھ کر استفسار کیے بنا نہ رہ سکی۔

''کچھ نہیں، میں نے کیا سوچنا ہے، ابھی تک ڈاکٹر نے بھابھی کو چیک ہی نہیں کیا۔'' لہجے میں بھابھی کے لئے فکر تھی، نشا بس اسے دیکھ کر رہ گئی جو بڑی خوبصورتی سے بات بدل گیا تھا، اسی وقت دونوں کی نظر تابش اور لائبہ پر پڑی اور ان کے پیچھے ہی آفان بھائی چلے آئے، ارمان سب کو کال کر کے بھابھی کی خرابی طبیعت سے انفارم کر چکا تھا اور ہاسپٹل کا ایڈریس بھی دے دیا تھا، اب سب چہروں پر فکر طاری کیے منتظر بیٹھے تھے، ڈاکٹر کے روم کا دروازہ کھلا تو سب گویا کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑے ہوئے، ڈاکٹر کے ساتھ بھابھی باہر نکلیں جن کے چہرے پر شرگیں مسکراہٹ رقصاں تھی۔

''ڈاکٹر کیسی طبیعت ہے اب دردانہ کی۔'' آفان بھائی نے بے تابی سے استفسار کیا۔

''مبارک ہو، آپ کی بیوی پریگنیٹ ہے، بس ان کے کھانے پینے کا، آرام کا خیال رکھیں، باقی سب اوکے ہے۔'' ڈاکٹر نے گویا سب نفوس کے اوپر خوشیوں اور شادمانی کی بارش کر دی تھی، آفان بھائی تو خوشی اور بے یقینی کے ملے جلے تاثرات میں گھر کر رہ گئے۔

''کیا واقعی ان پر اللہ نے کرم کر دیا تھا۔'' خوشی تھی کہ سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی، ارمان تو خوشی سے باقاعدہ اچھلنے لگا، نشا نے بھابھی کو محبت سے گلے لگا لیا، تابش اور لائبہ نے دونوں میاں بیوی کو مبارکباد دی۔

''مجھے بھی تو مبارک دو، میں چاچو بننے والا ہوں۔'' ارمان خوشی سے چہکا۔

''مبارک تو دینی بنتی ہے ارمان اور نشا کو بھی، دونوں خیر سے چاچو چچی بننے والے ہیں۔'' لائبہ ہنس کر بولی، ارمان تو ارمان نشا بھی پل بھر کے لئے چپ سی ہو گئی، تابش بلاوجہ کھانسنے لگا، آفان کی مکمل توجہ دردانہ پر تھی۔

''نہ جانے اللہ کو میری کون سی نیکی پسند آ گئی جو مجھ پر کرم ہو گیا، نشا کو میں نے خوشدلی سے قبول کیا تھا یقیناً یہ اسی نیکی کا ثمر ہے۔'' دردانہ بھابھی نے محبت سے نشا کو گلے لگا لیا۔

''بالکل یہی بات ہے، نشا کی آمد ہمارے گھر کے لئے خوشیوں کا پیغام لائی ہے۔'' آفان بھائی نے محبت سے نشا کے سر پر ہاتھ رکھا، کتنا پر سکون خوشی بھرا احساس تھا باپ بننے کا، وہ ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں گھرے تھے۔

''چلیں ابھی گھر چل کر باقی خوشی منائیں۔'' تابش بولا تو سب نے ہاں میں ہاں

ملائی، پورا قافلہ پارکنگ میں پہنچا، تابش اور لائبہ اپنی گاڑی میں، آفان دردانہ کو لے کر اپنی گاڑی میں جا بیٹھے، ارمان اور نشا کھڑے رہ گئے۔

''ارمان واپسی پر مٹھائی لیتے آنا۔'' آفان بھائی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے خوشی سے بھرپور آواز میں بولے۔

''جی بھائی لیتا آؤں گا۔'' ارمان نے جواباً محبت سے کہا تھا۔

''آؤ اب ہم بھی گاڑی میں بیٹھ جائیں۔'' ارمان نے نشا کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا، نشا خاموشی سے فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی، وہ خوش تھی بے پناہ، ارمان ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر گاڑی کو سڑک پر لے آیا۔

''اب مٹھائی لینی ہے، پھر گھر چلنا ہے۔'' ارمان نے خود کلامی کی۔

''ارمان میں بہت خوش ہوں، بھابھی کتنی خوش ہیں نا، میں اب انہیں کسی کام کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گی۔'' نشا نے بھرپور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ارمان نے نشا کے خوبصورت چہرے پر نگاہ ڈالی تو ہٹانا مشکل ہو گیا، وہ اتنی پیاری تھی کہ نگاہ ہٹتی نہ تھی، کاش اس کا نکاح نہ ہوا ہوتا اس کے چہرے سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اس نے ہر بار کی طرح سوچا تھا۔

''نشا!'' ارمان کی آنکھوں کو خود پر مرکوز پا کر چپ سی ہو گئی، ارمان کی آنکھیں بولتی تھیں، ان میں احترام کے ساتھ کچھ اور بھی تھا، جن سے وہ نگاہیں چرا جاتی تھی، وہ سڑک پر بھاگتی گاڑیاں دیکھنے لگی۔

سگنل پر گاڑی رکی تو غیر ارادی طور پر نشا کی نگاہ ارمان کی گاڑی کے قریب سے گزرتی گاڑی کے ڈرائیور پر پڑی۔

''حسن!'' اس کے لب پھڑ پھڑائے۔

''ارمان اس گاڑی میں حسن ہے، میں نے خود دیکھا ہے اسے۔'' حسن کی موجودگی گاڑی میں یقینی جان کر وہ ارمان کا بازو پکڑ کر اسے جھنجھوڑ گئی، ارمان نے اس گاڑی کی سمت دیکھا جدھر نشا نے اشارہ کیا تھا، اس سے قبل کہ نشا اتر کر اس گاڑی کی طرف بڑھتی اشارہ کھلا اور گاڑی گولی کی رفتار سے چلتی دور ہوتی گئی، ارمان نے بھی گاڑی اس گاڑی کے پیچھے لگا دی، اس سے قبل کہ وہ گاڑی کو جا لیتا، سگنل آ گیا حسن کی گاڑی آگے بڑھ گئی اور وہ سگنل کی سرخ بتی جلنے کے باعث وہیں بے بس کھڑا رہ گیا، اس نے نشا کی طرف دیکھا جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس سمت دیکھ رہی تھی جدھر گاڑی گئی تھی، ارمان کو اس پل نشا پر اس پیاسے کا گمان ہوا جسے دریا ملنے والا ہو، لیکن وہ پیاس بجھانے سے محروم رہ گیا ہو۔

''سوری نشا، میں نے بہت کوشش کی کہ۔''

''تم کیوں سوری کر رہے ہو ارمان، قسمت کے سامنے ہر انسان بے بس ہے اور میری قسمت ہی ایسی ہے۔'' نشا نے ارمان کی بات کاٹ کر سپاٹ لہجے میں کہا، ارمان محض اس کے چہرے پر رقم تھکن دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

''مما! یہ ندیم بھائی کو ہو کیا گیا ہے، ہمیں خود سے الگ کر دیا۔'' نمرہ ثمرہ کا صدمے اور بے یقینی سے برا حال تھا، سمیرا بیگم کو تو چپ ہی لگ گئی تھی، وہ جو سمجھے بیٹھی تھیں وہ سب ٹھیک کر لیں گی، کچھ بھی ٹھیک نہ ہوا تھا، ماہ نوران کے بیٹے کے دل و دماغ پر بری طرح چھا گئی تھی، کیسے اپنی ماں اور بہنوں کو الگ گھر میں شفٹ کر دیا گو گھر ساتھ تھے لیکن سمیرا بیگم اور نمرہ ثمرہ کو اجازت نہ دی ماہ نور کی راجدھانی میں قدم رکھنے کی، دوسری پریشان کن بات جو انہیں دیمک بن کر چاٹ رہی

تھی، ماہ نور نمرہ اور ثمرہ کے لئے رشتے بھی پسند کر چکی تھی، ندیم نے سمیرا بیگم کو صرف یہ کہہ کر ان کے مان کے پرخچے اڑا دیے تھے، ماہ نور نمرہ ثمرہ کے لئے بہترین گھر پسند کر چکی ہے، آج کل میں وہ لوگ نمرہ ثمرہ کو دیکھنے آئیں گے، سمیرا بیگم نے یہ بات نمرہ ثمرہ کو نہ بتائی تھی ورنہ وہ غصے سے پاگل ہو جاتیں، اس بنگلے میں شفٹ ہونے کے بعد ندیم نے خرچے کے نام پر دھیلا بھی نہ دیا تھا، بس اتنا کہہ دیا آئندہ ماہ نور آپ کی ہر ضرورت کا خیال رکھے گی، وہ سوچ سوچ کر پاگل ہونے لگتیں، آخر وہ اتنی بے بس کیوں ہو چکی ہیں، نہ جانے کن لوگوں میں وہ خرانٹ لڑکی اس کی بیٹیاں بیاہنے جا رہی تھی، وہ ندیم کے سامنے گرجی تھیں، حکم دیا تھا کہ اپنی بیوی کے کہنے میں آ کر اپنی ماں بہنوں کی زندگی جہنم نہ بنائے جواباً وہ مزید اول فول بکتا گیا تھا، سمیرا بیگم کو آنے والے وقت کی فکر کھائے جا رہی تھی، ایک ہی ملازم رکھنے کی ماہ نور نے اجازت دی تھی، ملازمہ کی زبانی ہی اسے علم ہوا تھا، ندیم وہ بنگلہ ماہ نور کے نام کر چکا ہے، باقاعدہ پارٹی رکھی گئی تھی گھر میں ماں بہنوں کو ندیم نے بھنک بھی نہ پڑنے دی تھی، ان کا دل ابھی بھی اپنے خسارے پر رو رہا تھا، ایک پل کے لئے بھی نشا کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا خیال انہیں اب بھی نہ آیا تھا، قدرت سمیرا بیگم پر ماہ نور کی حکمرانی کی صورت کوڑے برسا رہی تھی، لیکن ناسمجھ عورت ابھی بھی نہ سمجھی تھی کہ یہ اس کے گناہوں کی سزا ہے۔

☆☆☆

''حسن کتنے خوبصورت کنگن ہیں، آپ کی چوائس بہترین ہے۔'' عریشہ اپنی دودھیلا کلائی میں جگمگاتے نگاہوں کو خیرہ کرتے ڈائمنڈ جڑے کنگنوں پر نزاکت سے انگلی پھیرتی ہوئی چہکی، حسن سے شادی اس کا خواب تھا، اس کے خواب کی تکمیل اتنی جلد ہو جائے گی، اس نے سوچا بھی نہ تھا، حسن کے نشا کو طلاق دیتے ہی ثمینہ آنٹی نے ایک لمحے کی تاخیر کیے بنا عریشہ اور بنا حسن کا رشتہ فائنل کر دیا، حسن کو ماں کے حکم کے سامنے سر جھکانا پڑا، اس کے دل میں نشا تھی، جو بے شک اپنی چچی کے سامنے بے بس تھی، لیکن پھر بھی بے وفائی کا جو زخم وہ حسن کے دل پر لگا گئی تھی، وہ آہستہ آہستہ ہی بھرنا تھا، شادی کے بعد عریشہ نے اپنی بے پایاں محبت حسن پر لٹا دی تھی، حسن نے وہی کنگن عریشہ کو شادی کی پہلی سالگرہ پر گفٹ کیے تھے جو وہ نشا کی منہ دکھائی کے لئے خرید چکا تھا، جب اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تب وہ سمیرا بیگم کی فرمائش پر ان کے لئے کنگن خریدنے گیا تھا، وہیں سے زندگی نے رخ ہی بدل لیا تھا، آج نشا کی بجائے عریشہ اس کی ہم سفر تھی، حسن عریشہ کی چہکار پر محض مسکرا کر رہ گیا، عریشہ اپنی محبت اور خلوص سے اس کا دل جیت چکی تھی، اب وہی اس کا سب کچھ تھی، نشا کا خیال اب بھولی بسری یاد میں ڈھل چکا تھا، شادی کے فوراً بعد ثمینہ بیگم حسن اور عریشہ کو لے کر انگلینڈ روانہ ہو گئی تھیں، ابھی چند ماہ قبل ان کی واپسی ہوئی تھی، ابھی تک یہ جوڑا اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔

''حسن آپ کو مجھ سے محبت ہے نا۔'' عریشہ حسن کے قریب بیڈ پر بیٹھی تھی، حسن کے کندھے پر اس کا سر تھا، لہجے میں یقین کی آس تھی، وہ حسن سے ہر چوتھے دن محبت کی یقین دہانی کروانے لگ جاتی، اسے ڈر تھا کہیں نشا حسن کو مل نہ جائے اور وہ اسے سچ سے آگاہ کر دے، وہ لازماً عریشہ کا نام بھی لے گئی، تب حسن کہیں عریشہ کو چھوڑ نہ دے، حسن کو تو وہ پا چکی تھی لیکن حسن کے ساتھ خوف بھی اس کا ہم سفر تھا۔

''بیوی ہو تم میری، مجھے تم سے محبت کیوں نہ ہوگی۔'' حسن نے محبت سے عریشہ کو قریب کیا، عریشہ کچھ پل حسن کی نگاہوں میں دیکھتی رہی جہاں عریشہ کے لئے پسندیدگی حد درجہ تھی لیکن محبت وہ اسے کیوں نظر نہ آتی تھی حسن کی نگاہوں میں، وہ محبت چاہتی تھی حسن کی، اس کے دل کی ملکہ بننا چاہتی تھی، وہ اس کا ہو کر بھی اس کا نہ تھا، یہی خیال اس کی روح پر تازیانے کی مانند لگتا تھا۔

''کیا دیکھ رہی ہو۔'' حسن اس کے دیکھنے پر دھیما سا مسکرایا تھا۔

''بس دیکھ رہی ہوں میرا محبوب کتنا سوہنا ہے۔'' عریشہ کے لہجے میں شرارت اور محبت ایک ساتھ چھلکی تھی، حسن کی مسکراہٹ پل بھر میں غائب ہوئی تھی۔

''اب آپ کو کیا ہوا۔'' عریشہ پر بے چینی حملہ آور ہوئی تھی، بس یونہی کچھ یاد آ گیا تھا، حسن کا لہجہ خوشی کے ہر رنگ سے عاری تھا۔

''آپ کو نشا کی یاد آئی ہے نا۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی عریشہ کی زبان سے پھسلا، جواباً حسن نے خالی خالی نگاہوں سے عریشہ کو دیکھ کر اس کے یقین پر مہر ثبت کر دی، حسن کے دل پر آج بھی نشا کی حکمرانی ہے، محبت جب روح و دل پر وارد ہوتی ہے تب روح و دل اسی نام کی مالا جپنے لگتے ہیں جو پہلی محبت بن کر روح و دل میں اترا ہو، عریشہ کے من میں سناٹے پھیلنے لگے، اس نے حسن کے وجود کو پایا تھا، اس کے دل و دماغ میں تو آج بھی نشا بستی تھی جو نہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوگی، زندہ بھی بچی ہوگی کہ نہیں، لیکن اس کی محبت حسن کے دل میں زندہ تھی یہی بات عریشہ کی خوشی غارت کر دیتی تھی، حسن کو بھی اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تو شرمندگی اور ندامت محسوس کرتے عریشہ کا تاریک پڑتا چہرہ دیکھا عریشہ کی نگاہیں حسن کے چہرے پر مرکوز تھیں، آنکھوں میں نمی لئے وہ لب کچلتی بے بسی کی انتہا پر تھی، حسن کے دل کو کچھ ہوا، نشا کی بے وفائی کی سزا وہ عریشہ کو کیوں دے جو اسے دل و جان سے چاہتی ہے۔

''عریشہ!'' حسن نے محبت لہجے میں سمو کر اسے پکارا، عریشہ بھلا کب حسن سے ناراض رہ سکتی تھی، اس کے لب مسکرا اٹھے، لہجے کی محبت محسوس کرتے ہی دل پر سکون ہوا تھا، حسن نے نرمی سے اس کے نرم و نازک وجود کو تھاما اور خود میں سمو لیا، اب عریشہ ہی اس کا سب کچھ تھی اس نے اپنے دل کو باور کرایا تھا، عریشہ تو محبوب کی باہوں میں خود کو پا کر ہواؤں کے سنگ محو رقص تھی، حسن اس کے پاس تھا اسے اور کیا چاہیے تھا۔

☆☆☆

''نشا میری خدمتیں چھوڑو اور اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دو، امتحان قریب ہیں اور تم نے میرے کھانے پینے کی ذمہ داری خود پر سوار کر رکھی ہے۔'' دردانہ بھابھی نے فریش جوس کا گلاس ٹیبل پر رکھتی نشا کو پیار بھری سرزنش کی۔

''بھابھی میری پڑھائی بالکل اپ ٹو ڈیٹ جا رہی ہے، آپ بس مجھے خدمت کرنے دیں، روکیں مت، مجھے بہت اچھا لگتا ہے آپ کا خیال رکھ کے۔'' جواباً نشا نے التجاء کی تھی۔

''بھابھی آپ سمجھیں نا، نشا بے سبب خدمت نہیں کر رہی، بلکہ.....'' ارمان جو لاؤنج میں دبیز صوفے پر نیم دراز لیپ ٹاپ پر میلز چیک کرنے میں مشغول تھا لیکن اس کی سماعتیں بھابھی اور نشا کی باتوں پر مرکوز تھیں ان کی جھٹ گفتگو میں مداخلت کی اور بات ادھوری چھوڑ کر

پھر سے لیپ ٹاپ میں گم ہو گیا، نشا نے گھور کر ارمان کو دیکھا ہر بات میں اس کا ٹانگ اڑانا نہ جانے کیوں ضروری ہے، جبکہ بھابھی اس کی ادھوری بات میں الجھ گئیں اور استفسار کیے بنا نہ رہ سکیں۔

''یہ بلکہ سے تمہاری کیا مراد ہے؟'' ارمان یوں ان سنی کر گیا، گویا دونوں وہاں موجود ہی نہ ہوں۔

''ارمان تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔'' ارمان کے ان سنی کرنے پر بھابھی کا پارہ چڑھ گیا، نشا کے دل میں جی بھر کر گدگدی ہوئی۔

''اب مزہ آئے گا جب موصوف کو ڈانٹ پڑے گی۔''

''اس کے معاملے میں ٹانگ لازمی اڑانی ہوتی ہے تو چکھے مزہ، کیا پوچھ رہی تھیں بھابھی آپ۔'' ارمان لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے گھبرا کر بولا، وہ واقعی بات کرنے کے بعد ایک اہم ای میل پڑھنے میں مگن ہو گیا تھا، میل خاص اہم نوعیت کی تھی سو وہ بھابھی کی بات واقعی سن نہ سکا تھا، لیکن نشا کے چہرے پر بھرپور مزہ لینے والی کیفیت رقم تھی۔

''تمہارے کان بند تھے جو تم نے سنا نہیں میں نے کیا کہا۔'' بھابھی اپنے جلال میں آ گئی تھیں ان کے نزدیک یہ سراسر بدتمیزی تھی۔

''بھابھی واقعی میں نے نہیں سنا۔'' اس نے خود کو کوسا جب اس نے دونوں کی گفتگو میں مداخلت کی تھی۔

''وہ بھابھی پوچھ رہی تھیں یہ بلکہ سے تمہاری کیا مراد ہے۔'' نشا کے چہرے پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی، ارمان اسے ستاتا تھا تو اب وہ بھی پیچھے نہ رہتی تھی۔

اگر سمیرا بیگم نشا کو دیکھ لیتیں تو بدلی ہوئی حاضر جواب نشا کو دیکھ کر کبھی یقین نہ کرتیں کہ یہ وہی نشا ہے جو ان کی ایک نظر پر سہم جاتی تھی، نشا کو محبت، احترام اور دوستی نے ایسا بنا دیا تھا، اسے ارمان کی فیملی سے اتنی محبت، احترام ملا تھا، وہ سچ مچ خود کو اس گھر کا فرد تصور کرنے لگی تھی۔

''اوہ تو آپ میری ادھوری بات کا مفہوم جاننا چاہتی ہیں۔'' ارمان نے اوہ لمبا کھینچا۔

''جی اب آپ اگل دیں وجہ۔'' بھابھی نے اپنا فشار خون کا گراف کم کرنے کے لئے جوس کا گلاس تھام کر منہ کو لگا لیا، وہ ایسی ہی تھیں پل میں شبنم بن جاتیں پل میں شعلہ۔

''یہ دراصل اس لئے خدمت کر رہی ہے آپ کی، تاکہ کل کو آپ اس کی خدمت کریں۔'' ارمان بے تکی ہانک گیا، کہنا اسے کچھ تھا کہہ وہ کچھ گیا تھا، بھابھی کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ اتری۔

''چل ہٹ شریر، یہ نہ بھی میری خدمت کرے میں تب بھی اس کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گی، میری دیورانی نہیں بیٹی ہے نشا۔'' اور نشا ارمان کی بات سن کر پہلے تو گڑبڑائی پھر کینہ توز نگاہوں کا گولہ ارمان کی جانب پھینکا جسے اس کی نگاہوں نے سہم کر وصول کیا تھا، اب یقیناً یہ جوابی کاروائی کرے گی اور وہی ہوا۔

''بھابھی آپ جانتی ہیں میرا میتھ کتنا لف ہے، کچھ پوئنٹس مجھے سمجھ ہی نہیں آ رہے، مجھے اکیڈمی بھی نہیں پڑھنا۔'' ایک دو دفعہ ارمان سے ہیلپ مانگی تو اس نے صفا چٹ انکار کر دیا کہ اکیڈمی جوائن کرو، نشا کو بس ارمان کو بھرپور ڈانٹ پڑوانی تھی۔

''تم تو کہہ رہی تھی پڑھائی اے ون جا رہی ہے، دیکھو نشا مجھے تمہارا رزلٹ شاندار چاہیے، پڑھائی کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہیں۔''

''اور تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا ارمان نے تمہیں ایسے کہا ہے۔'' بھابھی پھر شعلہ بن گئیں، وہ بھابھی ابھی اچانک یاد آیا کہ کل تو میتھ کا ٹیسٹ ہے، جواباً نشا معصومیت سے بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں پٹ پٹا کر بولی۔

''اور تم نشا کو اکیڈمی کا مشورہ دے رہے تھے، خود پڑھے لکھے ہو کر بیوی کو نہیں پڑھا سکتے، تم نے اسے انکار کیا تو کیا کیوں۔'' بھابھی کا انداز جارحانہ تھا، ارمان برا پھنسا تھا، اسے نشا واقعی سوال سمجھانے کو کہا تھا، لیکن وہ واقعی ان دنوں بزنس کے معاملات میں اتنا بزی تھا کہ وہ نشا کو وقت ہی نہ دے سکتا تھا، وہ اس پر اندھا اعتبار کرتی تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اسے واقعی پڑھانا نہیں چاہتا تھا۔

''وہ بھابھی اتنا بزی ہوتا ہوں، وقت ہی نہیں نکال پاتا۔'' وہ اب بھابھی کو کیا بتاتا، نشا اگر اس کی واقعی بیوی ہوتی تو وہ اس کا سایہ بن جاتا، وہ کسی کی امانت تھی اور اسے امانت حقدار تک پہنچانی تھی، وہ اپنے دل میں پنپتے جذبوں کو منہ زور نہیں بنانا چاہتا تھا، نشا کے دل میں ایسی بات نہیں تھی تو اس کے دل میں نشا کی محبت تھی۔

''نشا ابھی ارمان تمہیں سمجھا دے گا، جاؤ اپنی کتاب لے کر آؤ۔'' بھابھی نے نشا کو حکم دیا، ارمان سینے پر ہاتھ باندھ کر نشا کو دیکھنے لگا جواب بھی پرسکون کھڑی تھی۔

''وہ بھابھی میں خود ہی سمجھ لوں گی، ارمان بزی بھی تو ہے۔'' نشا بھابھی کے کندھے دبانے لگی۔

''جو کہا ہے نشا وہ کرو، آئندہ یہ تمہیں روزانہ پڑھایا کرے گا، تمہارا آئی سی ایس کا رزلٹ اگر خراب ہو گیا تو محنت ضائع ہو جائے گی۔'' بھابھی نے نشا کے ہاتھ اپنے کندھوں پر سے ہٹائے۔

''بھابھی کر لوں گی نا۔'' نشا کب ارمان سے پڑھنا چاہتی تھی، وہ تو ارمان نے بے تکی بات کی تو جواباً وہ بھی اس کو ڈانٹ پڑوانے کے چکر میں بے تکی ہانک گئی، بھابھی کا حکم ٹالنا اس گھر کے کسی فرد کے بس کی بات نہ تھی، سو وہ خاموشی سے کتاب اور رجسٹر لے کر ارمان کے عین سامنے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی، بھابھی کو کوئی کام یاد آ گیا تھا وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔

''بک کھولو۔'' ارمان نے ٹیچر بن کر حکم دیا، نشا نے بھنویں سکیڑ کر اس کے رعب کو ملاحظہ کیا۔

''نہ کھولوں تو؟'' جواباً وہ بے نیاز ہوئی۔

''لڑکی ٹیچر ہوں میں اس وقت تمہارا، کتاب کھولو اور جو سمجھنا ہے بتاؤ مجھے، میرا وقت بہت قیمتی ہے۔'' ارمان نے لہجے کو مزید بارعب بنایا۔

''تو ٹیچر صاحب مجھے آپ سے نہیں پڑھنا، میں تو بس ویسے ہی ڈانٹ پڑوانا چاہتی تھی آپ کو۔'' نشا اس کے رعب کو کسی خاطر میں نہ لائی تھی۔

''میں سمجھا شاید مجھ سے پڑھنے کی خواہش تھی، اس لئے بھابھی سے شکایت لگائی میری۔'' ارمان آگے کو جھک کر گمبھیر لہجے میں بولا، نشا کا دل ارمان کے لہجے کے گمبھیر پن میں کھو سا گیا، لیکن یہ صرف ایک پل کے لئے تھا، دل پھر سے بے نیازی کی چادر اوڑھ چکا تھا۔

''ایسی کوئی خواہش نہیں تھی میری، بس تم نے بے تکی بات کی جواباً میرے منہ سے بھی نکل گئی، حساب برابر ہوا، اب تم اپنا کام کرو، میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' نشا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نشا کیا ہوا اتنی جلدی پڑھ لیا۔'' بھابھی جو

ابھی کمرے سے نکلی تھیں، نشا کو اٹھتے دیکھ کر اچنبھے سے استفسار کیا۔

''جی بھابھی نہ صرف سمجھ لیا، بلکہ اب آئندہ مجھے ان سے سمجھنے کی ضرورت بھی نہ پڑے گی۔'' نشا نے مسکرا کر جواب دی۔

''ماشاء اللہ میرے دیور دیورانی تو بہت ہی علامہ ہیں ماشاء اللہ۔'' بھابھی نے طنزاً سراہا، اب اتنی جلدی کون سی پڑھائی ہو سکتی تھی، یہ دونوں ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔

''بس اب میں ان کی رخصتی کر ڈالوں گی۔ پڑھتی رہے گی نشا شادی کے بعد بس اس کے پیپرز ہو جائیں اور میں بھی فارغ ہو جاؤں، پھر دونوں کی رخصتی۔'' ارمان دوبارہ اپنے لیپ ٹاپ میں مگن ہو گیا۔

''نشا، ارمان!'' بھابھی نے سوچوں کے حصار سے باہر نکل کر دونوں کو پکارا۔

''جی!'' دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا تھا۔

''ارمان تم نشا کو ساتھ لے جاؤ، کچن کا سامان ختم ہو چکا ہے وہ لے آؤ، پہلے تو میں شاپنگ کر لیتی تھی، اب تم دونوں کو ہی یہ سب دیکھنا ہے اور ہاں نشا کے پاس مجھے کچھ ڈھنگ کے سوٹ نظر نہیں آتے، اس کو شاپنگ کروا دینا، تمہیں خود خیال رکھنا چاہیے اس کی ضروریات کا۔'' بھابھی کا حکم سن کر دونوں کا منہ لٹک گیا، دونوں کا موڈ اس وقت باہر جانے کا نہ تھا، نشا کو صبح کالج جانا تھا، ارمان کی صبح آٹھ بجے میٹنگ تھی، اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے، بھابھی حکم دے کر ان کے لٹکے چہروں کو درخوا عتنا نہ جان کر کمرے میں جا چکی تھیں، ارمان لیپ ٹاپ بند کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''نشا آپ گاڑی کے قریب تشریف لے جائیں، میں چابی اور والٹ لے کر آتا ہوں۔'' ارمان کا لہجہ سڑا ہوا تھا۔

''اگر نہیں دل چاہ رہا مجھے ساتھ لے جانے کو تو خود چلے جاؤ۔'' نشا بے زار ہوئی۔

''اب ایسا بھی نہیں کہا میں نے، کبھی ایسی شاپنگ کی نہیں نا، اس لئے دل جانے کو نہیں چاہ رہا، کی تو میں نے بھی نہیں، کبھی گھر سے باہر اپنے ساتھ کبھی لے کر ہی نہیں گئیں سمیرا آپی۔'' نشا کندھے اچکا کر بولی، وہ غم کو اپنے سر سے اتار کر پھینک چکی تھی، ارمان کو تاسف نے آن گھیرا، جب تک نشا ان کے گھر میں ہے تب تک اسے اس کو کسی کمی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہیے۔

''چلو اب جلدی ریڈی ہو جاؤ، آج ہم دونوں دوست اپنے پہلے تجربے کو انجوائے کریں گے۔'' ارمان نے لہجے کو خوشگوار بنایا، نشا بھی جواباً مسکرا کر اثبات میں سر ہلا گئی۔

مال میں بے انتہا رش تھا، ہر سو بھانت بھانت کی آوازیں اپنا جادو جگا رہی تھیں، نشا ارمان کے ساتھ مال میں داخل ہوئی تو گویا کسی اور دنیا میں آ گئی ہو، چہکتی ہوئی لڑکیاں، بچے، نوجوان، بوڑھے برقی سیڑھیوں پر آ جا رہے تھے، وہ ہونق بنی ارمان کے ساتھ منہ اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتے آگے بڑھتے بڑھتے ٹھہر گئی، ارمان کو نشا کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا۔

''محترمہ پہلی بار کسی بھی مال میں آئی ہیں، اب اگر تمہاری حیرت اور ہونق پن ختم ہو گیا ہو تو ہم آگے بڑھیں۔'' ارمان نے نشا کی سماعت میں جھک کر سرگوشی کی، نشا کو خفت اور خجالت نے آ گھیرا، کیونکہ وہ ارمان کا بازو مضبوطی سے دبوچے وہیں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھتے ٹھہر گئی تھی، نشا نے ارمان کا بازو سرعت سے چھوڑا گویا کرنٹ لگا ہو اور آگے بڑھ گئی، اب اس کے انداز میں اعتماد

تھا۔

''لو جی اعتماد آ گیا مجھے ہی پیچھے چھوڑ دیا۔''

ارمان نشا کے ہمقدم ہوتا بڑبڑایا، نشا ان سنی کر گئی اور آگے بڑھتی گئی، ارمان ایک لفظ نہ بولا اور نشا کے ساتھ آگے بڑھتا گیا، اس پل دونوں کو ادراک نہ تھا وہ دونوں کسی کی چبھتی نگاہوں کی زد میں ہیں، دونوں کو دیکھ کر کسی کے دل پر چھریاں سی چل گئی تھیں، وہ آنکھیں بھی ان کے تعاقب میں آگے بڑھ رہی تھیں ان کے ساتھ ساتھ، نشا مختلف شاپس کو دیکھتی آدھے گھنٹے بعد بالآخر ٹھہر گئی، ارمان کے قدموں کو بھی بریک لگ گئی۔

''ارمان ہمیں گروسری خریدنے جانا کس طرف ہے۔'' نشا نے پلٹ کر معصومیت سے استفسار کیا۔

''میں تو سمجھا نشا بی بی جانتی ہیں اس لئے مجھے اپنے پیچھے لگائے آگے بڑھ رہی ہیں، پوچھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی۔'' ارمان منہ بنا کر بولا۔

''اچھا نا، بتاؤ بھی اب۔'' نشا ارمان کا منہ بنانا کسی خاطر میں نہ لائی تھی، دو آنکھیں ابھی بھی تعاقب میں تھیں۔

''میرا خیال ہے ہمیں کسی سے پوچھ لینا چاہیے، کیونکہ میں بھی پہلی بار اس مال میں آیا ہوں، میں نے ہمیشہ تابش کے ساتھ شاپنگ کی ہے، ہم دونوں بھی اس مال میں نہیں آئے۔'' ارمان جواباً سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''تو پھر تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔'' نشا تنک کر بولی۔

''کیونکہ مجھے بھابھی نے کہا تھا وہ یہیں سے شاپنگ کرتی ہیں، یہ ہمارے گھر سے زیادہ فاصلے پر بھی نہیں ہے اور اب باتیں چھوڑو اور آؤ میرے پیچھے۔'' ارمان آگے بڑھ گیا۔

''پیچھے کیوں، ساتھ کیوں نہیں چل سکتی۔'' نشا کا لہجہ برہم ہوا۔

''تم ساتھ چلنے کی بات کرتی ہو، میں تمہیں کندھوں پر بٹھانے کو تیار ہوں۔'' ارمان شوخ ہوا۔

''اف ہمیشہ فضول ہی بولنا۔'' نشا ہنستے ہوئے بولی، اس کے گالوں کے بھنور میں ارمان کا دل ڈوب کر ابھرا تھا، وہ دونوں بالآخر مال میں ہائپر سٹار کا وجود پا ہی گئے، نشا جوش سے ٹرالی میں کچن کی گروسری کا سامان ڈالنے لگی، ارمان کے موبائل پر کال آنے لگی تو نشا کو یہیں ٹھہرنے کا کہہ کر وہ قدرے ہٹ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ وہاں شور بہت تھا، اچانک اس کی نظر خود کی طرف نظریں جمائے کھڑے شخص پر پڑی، اس کی نگاہوں میں نشا کے لئے اتنی نفرت اور حقارت تھی کہ وہ سن کھڑی رہ گئی، ایک قدم اٹھانے کی سکت نہ رہی تھی اس میں۔

''حسن!'' اس کے لب بے آواز ہلے، حسن نے نفرت نظروں سے اسے آخری بار دیکھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا، نشا اسی پل گویا ہوش میں آئی تھی، حسن زندہ تھا لیکن اس کی نگاہوں میں نشا کے لئے اتنی نفرت، وہ جو ابھی تک اس کے نکاح میں تھی، وہ اسے دیکھ کر ایسا کیسے کر سکتا تھا، لیکن اسے حسن سے باز پرس کرنی تھی، وہ اس کے پیچھے بھاگی۔

''حسن میری بات سنو، حسن۔'' لحہ بہ لحہ اس سے دور ہو رہا تھا، ارمان جو موبائل پر بات کے دوران نشا پر نگاہیں مرکوز کیے ہوئے تھا، نشا کو بھاگتا دیکھ کر موبائل پر بات کرنا ترک کر کے اس کے پیچھے لپکا۔

''نشا رکو، کہاں جا رہی ہو۔'' ارمان کو نشا کا بھاگنا انتہائی آکورڈ لگ رہا تھا، لیکن نشا تھی کہ

بھاگے جا رہی تھی، حسن نشا کو اپنے پیچھے بھاگتا دیکھ کر حیرت زدہ سا ٹھہر گیا، اسی پل عریشہ اس کی جانب بڑھی۔

''کہاں تھے حسن آپ، جانتے بھی ہیں رش میں ڈھونڈنا مشکل ہوتا ہے اوپر سے آپ کا سیل فون بھی آف تھا، ملازمہ کی کال آئی تھی، ممی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔'' عریشہ ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی، حسن جو نشا سے آج حساب بے باق کر دینے کا سوچ کر ٹھہر گیا تھا، نشا بس قریب پہنچنے والی تھی اس کے پیچھے ارمان تھا، لوگوں نے کچھ حیرانگی کچھ ناپسندیدگی سے ان دونوں کو بھاگتے دیکھا تھا، ارمان کو نشا کی فکر تھی۔

حسن عریشہ کی خوشی کی خاطر آیا تھا لیکن شاپنگ کے دوران اچانک اس کی نظر نشا اور اس کے ساتھ ایک انتہائی خوبصورت ہینڈسم نوجوان پر پڑی تو مال کی چھت گویا اس پر آ پڑی ہو۔

''تو یہ ہے نشا کا ہسبینڈ۔'' وہ زہر خند انداز میں بڑبڑایا تھا، پھر اسے عریشہ کی بھی پرواہ نہ رہی اس نے خود کو دونوں کا تعاقب کرتے پایا، وہ نشا کو دکھانا چاہتا تھا کہ وہ زندہ ہے جسے مردہ سمجھ کر وہ اپنا گھر کسی اور کے ساتھ بسا بیٹھی تھی، ارمان قدرے دور ہوا تو وہ نشا کے عین سامنے آ کھڑا ہوا، اس کی نگاہوں میں نشا کے لئے نفرت کا سمندر موجزن تھا، وہ اس سے نفرت کرتا تھا اس پل ہنستی مسکراتی نشا کو دیکھ کر اسے یقین آ گیا تھا، لیکن نشا اس کے پیچھے کیوں بھاگی تھی، یہی اسے جاننا تھا، عریشہ کی نگاہ حسن کے سپاٹ چہرے پر تھی۔

''حسن آپ سن رہے ہیں میری بات۔'' عریشہ نے حسن کو بازو پکڑ کر ہلایا۔

''آں ہاں۔'' وہ نہ جانے کس احساس سے چونکا تھا اسی پل عریشہ کی نگاہ حسن کی جانب آتی نشا پر پڑی، اس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو گیا۔

''یہ یہاں کیسے، اف میرا خدایا، اگر حسن کی نشا سے بات ہو گئی تو۔'' تو کے آگے سوچنا محال تھا اس کے لئے، یقیناً حسن نشا کو دیکھ چکا تھا اسی وجہ سے اتنا خاموش تھا اسے نشا کے قریب آنے سے پہلے حسن کو یہاں سے لے جانا تھا، وگرنہ اس کا گھر اجڑ جاتا، اگر نشا ساری بات حسن کو بتا دیتی تو۔

''حسن ممی کی طبیعت بہت خراب ہے، ملازمہ رو رہی تھی۔'' عریشہ نے دوبارہ ثمینہ بیگم کی حالت کو مزید سیریس کر کے بتایا تو حسن کا دل مٹھی میں آ گیا۔

''کہیں ممی کو کچھ نہ ہو جائے، گھر میں ملازمہ کے سوا کوئی تھا بھی نہیں۔'' وہ نشا پر لعنت بھیج کر عریشہ کو لئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا، اس کے قدموں کی تیزی اسے لحہ بہ لحہ نشا سے دور لے گئی، نشا وہیں ساکت کھڑی بے دم سی ہانپنے لگی، ارمان بھی نشا کے قریب آ کھڑا ہوا، نشا کا دکھ اس کا دل ریزہ ریزہ کر رہا تھا، آخر حسن نشا سے بچ کیوں رہا تھا، کہیں حسن نے شادی تو نہیں کر لی، عریشہ کے انداز تو یہی کہہ رہے تھے، نشا کا دل کرلا رہا تھا، عریشہ سے حسن شادی کر چکا تھا، اسے یقین آ گیا تھا پھر اسے کیوں لٹکا رکھا تھا، اس کی خوشیوں پر کیوں سانپ بن کر بیٹھ گیا تھا، نشا رو دی تھی، اس کی خوشی اس کا دل چونکا تھا، لیکن اسے کب خوشی راس آتی ہے، وہ یاسیت زدہ تھی پھر کیسی شاپنگ، وہ دونوں خالی ہاتھ پارکنگ میں کھڑی گاڑی میں آ بیٹھے، ارمان گاڑی کو پارکنگ سے نکال کر سڑک پر لے آیا، نشا لب بھینچے خود پر ضبط کیے باہر کھڑکی کے پاس اندھیروں کو کھوج رہی تھی، ایسے ہی اندھیرے اس کے وجود کے اندر رچ بس گئے تھے۔

وہ ارمان کی احسان مند تھی جس نے اسے گھر میں نہ صرف پناہ دی تھی بلکہ اسے اپنے گھر کا فرد بنا کر رکھا تھا، وہ کب تک یونہی اس کے گھر میں رہ سکتی تھی، کل کو بھابھی رخصتی کی بات کرتیں تب وہ کیا کرتی، آخر حسن نے نشا کے ساتھ ایسا کیوں کیا، آزاد کر دیتا اسے، تاکہ وہ بھی اپنی زندگی جی لیتی اگر حسن کو اتنی ہی نفرت نشا سے ہو چکی تھی، یقیناً عریشہ نے حسن کو مجھ سے بدظن کیا ہوگا، وہ اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی جب بریک لگنے پر ہوش میں آئی۔

''کیا ہوا گاڑی کیوں رک گئی۔'' اس کے وجود پر چھائی اداسی کی طرح اس کا لہجہ بھی اداس تھا، پیٹرول ختم ہو گیا ہے، ارمان کا لہجہ پریشانی سے اٹا تھا۔

''واٹ تم نے چیک نہیں کیا تھا۔'' نشا بھی گھبرا گئی، خاص سنسان سڑک تھی گاڑیاں آ جا رہی تھیں لیکن دور دور تک پیٹرول پمپ کا نام و نشان تک نہ تھا۔

''بس تمہاری پریشانی میں کسی پیٹرول پمپ کو دھیان میں نہ رکھا، میں جانتا تو تھا پیٹرول نہیں ہے۔'' ارمان سیٹ سے پشت ٹکا کر پرسکون انداز میں بولا، نشا جان گئی وہ اسے نارمل کر کے گھر لے جانا چاہتا ہے۔

''اس لئے جھوٹ کا سہارا لیا کہ پیٹرول نہیں ہے، وگرنہ گھر کون سا دور تھا، اپنی پریشانی میں اس نے بھی دھیان نہ دیا تھا۔''

''تم نے مجھ سے پیٹرول نہ ہونے کا جھوٹ بولا۔'' نشا دکھ سے دور اندھیروں کو کھوجتے بولی۔

''جب جانتی ہو کیوں بولا ہے تو پھر پوچھ کیوں رہی ہو۔'' ارمان کے لہجے میں فکر کی آنچ تھی۔

''ارمان تم جانتے ہو میں کافی عرصے سے ایک خواب بار بار دیکھ رہی ہوں خواب میں حسن نے مجھے طلاق دے دی ہے، یہ خواب مجھے بہت بار آیا ہے، میں اس خواب سے سمجھتی تھی حسن اس دنیا میں نہیں ہوگا، خود ہی قیاس کے گھوڑے دوڑاتی رہی، لیکن اب مجھے کچھ اور محسوس ہوا ہے، حسن کے انداز سے۔'' نشا تھک گئی تھی اپنی سوچوں کے بوجھ سہہ سہہ کر، کیا تھی اس کی زندگی، نہ آر نہ پار، حسن اس کا شوہر تھا، وہ خیانت کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، لیکن نکاح کے بعد جو محبت پسندیدگی اس نے حسن کے لئے محسوس کی تھی، وہ اچانک ہی ناپید ہو گئی تھی، وہ پریشان رہتی تھی ایسا سوچ سوچ کر۔

''کہیں وہ اللہ کو ناراض تو نہیں کر بیٹھی۔''

ارمان اس کی سوچوں پر قابض ہونے لگا تھا، وہ ہر اس سوچ کو جھٹک دیتی تھی جو اسے گناہ گار بناتی، وہ حسن کے پاس جانا چاہتی تھی، لیکن وہ اسے ڈھونڈتی کیسے۔

ارمان جب بھی گیا تھا حسن کے گھر، چوکیدار نے ارمان کو انکار تھا، آخر ایک دن ارمان کو یہ علم ہوا حسن کسی اور علاقے میں شفٹ ہو چکا ہے، نشا کی زندگی میں سکون کب تھا، اسے ٹھکانہ میسر تھا، وہ ارمان کی بیوی آنے پر چھن جاتا، حقیقت کب تک چھپ سکتی ہے، کبھی نہ کبھی کھل جاتی پھر وہ کہاں جاتی، حسن کے ساتھ نکاح اس کی گردن کے گرد ایسا طوق تھا جو دن بدن کستا جا رہا تھا، حسن اگر اسے مل جاتا تو کیا وہ حقیقت جان کر اسے واقعی اپنا لیتا، جتنی نفرت اس نے حسن کی نگاہوں میں دیکھی تھی، اس سے تو نشا کو یقین ہو چلا تھا وہ اس کی شکل دیکھنے کا بھی روادار نہیں اور ارمان اس کا اتنا احسان کیا کم تھا اس نے گھر میں ایک فرد کی حیثیت سے پناہ دے رکھی

تھی، وہ اس کی فکر کرتا تھا، اس کے لئے دکھی ہوتا تھا، کیا وہ حسن کے نشا کو اپنی زندگی سے بیدخل کرنے پر اپنا بھی لیتا، اتنے اذیت بھرے سوال تھے جو اس پل نشا کی روح و دل کو گھائل کر رہے تھے، ارمان نے خاموشی سے نشا کی بات سنی تھی جو بات کر کے گم صم سی سوچوں میں مستغرق بیٹھی تھی نہ جانے کیا سوچے جا رہی تھی، نشا کا دکھی ہونا ارمان کو تکلیف دے رہا تھا۔

''نشا!'' ارمان نے دھیمے لہجے میں اسے پکارا تھا، اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا نشا نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

''تمہاری خوشیاں تمہیں اب میں لوٹا کر رہوں گا چاہے مجھے حسن کو پاتال میں جا کر ڈھونڈنا پڑے میں، تمہیں اس تک پہنچا دوں گا، تم بھی خوشیوں بھری زندگی جیو گی، تم ایک معصوم اور پاکیزہ فطرت لڑکی ہو، میں دوں گا تمہارے کردار کی گواہی اگر حسن کو کوئی شک یا الجھن ہوئی تو، تم بس اب دکھی نہ ہونا۔'' ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے خوبصورت لڑکے کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی اور لہجے میں سچائی کی آنچ تھی، نشا کی خوبصورت گہری براؤن آنکھوں کے سمندر میں گویا بھونچال آ گیا، وہ بری طرح رو دی، اس کا دل کیا چاہتا تھا، وہ خود کو بھی نہیں کہہ سکتی تھی کتنی بے بس تھی وہ اور اس کی محبت، وہ جانتی تھی ارمان اسے سمجھتا ہے، اس کے اندر کے دکھ کو اس کی آنکھوں سے بنا کہے جان لیتا ہے۔

''حسن کو اگر نشا سے محبت تھی تو اس نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کیوں نہ کی، کیوں نشا کو ہر پل ہر احساس ہوتا تھا حسن اس سے ہر تعلق ختم کر چکا ہے، وہ اس سے ملنا چاہتی تھی، پوچھنا چاہتی تھی، آج اگر تقدیر نے اسے نشا کے سامنے لا کھڑا کیا تھا تو کس قدر نفرت سے منہ پھیرا تھا اس نے۔'' ارمان جو اس کا دکھ غلط کرنے اس کو گھر لے جانے کی بجائے دور نکل آیا تھا، اس کے بری طرح رونے پر اس کا دل گویا مٹھی میں آ گیا تھا۔

''پلیز نشا، مجھے تمہارا رونا تکلیف دے رہا ہے۔'' ارمان کا بس نہیں چل رہا تھا اس کے چہرے پر بکھرے شفاف آنسوؤں کے موتیوں کو اپنی انگلیوں کی پوروں پر چن لے اور ساتھ میں اس کا غم بھی لے لے۔

''نہیں ہوں میں بریو گرل۔'' ارمان گلابی سکارف والی سوں سوں کرتی لڑکی پھٹ پڑی تھی۔

''مجھے نارمل لائف چاہیے ارمان، مجھے یوں نہیں جینا۔'' ارمان کے ہاتھوں کو تھامے وہ پھر رو دی تھی، ارمان نے اس پل خود سے عہد کیا تھا، وہ بہت جلد خوشیاں نشا کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا، اس کے آہنی عزم کو دیکھ کر آسمان پر اپنی روشنیاں بکھیرتا چاند مسکرایا تھا، اسے بھی اس پیاری سی لڑکی کو خوش دیکھنا تھا، محبت سے دونوں کو دیکھتا چاند دھیرے دھیرے اپنی منزل کی جانب گامزن تھا۔

☆☆☆

''آر یو آل رائٹ حسن۔'' عریشہ نے ڈرتے ڈرتے استفسار کیا، جواباً حسن نے جن نظروں سے عریشہ کو دیکھا وہ تڑپ اٹھی، حسن کی نگاہیں لہو رنگ تھیں، وہ جب گھر پہنچے تھے تو ثمینہ بیگم کی طبیعت سنبھل چکی تھی، حسن ثمینہ بیگم سے مل کر تب سے کمرے میں مقید تھا، عریشہ کی ہمت نہ ہوئی تھی اسے مخاطب کرنے کی، اب بھی وہ بنا استفسار کیے نہ رہ سکی تھی، وہ چاہتی تھی حسن کچھ تو بولے اور پھر حسن بول اٹھا۔

''نشا کو اس کے ہسبینڈ کے ساتھ دیکھ کر

میرے اندر آگ جل اٹھی تھی، لیکن وہ میری طرف بھاگی کیوں تھی۔'' وہ اسی بات پر حد درجہ ڈپریسڈ تھا۔

''چھوڑیں نا ہم یوں کرتے ہیں کچھ دنوں کے لئے انگلینڈ چلتے ہیں، ممی کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔'' عریشہ کو حسن کو یہاں سے دور لے جانا تھا، کہیں نشا حسن تک پہنچ نہ جائے۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے، بس آفس کے کچھ کام، میٹنگز سے فارغ ہولوں۔'' حسن عریشہ کی بات سے متفق تھا، عریشہ نے پھر باتوں کا رخ کسی اور جانب موڑ دیا، وہ حسن کی توجہ نشا سے ہٹا چکی تھی۔

☆☆☆

''نشا اب طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری، ٹھیک سے سوئی نہیں ہو کیا۔'' آفان بھائی نے تفکر سے استفسار کیا، پوری فیملی اس وقت ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھی، ناشتہ کرتے ارمان کی نگاہ بھی نشا کے ستے ہوئے چہرے پر تھی، اس کی خوبصورت براؤن آنکھوں میں تیرتے گلابی ڈورے اس کی بے خوابی کے غماز تھے، دردانہ بھابھی بھی تفکر سے نشا کو دیکھ رہی تھیں، جب ارمان اور نشا واپس لوٹے تھے تب دردانہ بھابھی سو چکی تھیں۔

صبح ارمان نے دردانہ بھابھی کو بتایا کہ نشا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی اس لئے شاپنگ نہ کر سکے آفان بھائی کے لئے نشا چھوٹی سی گڑیا جیسی بہن تھی وہ خاصے پریشان ہو گئے تھے اسے چپ اور مضمحل دیکھ کر، وہ تو اسے آج بہت بڑی خوش خبری دینے والے تھے۔

''آفان بھائی میں ٹھیک ہوں۔'' نشا سب کی محبت بھرا تفکر دیکھ کر ان کے خلوص کی ممنون ہو گئی۔

ارمان نے اس پل اپنے ارادے کو مزید مصمم کیا تھا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے، تم ٹھیک ہو، اب جو بات میں تمہیں بتانے لگا ہوں نا گڑیا، وہ تمہیں بالکل ہشاش بشاش کر دے گی۔'' فورک میں آملیٹ کا ٹکڑا پھنساتے آفان بھائی نے لہجے کو پر اسرار بنایا۔

''ایسی کون سی بات ہے بھائی۔'' نشا نے دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھ کر بے تابی سے استفسار کیا، آفان بھائی تجسس پھیلا کر مزے سے آملیٹ کھانے لگے۔

''بتایئے نا بھائی۔'' نشا بے صبری سے گویا ہوئی آخر ایسی کون سی خوش خبری تھی جو اسے ہشاش بشاش کر دیتی۔

''وہ ایسا ہے گڑیا، نشمین ہاؤس بالکل ریڈی ہے۔'' جواباً آفان بھائی محبت سے بولے۔

''سچ آفان بھائی، یو آر گریٹ بھائی، کتنے اچھے ہیں آپ، میری خواہش پوری کر دی آپ نے، تھینک یو سو مچ۔'' نشا جوش اور خوشی سے بے قابو ہوگئی تھی۔

''شکریہ مت ادا کرو، بھائی ہوں تمہارا اور بھائیوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے، زیادہ کام تو تمہارے شوہر نامدار نے کیا ہے، ساری محنت اس کی ہے، میں نے تو صرف چیک سائن کیے ہیں، اللہ ہماری نیکی قبول کرے۔'' آفان بھائی کے لہجے میں عاجزی تھی، نشا کی نگاہوں میں نمی چمکی۔

کتنے اچھے اور مخلص لوگ تھے، کتنے اپنے ہو گئے تھے اس کے بس ایک بار نشا نے خواہش کا اظہار کیا تھا، اس دن بھی پوری فیملی لاؤنج میں خوش گپیوں میں مگن تھی، تب نشا کی زبان سے خواہش پھسلی تھی، وہ بے سہارا عورتوں کے لئے ایک پناہ گاہ بنانا چاہتی تھی، تاکہ جو عورتیں بے گھر ہو جائیں وہ معاشرے میں پھیلے بھیڑیوں کے

متھے نہ چڑھ جائیں، ارمان نشا کی دلی کیفیت سمجھتا تھا، جس دن نشا کی زبان سے اس خواہش کا اظہار ہوا، اس دن کے بعد ارمان نے نشا کی خواہش کی تکمیل کے لئے آفان بھائی کو ساتھ ملا کر نشمین ہاؤس کی بنیاد ڈال دی، ایک سال کے عرصے میں نشمین ہاؤس تیار ہوا تھا، انہیں نشا کو سرپرائز دینا تھا، وہ تو رات ہی نشا کو بتانا چاہتا تھا لیکن آفان بھائی یہ خوش خبری خود دینا چاہتے تھے اپنی بہن کو، اب نشا کی نشمین ہاؤس کا وزٹ کروانا تھا، نشا کی خوشی ارمان کو خوشی دے رہی تھی۔

''آفان بھائی مجھے ابھی جانا ہے وہاں۔'' نشا اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نشا ناشتہ تو سکون سے کرو، ارمان تمہیں لے جائے گا ابھی وہاں۔'' دردانہ بھابھی نے پیار سے گھر کا، نشا نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی، وہ اس گھر کے مکینوں کی محبت کا قرض کبھی نہ اتار سکتی تھی۔

''گڑیا نشمین ہاؤس کا چارج تم نے ہی سنبھالنا ہے، فی الحال پیپرز پر توجہ دو، اپنی تعلیم بھی جاری رکھنا اور نشمین ہاؤس کا انتظام بھی دیکھتی رہنا، اخراجات کی فکر نہ کرنا، تمہارے بھائی اور شوہر کی جیبیں ہمہ وقت حاضر ہیں۔'' آفان بھائی کے لہجے میں نشا کے لئے بڑے بھائیوں سی محبت اور مان تھا، نشا بھیگی پلکوں سے مسکرا دی، ارمان نے بمشکل اس کے دلکش چہرے سے نگاہیں ہٹائی تھیں۔

''میں نے ناشتہ کر لیا ہے ارمان، چلیں۔'' نشا اتاؤلے پن کا شکار تھی اس وقت۔

''لے جاؤ ارمان، ناشتہ بھی ڈھنگ سے نہیں کیا، کچھ کھلا پلا بھی دینا اسے۔'' دردانہ بھابھی محبت سے بولیں۔

''میری پیاری بھابھی۔'' نشا بھابھی کے گلے میں عقب سے بانہیں ڈال کر ان کے گال کو چوم گئی، دردانہ بھابھی نے محبت سے اس کے سر کو تھپکا، ان کی فیملی میں خوشیاں ہی خوشیاں محورقص تھیں۔

''آ جائیں میڈم، میں گاڑی میں ویٹ کر رہا ہوں۔'' ارمان گاڑی کی کی چین اور والٹ اٹھاتا لاؤنج کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا، نشا الوداعی پیار کرتے بھابھی اور آفان بھائی کو سلام کرتی ارمان کے پیچھے بھاگی، آفان بھائی اور دردانہ بھابھی اس کی پھرتی پر محبت سے مسکرا دیئے۔

☆☆☆

''ارمان کتنی خوبصورت بلڈنگ ہے۔'' نشا شان سے کھڑی بلند و بالا بلڈنگ کو دیکھ کر بچوں کی طرح خوش ہو گئی، وہ دونوں نشمین ہاؤس کے ڈرائیوے پر گاڑی کے قریب کھڑے تھے، ابھی وہ دونوں گاڑی سے اترے تھے کہ نشا آس پاس دیکھتے خوشی سے اچھلنے لگی، ارمان نشا کو دیکھ کر خوش تھا، اس کا دل کیا چاہتا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا لیکن وہ دل سے ہی تو نالاں تھا جو بتاتا ہی نہ تھا، وہ کیا کرے، نشا ڈرائیوے کے اطراف لگے سرسبز درختوں کی شاخوں کو ہوا میں جھومتے دیکھنے لگی، ہوا پتوں کے درمیان آنکھیلیاں کرتی گزر رہی تھی، ڈرائیوے کے قریب ہی بڑا سا سرسبز گراؤنڈ تھا، جس میں دو تین بچے کھیل رہے تھے۔

''تم نے اور آفان بھائی نے کتنی محنت کی ہو گی، کتنا سرمایہ انویسٹ کیا، صرف میری خوشی کی خاطر، ارمان تم بہت اچھے ہو، بہت ہی زیادہ۔'' نشا ارمان کے مقابل کھڑی ہو کر دل سے بولی تھی، ارمان محض اس گلابی رنگت والی لڑکی کو دیکھ کر رہ گیا، جس کے گھٹاؤں جیسے بال اب بھی

بڑے سے سیاہ پھولوں والے سکارف میں ڈھکے تھے، جو ہمیشہ اس کے سامنے باپردہ رہی تھی۔

''کیا سوچنے لگے۔'' نشا نے اپنے نازک ہاتھ کی چٹکی ارمان کی آنکھوں کے سامنے بجائی۔

''کچھ نہیں سوچ رہا میں۔'' ارمان کے لہجے میں سنجیدگی در آئی، نشا کے چہرے پر خوشی آن واحد میں غائب ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا، اتنے سنجیدہ کیوں ہو گئے ہو، کیا کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔'' نشا کا ارمان کی سنجیدگی پر دل دکھا تھا، ارمان نشا کو پریشان دیکھ کر تاسف میں گھر گیا، وہ جب بھی اس کے دور جانے کا سوچتا تھا وہ یونہی ہو جاتا تھا۔

''کچھ نہیں ہوا مجھے اور ہاں میری جھوٹی موٹی بیوی، اب عمارت کا جائزہ بھی لو گی یا صرف مجھے ہی دیکھ کر گھر لوٹ جانا ہے۔'' نشا کو اپنی جانب دیکھتا پا کر ارمان لہجے کو خوشگوار بناتے شریر ہوا، نشا کا دل آن واحد میں ہلکا پھلکا ہوا تھا۔

''اب لگے ہو نا میرے ارمان۔'' نشا کی زبان سے بے اختیار پھسلا اور جب ادراک ہوا وہ کیا کہہ بیٹھی ہے تو جھٹ زبان دانتوں تلے دب لی۔

''ذرا پھر سے کہنا۔'' ارمان قریب ہوتا اس کی سماعت میں گنگنایا۔

''کچھ نہیں، اب چلو مجھے عمارت دکھاؤ۔'' نشا نگاہیں چرائی آگے بڑھ گئی، ارمان کا دل خوشگوار تالوں پر محو رقص نشا کے پیچھے اس کے قدموں کو بھگا لے گیا، جب وہ ہال کمرے میں پہنچے تو ہال میں موجود پانچ عورتوں کو مختلف کاموں میں مشغول دیکھ کر اس کو اپنا گھر سے بے گھر ہونا یاد آ گیا۔

''یہ عورتیں بھی تو بے سہارا تھیں۔'' عورتوں نے متشکرانہ نظروں سے دونوں کو دیکھا تھا، جس دن اس ادارے کی ابتداء کی، اسی دن یہ پانچ خواتین ادارے میں پہنچ گئیں، کسی کو خاوند نے نکال دیا کسی کو بھائی بھابھی نے، بس ہر ایک کے دکھ کی داستان الگ ہے، ارمان نے دھیمے لہجے میں نشا کو بتایا، نشا ان عورتوں کے دکھ سمجھتی تھی، ارمان تو اس کے نزدیک فرشتہ تھا، جس نے نہ صرف نشا کو اپنے گھر عزت سے رکھا بلکہ اس کے کہنے پر بے سہارا عورتوں کا گھر بھی بنا ڈالا تھا۔

''ارمان میرا دل چاہتا ہے، اب میرے پاس میری جائیداد اور بینک بیلنس ہو روپے پیسے کا بہترین مصرف یہی ہے، کہ وہ ضرورت مندوں اور بے سہارا لوگوں کے چہروں پر خوشیاں بکھیر دے، دل کو کتنی طمانیت حاصل ہوتی ہے نا۔'' وہ دونوں ہمقدم چلتے اب گراؤنڈ میں آ گئے تھے، فٹ بال سے کھیلتے بچوں کے چہروں پر خوشی رقم تھی، سورج نے اپنی سنہری روشنی دونوں پر نچھاور کر دی تھی، ارمان جواباً یہ نہ کہہ سکا۔

''میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔'' وہ دونوں کچھ پل ہنستے مسکراتے بچوں کو دیکھتے رہے۔

''آؤ تمہیں عملے سے ملواؤں، پیپرز کے بعد تمہیں یہیں آیا کرنا ہے، میں بھی آؤں گا لیکن کبھی کبھی، زیادہ انتظام تمہیں دیکھنے ہیں۔'' ارمان نشا کو لئے نشمین ہاؤس کے آفس کی جانب بڑھ گیا، نشا بھی اثبات میں سر ہلاتی مطمئن سی اس کے ساتھ چلنے لگی۔

☆☆☆

''ایکسکیوزمی سر۔'' حسن ایک جوش میں ڈوبی آواز سن کر بے اختیار پلٹا تھا، سامنے وہی نوجوان کھڑا تھا جسے حسن نے نشا کے ساتھ مال میں دیکھا تھا، حسن کو تپ چڑھ گئی، اس کو جرأت کیونکر ہوئی میرے سامنے آنے کی وہ ان سنی کرتا لب بھینچے آگے بڑھ گیا، ارمان سرعت سے آگے

بڑھ کر حسن کے سامنے جا کھڑا ہوا، اتنے دن سے وہ حسن کو ڈھونڈ رہا تھا، اتنی مشکل سے آج وہ اسے ہاسپٹل کی پارکنگ میں نظر آیا تھا، وہ اور نشا تابش کی بیوی لائبہ کی خیریت پوچھنے آئے تھے، ارمان گاڑی کو پارک کر کے ہاسپٹل کی عمارت کی جانب بڑھا ہی تھا کہ اسے حسن نظر آ گیا، اس نے حسن کے پیچھے جانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہ کی تھی۔

''آپ نشا کے شوہر ہیں تو پھر نشا سے بھاگ کیوں رہے ہیں، کیوں اس کو سولی پر لٹکا رکھا ہے آپ نے۔'' ارمان کا لہجہ خود بخود درشت ہو گیا۔

''تم ہوتے کون ہو مجھ سے سوال جواب کرنے والے۔'' حسن کا لہجہ غضبناک ہوا۔

''میں کون ہوتا ہوں، میں تو واقعی کچھ نہیں ہوتا، لیکن نشا تو حق رکھتی ہے نا۔'' ارمان کی بے بسی سے پر آواز بلند ہوئی تھی، اسی وقت ارمان نے نشا کو پارکنگ کی جانب آتے دیکھا وہ یقیناً ارمان کا انتظار کر کر کے پارکنگ میں آئی تھی، حسن کی نشا کی جانب پشت تھی، وہ اس لئے جان نہ سکی ارمان کس سے محو گفتگو ہے۔

نشا نے قریب آ کر اچنبھے سے استفسار کیا۔

''کیا ہوا ارمان کیوں چلا رہے ہو۔'' حسن نشا کی آواز سن کر کرنٹ کھا کر پلٹا تھا، نشا حسن کو دیکھ کر سن ہوئی تھی، بالآخر دو سال بعد وہ اس کے مقابل کھڑا تھا، جس کے نام پر جو ابھی تک بیٹھی محو انتظار تھی۔

''اب تمہارے پاس کہنے کے لئے کیا ہے نشا۔'' حسن کا سرد لہجہ نشا کی سماعتوں سے ٹکرایا تو اس نے چونک کر اس شخص کو دیکھا جو اسے اپنی زندگی کہتا تھا، اب زندگی سامنے کھڑی تھی اور اس کے لہجے کی اور آنکھوں کی نفرت جاتی نہ تھی،

ارمان وہاں سے ہٹ گیا تھا، وہ دونوں بہتر طریقے سے کھل کر بات کر سکتے تھے، وہ دل پر بوجھ لئے ہاسپٹل میں چلا آیا، وہ خوش تھا نشا کو حسن مل گیا ہے، لیکن دل ناداں کیوں پریشان اور بوجھل تھا، وہ سمجھ کر بھی ناسمجھ بن گیا۔

''میرے پاس تو بہت کچھ ہے کہنے کے لئے حسن، مجھے لگتا ہے تمہارا کاسہ خالی ہو گیا ہے الفاظ سے۔'' نشا حسن کی نفرت پر سن ہوئی تھی۔

''اچھا تو تمہیں باتیں کرنا بھی سکھا دی ہیں تمہارے شوہر نے۔'' حسن کا لہجہ طنزیہ ہوا۔

''شوہر!'' نشا نے جواباً تعجب کا بھرپور اظہار کیا تھا۔

''اب بنومت نشا، میں مرا نہیں تھا، زندہ تھا جو تم نے مجھے مردہ جان کر شادی رچالی اور امریکہ جا کر اپنا گھر بسا لیا۔'' حسن نے گویا نشا کے سر پر بم پھوڑ دیا تھا، وہ ہکا بکا سی حسن کو دیکھے گئی، یہ حسن کیا کہانی سنا رہا تھا۔

''یہ تم سے کس نے کہا۔'' نشا کچھ توقف کے بعد حیرانگی بھرے تحیر سے گویا ہوئی۔

''تمہاری چچی اور اس کی بہو نے۔'' جواباً حسن گویا زہریلے انداز میں پھنکارا تھا۔

''اوہ اور تم نے یقین کر لیا، تم نے یقین کر لیا حسن، جیسے تم میری چچی کی فطرت جانتے نہ تھے۔'' نشا کا لہجہ استہزائیہ ہوا، پارکنگ میں دور دور تک سناٹا پھیلا تھا، گاڑیوں کی قطاروں کے بیچوں بیچ وہ آمنے سامنے عدالت لگائے کھڑے تھے، حسن کو اس نشا جو اس کی منکوحہ رہ چکی تھی اور اس نشا میں زمین آسمان کا فرق نظر آیا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا۔'' حسن کو پہلی بار پریشانی نے گھیرا تھا، کچھ انہونی کا احساس جاگا تھا اس پل۔

''مطلب یہ کہ حسن صاحب انہوں نے جو

زہر میرے بارے میں اگلا آپ نے یقین کر لیا، یہ تھی آپ کی جھوٹی محبت جس کا دعوا کر کے آپ نے مجھ سے نکاح کے بعد کیا تھا، میری چچی نے تو مجھے اسی رات گھر سے نکال دیا تھا، میں اللہ کی مہربانی سے بچتی بچاتی آپ کے گھر تک پہنچ گئی تھی، آپ میرے شوہر تھے میں اور کہاں جاتی، آپ کو اور آپ کی مما کو مجھ سے اگر محبت ہوتی تو یوں آنکھیں بند کر کے یقین نہ کر لیتے، مجھے انتہائی افسوس ہے کہ آپ جیسے شخص سے میرا نکاح ہوا جو مجھے تحفظ تک نہ دے سکا۔'' نشا نے اتنے سالوں کی اذیت ایک پل میں بیان کر دی تھی، دل درد سے ادھڑ ادھڑ گیا تھا، مقابل اتنے سال سکون سے رہا تھا۔

''میں ہاسپٹل میں تھا، میں کیسے تحفظ دیتا تمہیں۔'' اب کہ حسن کا لہجہ کمزور تھا، اسی پل عریشہ حسن کے قریب آ کھڑی ہوئی دونوں کو خبر تک نہ ہوئی تھی اس کے قریب آنے کی، عریشہ جس لمحے سے بچتی رہی تھی وہ لمحہ آ گیا تھا، وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے، عریشہ کا دل خوف سے سوکھے پتے کی مانند لرز رہا تھا، ہاسپٹل میں ارمان کو ایک پل چین نہ تھا، نشا اس سے دور جانے والی تھی، درد سہنا مشکل تھا، پارکنگ میں حسن نشا کی باتوں پر شرمندہ کھڑا تھا، حقیقت کیا تھی اور کیا بتائی گئی تھی اسے۔

''اب آپ کا کیا ارادہ ہے حسن صاحب، رکھیں یا چھوڑیں گے۔'' اس بات سے لاعلم کہ حسن اسے چھوڑ چکا ہے، گلابی رنگت والی لڑکی نے حسن سے استفسار کیا تھا، حسن کی نگاہیں جھک گئیں۔

''آپ کے گھر تک آئی تھی میں، لیکن جانتے ہیں مجھے کس نے دھتکار دیا۔'' نشا نے اب کہ عریشہ کے سوکھے پتے کی مانند لرزتے دل پر پیر رکھا تھا، نگاہیں عریشہ پر مرکوز تھیں، حسن نے چونک کر نشا کو دیکھا تھا گو اب فائدہ بھی نہ تھا جاننے کا کیونکہ نشا کو تو وہ کب کا طلاق دے چکا تھا، لیکن پھر بھی وہ جاننا چاہتا تھا یہ ظلم کس نے کیا، وگرنہ آج نشا اس کی زندگی میں ہوتی، عریشہ پر مرکوز نشا کی نگاہیں ٹھٹکیں، عریشہ کی نگاہوں میں التجا تھی، نہ بتانے کی بھیک تھی، نشا کو عجیب محسوس ہوا کچھ بہت عجیب سا۔

''کہ نشا میں نے تب تمہیں طلاق بھجوا دی تھی جب تمہاری چچی اور ان کی بہو نے مجھے بتایا تھا تمہاری شادی ہو چکی ہے، تب غیرت سے میری سمجھ بوجھ ختم ہو کر رہ گئی تھی، میں نے اسی وقت طلاق بھجوا دی تھی تمہیں، پھر عریشہ سے میری شادی ہو گئی، اب یہ مجھے اولاد کی خوشی دینے والی ہے، پھر بھی میں جاننا چاہوں گا تم پر یہ ظلم کس نے کیا۔'' حسن کا لہجہ پست اور شرمسار تھا، اس کا دل اس پل رو دیا تھا، بدگمانی اور قسمت دونوں نے ہی نشا کو اس سے دور کر دیا تھا جو اس کی اولین محبت تھی، نشا نے سرد آہ بھری، طلاق کا لفظ اس کے دل پر گولی کی مانند لگا تھا، ڈیڑھ سال قبل طلاق اسے دے دی گئی تھی اور وہ اس شخص کے ساتھ تعلق کی پاسداری نبھا رہی تھی۔

''اب بتانے کا کوئی فائدہ نہیں حسن صاحب، کہیں دوسری بار بھی آپ کا گھر نہ اجڑ جائے۔'' یہ الفاظ اس نے دل میں کہے تھے، عریشہ نے تو اس پر رحم نہ کھایا تھا، لیکن وہ اس پر رحم کھا گئی تھی، کیونکہ اتنے کمزور انسان سے عریشہ نے ہی اس کی جان چھڑائی تھی، وہ اس لائق واقعی نہیں تھا کہ اس سے محبت کی جاتی، جس نے بات کی تہہ تک پہنچنے کی بجائے جھٹ طلاق کا فیصلہ کر لیا، وہ بنا مزید کچھ کہے پلٹ گئی تھی ارمان کے پاس، جس کو یقیناً امید نہ ہو گی، اس کے یوں

واپس آنے کی۔

☆☆☆

گاڑی میں خاموشی تھی۔

"اب کب جا رہی ہو حسن کے پاس۔" بالآخر ایک جگنو ارمان نے تھام ہی لیا تھا، گلابی رنگت والی لڑکی کی رنگت میں روشنی سی بھر گئی۔

"کیوں بہت جلدی ہے بھیجنے کی۔" لہجے میں شرارت تھی، کھنک تھی، ہینڈسم نوجوان نے اس کے لہجے کی کنک کو کسی اپنے کے ملنے پر تعبیر کیا تھا۔

"ضروری نہیں جو آپ سوچیں وہی حقیقت ہو۔" گلابی رنگت والی لڑکی نے امید کے گلابوں کی معطر خوشبو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے نوجوان کو دان کی تھی، اس پل اس نوجوان جو بلا کا ہینڈسم اور دلکش پرسنالٹی کا حامل تھا کی آنکھوں میں تحیر بھری حیرانگی نے بسیرا کیا تھا۔

"اب اس کا کیا مطلب ہوا" وہ جاننے کو بے تاب ہوا، گلابی رنگت والی لڑکی کا خوبصورت چہرہ یک لخت سنجیدگی کی چادر اوڑھ گیا۔

"ارمان ملک بات یہ ہے کہ میں حسن کے پاس کبھی نہیں جا رہی ہوں، وہ مجھے ڈیڑھ سال قبل طلاق دے چکا ہے، میرے خواب مجھے سچ بتاتے تھے وہ تو میرا تھا ہی نہیں اور میں اس کے نام پر بیٹھی تھی۔" لہجے میں اداسی گھلی تھی، گاڑی کی فضا میں گھٹن سی بڑھ گئی، ارمان نے گاڑی کے شیشے نیچے کر دیے، تیز خوشگوار ہوا کے جھونکے گاڑی کی گھٹن بھری فضا کو آن واحد میں خوشگوار کر گئے، ارمان کا دل اداس لڑکی کی اداسی پر دکھی ہوا۔

"کیا تم کو دکھ ہوا ہے اس بات کا۔" ارمان نے نہ جانے کس دل سے پوچھا تھا، وہ دونوں اتنا عرصہ دوست بن کر رہے تھے، اس کے دل میں نشا کے لئے چاہت کے جگنو جلتے تھے، نشا نے دونوں کے بیچ ہمیشہ ایک حد رکھی تھی، وہ کبھی حسن کے علاوہ کچھ نہ سوچتی تھی، یہ بات وہ دونوں جانتے تھے، اب حسن سے ملاقات کے بعد نشا گویا آزاد تھی، تو کیا نشا کے دل کی آرزو حسن کا ساتھ تھا اس کی اداسی سے وہ یہی سمجھا تھا، نشا نے تیز ہوا کے باعث اڑتا سکارف سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہوتے خود کو دیکھتے ارمان کو دیکھا اور دھیمے لہجے میں گویا ہوئی۔

"ہوں بھی اور نہیں بھی۔" تیز ہوا کے جھونکے نے اس کا سکارف سر سے ہٹا دیا تھا، اس کے گھنے سیاہ بال کیچر میں بندھے تھے شریر لٹیں جھوتی ہوا کے ساتھ جھوم جھوم کر اس کے گلابی چہرے کو چومنے لگیں، ارمان نشا کے مبہم جواب پر کچھ پل نشا کو لٹوں کو کان کے پیچھے بار بار اڑستے دیکھتا رہا۔

"مطلب تم حسن کی ہمراہی چاہتی تھی۔" ارمان کے لہجے میں کچھ ٹوٹنے کی چھنک تھی، نشا نے تڑپ کر ارمان کو دیکھا۔

"تو کیا نہیں ہونی چاہیے تھی یہ خواہش، میں اس کے نکاح میں تھی، لیکن اب جبکہ وہ مجھے چھوڑ چکا ہے، مجھے اب خوشی ہے کہ اس کمزور انسان نے مجھے ایک جھوٹی بات سن کر چھوڑ دیا، وہ مجھے ڈھونڈتا اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی، لیکن اگر وہ مجھے ڈھونڈتا نا وہ تب بھی یہی کرتا، کیونکہ میں پھر قابل اعتبار نہ رہتی اس کے نزدیک، چاہے میں اسے کتنا بھی یقین دلاتی وہ پھر بھی یہی کرتا، تو ارمان ملک یہ طے ہوا کہ مجھے حسن کے چھوڑ دینے پر دکھ بھی ہے اور خوشی بھی۔" نشا جواب دے کر سیٹ کے ساتھ پشت ٹکا کر پرسکون انداز میں بیٹھ گئی آوارہ لٹیں ہنوز چہرے پر اٹکھیلیاں کرنے میں مگن تھیں، نشا نے اب ان کو کان کے پیچھے کرنے کی کوشش نہ کی تھی، ارمان نے مسکرائی

نگاہوں میں نشا کا حسین عکس سجایا اور ترنگ میں آ کر اپنی انگلیاں اسٹیرنگ پر بجانے لگا، دل گویا ایک بوجھ سے آزاد ہوا تھا، ساری خوشیاں، شرارتیں لوٹ آئی تھیں، ارمان ملک پھر سے شریر اور کھلنڈرا ہوا تھا اس پل جو اس کا خاصہ تھا، نشا نے چونک کر ارمان کے بدلتے روپ کو دیکھا تھا، وہ خوش تھا، مطمئن تھا، نشا کا دل دھڑکا اور پھر خوف کی تالوں پر محو رقص ہو گیا، اب کیا وہ اسی گھر میں یونہی رہے گی، ارمان کیا فیصلہ کرے گا اب، وہ جاننا چاہتی تھی، اس کے دل میں کیا ہے، وہ اس پل جاننے کی شدید خواہش مند ہوئی تھی، ارمان کا اپنا دل یہ جاننے کو بے تاب تھا، نشا کے دل میں کیا ہے، اب وہ ایک لمحہ کی تاخیر کیے بنا جان لینا چاہتا تھا تاکہ وہ سچ مچ نکاح کے پاکیزہ بندھن میں بندھ جائیں، گاڑی ایک اشارے پر رکی تھی، اشارہ خاصا لمبا تھا، ارمان کو تابش کی کال آنے لگی وہ دونوں بنا۔لائبہ کی خیریت دریافت کیے چلے آئے تھے، وہ حیران ہو رہا تھا، ارمان اس کو کھل کر بتانا چاہتا تھا ساری بات، نشا کو انتظار کرنے کا اشارہ کرتے وہ گاڑی سے نکل کر نسبتاً کچھ دور جا کے درختوں کے جھنڈ کے پاس جا کھڑا ہوا، اشارے پر اکا دکا گاڑیاں کھڑی تھیں، زیادہ رش نہیں تھا، نشا ارمان کو دیکھنے لگی، جو پوری طرح بات کرنے میں مگن تھا اس کے چہرے پر خوشی کی تحریر رقم تھی۔

''یہ کیوں خوش ہے، کہیں ارمان بھی تو مجھے نہیں چھوڑ دے گا۔'' خوف کا ننھا سا جگنو نشا کی آنکھوں میں ٹمٹمایا اسی پل نشا کی نگاہ دور ایک معذور بچے پر پڑی جو بمشکل لاٹھی گھسیٹ گھسیٹ کر سڑک پار کرنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا، نشا سرعت سے اتری اور تیز تیز چلتی بچے کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

''سڑک پار کرنی ہے۔'' نشا کے استفسار پر بچے نے اثبات میں سر ہلا دیا، سڑک کے پاس اس کا بھائی کھڑا تھا وہ بھی کم عمر تھا، نشا کا دل دکھا۔

''تم دونوں سڑک پار کیوں کر رہے ہو۔'' نشا نے بچے کو سہارا دیتے ہوئے استفسار کیا۔

''بھیک مانگ رہے تھے ہم دونوں کے ماں باپ کیا مرے، سارے رشتہ دار ساتھ ہی مر گئے، کوئی ہمیں رکھنے کو تیار ہی نہیں، ہم بھیک مانگ کر گزارا کرتے ہیں اور سڑک کنارے یا جہاں جگہ ملے سو جاتے ہیں۔'' لڑکے کا لہجہ عام سا تھا گویا اب وہ عادی ہوا ان تکلیفوں کو سہنے کا، نشا محض دکھ سے سوچ کر رہ گئی، جن کے ماں باپ مر جائیں وہ دنیا کی ٹھوکروں پر آ جاتے ہیں لیکن نہیں، ایک ذات ہے جو ماں باپ سے بھی بڑھ کر نگہبان اور محبت کرنے والی ہے جس نے نشا کو دنیا کی بھیڑ میں محفوظ رکھا، ایک اچھا گھر، محبت کرنے والے عزت دینے والے لوگ عطا کیے، وہ اللہ ہی ہے جس نے اتنی مشکلات میں بھی نشا کے لئے آسانیاں دیں، تو وہ ان بچوں پر بھی مہربان تھا اور نشا کو ان بچوں تک لایا تھا، نشا سڑک پار کر کے دوسرے بچے کے پاس پہنچی تو اپنے ایک ٹانگ سے معذور بھائی سے محبت سے لپٹ گیا، وہ اتنا چھوٹا تھا کہ بھائی کو سڑک پار نہ کروا سکتا تھا۔

''تم دونوں میرے ساتھ چلو، تم دونوں کی تعلیم، کھانا رہنے کی جگہ میں دوں گی۔'' نشا نے دونوں کو نشمین ہاؤس رکھنے کا فیصلہ کر لیا، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اس پیاری سی لڑکی کو اور سرا اثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

ارمان کال ختم کر کے جونہی ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا، تو نشا کو نہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے

رہ گیا، نشا کہاں گئی، وہ دھڑکتے اور لرزتے دل کے ساتھ گاڑی سے باہر نکلا، اشارہ کھل چکا تھا گاڑیاں اب سڑک پر رواں دواں تھیں، ارمان کی گاڑی سڑک کے کنارے کے ساتھ کھڑی تھی اس لئے زیادہ پرابلم نہ تھی، ارمان نے بے چینی اور اضطراب میں اِدھر اُدھر دیکھا، اس کے دل میں طرح طرح کے وہم آرہے تھے، وہ کھڑی گاڑی کے مخالف سمت گیا، نشا نہ تھی وہ پریشانی میں ڈوبا واپس گاڑی تک آیا تو نشا کو فرنٹ سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر جان میں جان آئی۔

''کہاں چلی گئی تھی تم، جان ہی نکال دی میری۔'' ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے ارمان پرسکون سانس خارج کرتا ہوا بولا۔

''اگر میں ہمیشہ کے لئے چلی گئی تو۔'' نشا جو اس کی بے چینی پر مسرور ہوئی تھی، اک ناز سے بولی۔

''جان نکال دوں گا اپنی بھی، اور تمہاری بھی، اگر آئندہ ایسی بات بھی کی تو۔'' ارمان نے جواباً غصہ دکھایا، نشا کھلکھلا کر ہنسی کا جلترنگ بجا گئی، گاڑی کی فضا میں ساز بج اٹھے، خوشی کے سکون کے۔

ارمان کی نگاہ بھی تک پچھلی سیٹ پر بیٹھی سات اور آٹھ سال کے بچوں پر نہ پڑی تھی، نشا کی پریشانی میں وہ صرف نشا کی طرف متوجہ تھا، اسی پل اس کا دل شدت سے چاہا وہ نشا کو اپنے دل کی کیفیت بتائے جو وہ اس کے لئے محسوس کرتا تھا۔

''پہلے ارمان نشمین ہاؤس جانا ہے پھر گھر۔'' نشا اچانک بولی تھی تو ارمان نے چونک کر نشا کا چہرہ دیکھا۔

''خیریت۔'' اس کے لبوں سے پھسلا۔

''ان دونوں بچوں کو نشمین ہاؤس چھوڑنا ہے۔'' نشا نے پچھلی سیٹ کی جانب اشارہ کی اور پھر مختصراً ارمان کو ان کے متعلق بتایا۔

''میں نے ان کو دیکھا ہی نہیں، کیسے ہو تم دونوں۔'' ارمان نے محبت سے استفسار کیا، جواباً وہ دونوں شرما کر سر جھکا گئے، یہ انکل آنٹی انہیں بہت اچھے لگے تھے، ارمان اور نشا نے دونوں کو نشمین ہاؤس کی انچارج مسز رخشندہ کے سپرد کیا، ان کے ہر طرح کے آرام و سکون کی تاکید کر کے وہ دونوں اب گھر کی جانب محو سفر تھے۔

''بہت خوبصورت دل ہے تمہارا نشا۔''

ارمان کی پرفسوں گمبھیر آواز گاڑی میں ہر سو گونج اٹھی۔

''تمہارے دل سے کم ہی خوبصورت ہے میرا دل۔'' گلابی لب اعتراف کی میٹھی خوشبو اسے دان کر گئے، ارمان نے محبت سے زیر لب مسکراتی نشا کو دیکھا اور گاڑی میں نصب ایل سی ڈی پر آڈیو سونگ لگا دیا، گاڑی میں فسوں بکھیرتے میوزک کی آواز اس کے دل کے تاروں کو چھیڑ گئی، گانے کے بول گاڑی میں گونجنے لگے، ارمان کا دل بھی ان بولوں میں ڈوب سا گیا۔

دل تو ہی بتا
کہاں تھا چھپا
کیوں آج سن تیری دھڑکن پہلی بار

نشا نے دھڑکتے دل سے ارمان کو دیکھا جو اسی کی جانب دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں محبت کا ایک جہان آباد تھا، اس پل نشا کے دل نے اس محبت کے جہاں میں بسیرا کرنے کی خواہش شدت سے کی تھی، گویا اس نے آج ہی ارمان کی پیار بھری دھڑکن کو سنا تھا، گانے کے بول اس کے دل میں مچلتے جذبے کی عکاسی کر گئے تھے، شرمگیں، اعتراف محبت کرتی مسکراہٹ نشا کے

لبوں پر مچلی اور ارمان کے دل کو ہواؤں کے سنگ محو رقص کر گئی، محبت کے اس سفر میں وہ تنہا نہیں تھا، اب نشا بھی اس کے ہمقدم تھی اس کی سماعتوں میں گانے کے بول گونجنے لگے۔

ہاں دل نے میرے
سن لی تیرے دل کی پکار
دل کی پکار

ارمان نے ہاتھ بڑھا کر سونگ بند کر دیا، دونوں اعتراف محبت کے جگنو اپنی اپنی مٹھی میں قید کر چکے تھے، وہ گانے سننے کا شوقین نہیں تھا لیکن اس پل یہ گانا جو بس اتنا ہی سننا تھا اسے، ایک دوسرے کے دل کا حال بتا گیا تھا، دونوں کے دل پر آشکار کر گئے تھے، دونوں ایک دوسرے کے دل کی دھڑکن میں بستے ہیں۔

☆☆☆

''حسن تم ٹھیک ہو بیٹا۔'' حسن اور عریشہ گھر پہنچے تو حسن لاؤنج میں ہی صوفے پر ڈھیر ہو گیا، ثمینہ بیگم جو آرام دہ حالت میں صوفے پر بیٹھی میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھیں، مضطرب سی اٹھ کھڑی ہوئی اور بے چینی بھرے لہجے میں استفسار کیا، عریشہ لب بھینچے وہیں صوفے کے کنارے پر ٹک گئی، نہ جانے حسن کے دل میں کیا چل رہا تھا، وہ اضطراب سے انگلیاں چٹخانے لگی۔

''میں ٹھیک ہوں مما، بس آج نشا سے ملاقات ہو گئی۔'' لہجہ تھکا تھکا تھا۔

''واٹ، وہ کہاں ملی تمہیں۔'' ثمینہ بیگم حیرت سے اچھل پڑیں، لہجے میں نشا کے لئے تحقیر تھی۔

''بس یونہی سر راہ مل ہی گئی۔'' پھر دھیرے دھیرے نشا کی بتائی گئی حقیقت ثمینہ بیگم کے گوش گزار کر دی، وہ سن کر سکتے میں آ گئیں۔

''اتنا ظلم کیا سمیرا نے نشا پر، اب کس حال میں تھی وہ۔'' ثمینہ بیگم نے سرسری انداز میں استفسار کیا، بے شک نشا پر واقعی ظلم ہوا تھا، لیکن اگر حسن نے طلاق نہ بھی دی ہوتی تو اتنا عرصہ باہر رہنے والی لڑکی کو وہ ہرگز بہو کے طور پر قبول نہ کرتیں۔

''مجھے اب کیا لینا دینا اس کے حال سے، بس وہ خوش رہے جہاں رہے۔'' حسن نے دل گرفتی سے کہا، وہ اس کی پہلی محبت تھی، دل کو دکھ تو بہر حال پہنچا تھا، لیکن اب وہ نشا نامی باب ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتا تھا، اس کی فیملی اور محبت اب عریشہ تھی جو اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی، حسن نے محبت سے آگے بڑھ کر عریشہ کا ہاتھ تھام لیا تھا، عریشہ کا دل سکون کی لے پر دھڑک اٹھا، نشا اس پر احسان کر گئی تھی، حسن کو لا علم رکھ کر، نشا کے دکھ پر اس کی دائیں آنکھ کا کونا نم ہوا تھا، وہ نہیں جانتی تھی خوشیاں اب نشا پر مہربان ہو چکی تھیں، ثمینہ بیگم نے بھی نشا کے ذکر پر دو حرف بھیج کر محبت سے بہو اور بیٹے کو دیکھا جو ان کی کل کائنات تھے، نشا کی زندگی سے اب ان افراد کے ذکر کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

☆☆☆

''ارمان میرا خیال ہے ہمیں بھائی اور بھابھی کو حقیقت سے آگاہ کر دینا چاہیے۔'' نشا ملتجی لہجے میں بولی۔

''تا کہ حقیقت جان کر وہ مجھے گنجا کر دیں اور میں گنجا دولہا ہرگز بننا نہیں چاہتا۔'' ارمان نے ہاتھ اٹھا کر سوری کے انداز میں جوڑ دیے، وہ دونوں اس وقت سرسبز لان کے پھولوں سے آراستہ گوشے میں کھڑے تھے، نشا وائٹ ٹراؤزر کے ساتھ پھولدار شرٹ پہنے سر پر پھولوں والا سکارف لئے ارمان کو اس پل دلکش پھول ہی لگ

رہی تھی، وہ پہلے ہی حسین تھی اور اب تو وہ مزید حسین لگنے لگی تھی، محبت دونوں کے درمیان خوشی سے محو رقص تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، بھائی اور بھابھی اتنے ظالم ہرگز نہیں ہیں جتنا سنگین نقشہ تم نے کھینچا تھا۔''

''وہ دونوں تو بہت سویٹ ہیں، مجھے شرمندگی محسوس ہوتی ہے اب، اتنے محبت کرنے والے لوگوں کو دھوکہ دینا زیب نہیں دیتا۔'' نشا کا بس نہ چل رہا تھا، وہ بھائی اور بھابھی کے سامنے حقیقت کھول کر رکھ دے، وہ دونوں نکاح کے بندھن میں نہیں بندھے ہوئے۔

''وہ دونوں بہت سویٹ ہیں نا۔'' ارمان نے نشا کی باقی باتوں کو ان سنا کر کے صرف ایک بات کو پکڑ کر گہری نگاہوں سے نشا کو دیکھتے سینے پر ہاتھ باندھ کر استفسار کیا، نشا اس کی گہری نگاہوں پر بلش ہوگئی، نگاہیں جھکیں تو سایہ فگن دراز خم دار گھنیری پلکیں لرز اٹھیں، ارمان کا دل ان پلکوں کی لرزش میں کھونے لگا۔

''کچھ پوچھا ہے میں نے نشا۔'' ارمان کا پرفسوں لہجہ نشا کی سماعتوں سے ٹکرایا تو نشا نے خوبصورت براؤن آنکھوں پر سایہ فگن لرزتی پلکوں کی چلمن اٹھائی اور دھیمے لہجے میں بولی۔

''وہ دونوں واقعی بہت سویٹ ہیں اور میں۔'' ارمان اپنی جانب انگشت شہادت سے اشارہ کرتا قریب ہوا۔

''تم؟'' نشا نچلا لب چمکتے آبدار موتیوں کی قطار تلے دبا کر زیر ہوئی۔

''ہاں میں کیا ہوں۔'' ارمان نے دونوں کے بیچ فاصلہ مزید کم کیا، نشا نے بوکھلا کر اپنے نرم و نازک ہاتھ ارمان کے چوڑے سینے پر جما کر پیچھے دھکیلا اس کے لبوں سے بے ساختہ پھسلا۔

''تم تو سویٹ ہارٹ ہو۔'' ارمان کا قہقہہ بے ساختہ تھا، نشا کو اپنی زبان پر تپ چڑھی۔

''کیا بول گئی تھی وہ۔'' وہ محبت بھرے نروٹھے انداز سے ارمان کو دیکھتی وہاں سے بھاگی تو لان میں داخل ہوتی بھابھی سے ٹکرا گئی۔

''سنبھل کر نشا، کیوں مجھے گرانے کے درپے ہو۔'' بھابھی نے خود کو بمشکل سنبھالا اور نشا کے چمکتے چہرے کو دیکھا تو لب مسکرا اٹھے۔

''ارمان نے کچھ کہا ہے۔''

''میری مجال جو میں نشا سے کچھ کہوں۔'' ارمان لمبے لمبے ڈگ بھرتا قریب آ کر بولا۔

''تمہاری مجال ہونی بھی نہیں چاہیے، نشا پہلے میری بہن ہے پھر۔'' دردانہ بھابھی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

وہ اب لان میں رکھی چیرز کی طرف نشا کو لئے بڑھ چکی تھیں۔

''پھر کیا بھابھی۔'' ارمان ادھوری بات جاننے دونوں کے پیچھے لپکا، جواب چیئرز سنبھال چکی تھیں، ارمان بھی نشا کے عین سامنے چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''پھر یہ کہ یہ میری ہونے والی دیورانی ہے۔'' دردانہ بھابھی کا اطمینان سے کہنا دونوں کا اطمینان اڑا گیا۔

''کیا مطلب بھابھی۔'' دونوں بیک زبان بوکھلا کر بولے۔

''مطلب یہ کہ میں جانتی ہوں ارمان تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔'' بھابھی کا اطمینان ہنوز برقرار تھا، نشا تو مارے شرمندگی کے نگاہیں لش گرین گھاس سے سجی زمین پر گاڑ گئی۔

''جس ارمان کی میں نے تربیت کی ہے وہ ارمان مجھے اور اپنے بھائی کو علم میں لائے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا، اس بات کا ہم دونوں کو یقین تھا،

جب میں نے رخصتی بعد میں کرنے کی بات کی تھی، اس بات سے تم تینوں کے چہروں سے جو سکون چھلکا تھا وہ مجھے اور تمہارے بھائی کو یقین دلا گیا کہ نشا کی مدد کے خیال سے تم نے ہم سے جھوٹ بولا ہے، پھر ایک دومرتبہ میں تم کی باتیں بھی سن چکی ہوں، نشا کے حالات زندگی جان کر مجھے اور تمہارے بھائی کو حقیقتاً بہت دکھ پہنچا تھا، اگر تم حقیقت بتا کر نشا کو رکھنے کی بات کرتے تو شاید میں نہ مانتی، یہ تو نشا نے اپنے اخلاق و کردار سے میرا دل جیت لیا تھا، جب اس نے نشمین بنانے کی خواہش ظاہر کی تب آفان نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ نشا کی خواہش ضرور پوری کریں گے وہ نشا کو اپنی بہن مانتے ہیں، ہم نے تم دونوں کو شک نہیں ہونے دیا کیونکہ ہم نہیں چاہتے تھے جس اعتماد سے نشا ہمارے گھر میں رہتی ہے، وہ اعتماد اس سے چھن جائے، وہ ارمان کی منکوحہ کی حیثیت سے خود کو اس گھر میں معتبر سمجھتی خواہ یہ ایک جھوٹی بات تھی، لیکن اب تم دونوں مجھے بتاؤ گے کہ اب اس جھوٹ کو سچ کرنا ہے یا ڈھونڈوں نشا کا رشتہ اور اسے بہن بنا کر رخصت کر دوں یا ہونے والی دیورانی ہے یہ میری۔'' بھابھی نے ساری تفصیل دونوں کے گوش گزار کرتے ارمان کی جانب شرارت بھری استفہامیہ نگاہوں سے دیکھا، ارمان اور نشا کے دل بھابھی کی عظمت پر گویا فدا ہو گئے۔

''جو آپ کی مرضی ہوگی بھابھی وہی میری خواہش۔'' ارمان نے بیبا بچہ بننے کے سارے ریکارڈ توڑے فیصلے کا اختیار بھابھی کو دیا کیونکہ وہ جانتا تھا۔

''بھابھی کی کیا مرضی ہوگی، واقعی میری مرضی چلے گی۔'' دردانہ بھابھی کے لہجے میں شرارت بھری حیرت تھی، نشا محبت سے بھابھی کو دیکھنے لگی، جو اس وقت فل شرارت کے موڈ میں تھیں۔

''تو پھر مسز شوکت کی بھانجی تمہارے ساتھ سوٹ کرے گی، بے چاری کب سے تمہاری محبت میں آہیں بھر رہی ہیں۔''

''واٹ۔'' ارمان جو بھابھی کے منہ سے نشا کا نام سننے کو بے تاب تھا، مسز شوکت کی بھانجی سونیا کا سن کر چیئر سے دوفٹ اچھلا تھا۔

''تم نے خود ہی تو کہا ہے، میری مرضی چلے گی۔'' بھابھی کے لہجے میں حد درجہ معصومیت تھی۔

''اف بھابھی آپ کو اپنے پاس بیٹھی یہ نظر نہیں آئی، میرے رومانٹک موڈ کا ستیاناس کر کے رکھ دیا۔'' نشا جو بھابھی کی معصومیت بھری ادا پر مسکراہٹوں کے جگنو ہر سو بکھیر رہی تھی، ارمان کے کھلم کھلا اظہار پر بوکھلا کر بھابھی کو دیکھا۔

''دیکھا کیسے اگلوایا تم سے۔''

''آپ کی مرضی وہی میری خواہش، سیدھی طرح نہیں کہہ سکتے تھے نشا سے ہی شادی کرنی ہے۔'' بھابھی نے کھڑے ہوتے ہوئے قریب کھڑے ارمان کا کان دبوچا۔

''چھوڑ دیں ظالم بھابھی، کیوں کان سے محروم کرنا چاہتی ہیں، کان کٹا دولہا مجھے نہیں بننا۔'' ارمان نے دہائی دی تھی، بھابھی نے ہنستے ہوئے کان چھوڑ دیا۔

''تو پھر کس سے شادی کرنی ہے۔'' بھابھی نے دوبارہ سوال کا ست رنگا گولہ داغا۔

''یہ جو آپ کے قریب کھڑی میسنی لڑکی ہے نا، جو میری عزت افزائی پر ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی ہے، مجھے اس سے شادی کرنی ہے، کیوں کرو گی نا، مجھ سے شادی، آخر میں تمہارا سویٹ ہارٹ ہوں۔'' ارمان بھابھی کو جواب دیتا

اچھل کر نشا کے سامنے جا کھڑا ہوا، لہجے میں شرارت آنکھوں میں محبت کی قندیلیں روشن تھیں۔

''نشا کو ارمان کے تمہارا سویٹ ہارٹ کہنے پر بھابھی سے ڈھیروں شرم آئی۔'' گھور کر نگاہوں ہی نگاہوں میں ارمان کو سرزنش کی، جس کا ارمان پر مطلق اثر نہ ہوا، وہ جھوم جھوم کر گانے لگا۔

''میں ہوں ہیرو تیرا نشا۔'' ارمان کے کندھے پر ننھا سا مکہ جڑ گئی اور شرم سے گلنار ہوتی اندر بھاگ گئی، دردانہ بھابھی نے ہنستے ہوئے محبت سے ارمان کو دیکھا اور اس کی خوشیوں کی ڈھیروں دعائیں کر ڈالیں، اب دونوں کی شادی کر دینی چاہیے، ان کی ڈلیوری اسی ماہ متوقع تھی، اب ان کی ڈلیوری کے بعد ہی کچھ ہونا تھا۔

☆☆☆

''ارمان کتنا کیوٹ ہے نا مصطفیٰ۔'' نشا چھ ماہ کے مصطفیٰ کو گدگداتے ہوئے بولی، ارمان نے محبت سے اس کا کھلا کھلا صبیح چہرہ دیکھا، جس پر خوشی اور سکون گویا ثبت ہو چکا تھا، ارمان کے جواب نہ دینے پر نشا نے چونک کر ارمان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا، دونوں اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے، دردانہ بھابھی کچن میں تھیں، آفان بھائی اپنے کسی دوست سے ملنے گئے تھے، آج سنڈے تھا، ارمان کے لئے سنڈے کا دن کسی نعمت سے کم نہ ہوتا تھا، سارا دن وہ نشا کے آس پاس منڈلاتا رہتا تھا، وہ دونوں اب نکاح کے پاکیزہ بندھن میں بندھ چکے تھے، رخصتی ابھی باقی تھی، ان کا نکاح دردانہ بھابھی اور آفان بھائی نے چھ ماہ قبل کروا دیا تھا، جب انہیں علم ہوا تھا نشا اب آزاد ہے، نشا کی تو چھ ماہ کے مصطفیٰ میں جان تھی، نشا صبح سے مصطفیٰ کی ناز برداریوں میں لگی تھی، ارمان بس اسے گھورے جا رہا تھا، بیٹھا اس کے سامنے تھا لیکن نشا کا دھیان مسلسل مصطفیٰ کی

جانب مرکوز پا کر وہ بے چینی سے پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا، دل ہی دل میں ڈھیروں خطاب دے ڈالے تھے، طوطا چشم بیوی اور نہ جانے کیا کیا، مصطفیٰ اسے بھی پیارا تھا لیکن مصطفیٰ کے چچا پر بھی تو نظر کرم کرتی نشا۔

''کیا ہوا منہ کیوں پھلا رکھا ہے۔'' نشا نے تعجب سے استفسار کیا تھا۔

''پوچھ تو ایسے رہی ہو جیسے علم نہ ہو۔'' لہجہ نروٹھا ہو گیا۔

''واقعی مجھے نہیں علم۔'' نشا نے لاعلمی کا بھرپور اظہار کیا۔

''تو پھر علم تمہیں ہو جائے گا۔'' وہ جھٹکے سے اٹھا اور لاؤنج سے باہر نکل گیا، نشا نے حیرت سے کندھے اچکائے اور پھر مصطفیٰ سے کھیلنے لگی، ارمان اس دن شام تک گھر واپس نہ آیا، ہمہ وقت ارمان کی نگاہوں کے حصار میں رہنے والی نشا شام تک بے چینی اور اضطراب کی آخری منزل تک جا پہنچی تھی اس کا ایک پاؤں لاؤنج میں تھا تو دوسرا لان میں، بھابھی مصطفیٰ کو لے کر کمرے میں جا چکی تھیں، آفان بھائی بھی سونے کے لئے لیٹ چکے تھے، ارمان کے نہ ہونے کا نوٹس دونوں میاں بیوی نے نہ لیا تھا ان کے خیال میں ارمان اب ذمہ دار ہو چکا ہے۔

نشا کا دل ایک پل کو بھی قرار میں نہ تھا، وہ لان میں چیئر پر بیٹھ گئی اور آسمان پر محو سفر چمکتے چاند کو دیکھنے لگی، اس کی زندگی میں سکون تھا، خوشیاں تھیں، اس کی محبت ارمان اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی تھی، حسن کا نام تک وہ فراموش کر چکی تھی، اچانک اس کا دل بے چین ہوا۔

''کہیں ارمان ناراض تو نہیں۔''

وہ اس کی کال پک نہیں کر رہا تھا، رات کے دس بج چکے تھے، وہ ابھی تک گھر نہ لوٹا تھا، فضا میں خنکی بڑھ گئی تھی، وہ بنا شال لئے لان میں چیئر پر بیٹھی اس کے انتظار میں سچ مچ تارے گن رہی تھی، جب اچانک چوکیدار نے گیٹ کھولا اور ارمان کی گاڑی جھٹکے سے ڈرائیوے پر رکی، نشا کے بے چین اور بے تاب قدم سرعت سے گاڑی کی جانب بڑھے، ارمان نے جھٹکے سے گاڑی کا دروازہ کھولا اور بند کیا اور بنا اس کی جانب دیکھے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا، یہ اس کی ناراضگی کا بھرپور اظہار تھا، نشا کے دل پر گھونسا پڑا، وہ بجلی کی سی تیزی سے ارمان کے پیچھے لپکی اور اس کے عین سامنے جا کھڑی ہوئی، ارمان لب بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔

''ناراض ہو۔'' لہجے میں صدیوں کی بے چینی تھی، ارمان نے نگاہ غلط ڈالنا گوارا نہ کی اور ٹس سے مس کھڑا رہا، دل ہی دل میں وہ اس کی بے چینی پر خوش تھا۔

''تم مجھ سے ناراض ہوتے ہو تو یوں لگتا ہے خوشیاں مجھ سے روٹھ گئی ہیں، میری ساری خوشیاں تمہارے دم سے ہی تو ہیں ارمان، مجھ سے ناراض نہ ہوا کرو۔'' نرم و نازک لڑکی اس کی ناراضگی کو سہہ نہ پا رہی تھی، اس کے سینے پر سر رکھ کر تڑپ کر بولی تھی، ارمان کی ساری ناراضگی بھک سے اڑ گئی، اس نے نرمی سے اس کے نرم و نازک وجود کو اپنے مضبوط وجود میں چھپا لیا۔

''ٹھہر جاؤ تم دونوں۔'' کڑک آواز پر دونوں تڑپ کر ایک دوسرے سے الگ ہوئے تھے۔

''کرتی ہوں بندوبست تم دونوں کا۔'' دردانہ بھابھی کے لہجے میں مصنوعی خفگی تھی، دونوں نگاہیں زمین پر گاڑھے کھڑے رہ گئے، مصطفیٰ کا فیڈر بنانے وہ کچن میں آئی تھیں، لاؤنج

سے گزرتے ہوئے ان کی نظر لیلیٰ مجنوں بنے نشا اور ارمان پر پڑی تو دبے پاؤں ان کے سر پر آ کر بولی تھیں، اسی پل ارمان کا بجتا فون خاموش فضا میں ارتعاش برپا کر گیا، بھابھی سے نگاہیں چراتے ارمان نے کال پک کی، دوسری طرف شمین ہاؤس کی انچارج مسز رخشندہ تھیں اس وقت کوئی شمین ہاؤس میں ایک عورت کو چھوڑ گیا تھا، اس عورت کی حالت بہت خراب تھی، شمین ہاؤس کی ڈاکٹر نے چیک کیا تھا، عورت کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرنے کی ضرورت تھی، اسی سلسلے میں مسز رخشندہ نے ارمان کو کال کی تھی۔

''آپ ہاسپٹل میں ان کو لے جائیں میں اور نشا اس ہاسپٹل میں آتے ہیں۔'' ارمان نے پرائیویٹ ہاسپٹل کا نام لیا اور کال ڈسکنکٹ کر دی، پھر ہاسپٹل کے ڈاکٹر کو کال کی، جو ارمان کا دوست تھا، کہ وہ اچھی طرح مریضہ کو چیک کرے اور ٹریٹمنٹ دے، ڈاکٹر نے ارمان کو یقین دہانی کروائی، پھر ارمان نے ساری بات بھابھی کے گوش گزار کی اور ان سے نشا کو ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کی، وہ اپنی ناراضگی کا ازالہ بھی کرنا چاہتا تھا، اس نے نشا کو تکلیف جو دی تھی، بھابھی نے خوشدلی سے اجازت دی تو وہ نشا کو لئے گاڑی کی جانب بڑھا، وہ دونوں نہیں جانتے تھے، وہ مریضہ نشا پر کیا کچھ انکشاف کرنے والی تھی اور نشا کو اللہ کے انصاف پر کامل یقین ہونے والا تھا۔

☆☆☆

ارمان اور نشا ہاسپٹل کے صاف شفاف ٹائلوں سے سجے کاریڈور میں تیز تیز قدم اٹھاتے آگے بڑھ رہے تھے، نشا کا نرم و نازک ہاتھ ارمان کے مضبوط ہاتھ میں قید تھا، وہ دونوں ڈاکٹر روم میں داخل ہوئے تب ارمان نے نشا کا ہاتھ چھوڑا، دونوں کو مریضہ کے متعلق ڈاکٹر ضیاء سے پوچھنا تھا کہ زیادہ سیریس کنڈیشن تو نہیں ان کی، وہ ابھی مریضہ سے ملے نہیں تھے، ڈاکٹر ضیاء دونوں کو مریضہ کی حالت کے متعلق بتانے لگے، ان کے خیال میں مریضہ کا زندہ بچنا ناممکن تھا، نشا اور ارمان نے مریضہ کو دیکھنا چاہا تو ڈاکٹر ضیاء دونوں کو اپنے ساتھ لئے کمرے سے نکلے، ان کے قدموں کا رخ کمرہ نمبر بائیس کی جانب تھا جس میں وہ مریضہ ایڈمٹ تھی۔

ہاسپٹل کے کمرہ نمبر بائیس کے آرام دہ بیڈ پر جلا ہوا سوختہ وجود پڑا تھا جو جھٹکوں کی زد میں تھا، کمرے میں اس وقت ایک نرس ڈیوٹی پر تھی جو مسلسل استغفار کا ورد کر رہی تھی اس کی حالت دیکھ کر، جلا ہوا چہرہ، ہڈیوں سے چپکی جلی ہوئی زخم خوردہ جلد، اس وجود کی حالت قابل رحم تھی، اندر کو دھنسی آنکھوں میں ہلکی ہلکی بینائی کی رمق تھی، لیکن وجود آنکھیں کھولنے سے قاصر تھا، جھٹکے بڑھنے لگے تھے، اچھی نگہداشت اور میڈیسن کے باوجود اس کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی تھی، جسم بدستور جھٹکوں کی زد میں تھا، اچانک جلے ہوئے وجود کی آنکھوں کے پپوٹے جن کی پلکیں جل کر مٹ چکی تھیں لرزنے لگے، اس سوختہ وجود کی یادوں کے دریچے کی کھڑکیاں ہولے ہولے کھلنے لگیں، وہ کمرے میں بند کر دی گئی تھی وہ بھی سرونٹ کوارٹر کے کمرے میں، کمرے میں اچانک دھواں پھیلنے لگا، اس نے دروازے اور کھڑکیوں کے لاک کھولنے کی کوشش کی تھی، لیکن اس سے پہلے ہی اس کا وجود سوکھی لکڑی کی مانند بھڑ بھڑا جلنے لگا، کیسی اذیت تھی دل کی رگوں کو کاٹنے والی اذیت تھی، وہ اب بھی اذیت میں تھی، آرام دہ بستر کانٹوں کا بستر لگ رہا تھا، وہ اس کے بداعمال تھے جو کانٹوں کی صورت بستر پر اگ

آ ئے تھے، اسے نشا یاد آئی، اس کے ساتھ ہی فرح کی یاد آئی جس نے کتنا سچ کہا تھا، نشا پر کیا گیا ظلم اس کے اور اس کی بیٹیوں کے سامنے آیا تھا، وہ نشا پر ظلم کرتے تکبر کی انتہا پر تھی، وہ بھول گئی تھی تکبر رب کی چادر ہے، اس نے رب کی چادر اوڑھنے کی کوشش کی تھی، رب نے اسے دنیا والوں کے لئے عبرت کا نشان بنا چھوڑا تھا، ماہ نور ان ماں بیٹیوں پر عذاب بن کر ہی تو نازل ہوئی تھی، اس کی دونوں بیٹیاں وہ اس وقت کن حالوں میں تھیں، وہ نہیں جانتی تھی، نشا کو اس نے گھر سے نکالا تھا، ندیم کار ایکسیڈنٹ میں مر گیا تو ماہ نور نے ساری جائیداد اپنے نام کروا کر اسے بھی کمرے میں بند کر کے جلا ڈالا، وہ اس ہاسپٹل میں کیسے پہنچی تھی وہ نہیں جانتی تھی۔

''آہ سمیرا بیگم تمہارا یہ انجام۔'' روح نکلتی نہ تھی، اذیت جان نہ چھوڑتی تھی، یتیم پر ظلم کا پہاڑ توڑ کر دنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی رسوائی مول لے لی تھی اس نے، بیٹیاں یاد آئیں تو دل درد سے ادھڑنے لگا، جہنم کا ایندھن پیٹ میں بھرا تھا اس نے یتیم کا مال کھا کے، وہ کتنی بے خوف تھی رب سے، نشا نے بدلہ نہ لیا تھا اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑا تھا، اللہ نے اس کا برا حال کر ڈالا تھا، نشا کا مددگار تو اللہ تھا اور میرا مددگار شیطان تھا جو مجھے ظلم کرنے پر اکساتا تھا، میں شیطان کے نقش قدم پر چلی تھی، ذلیل و رسوا تو ہونا تھا۔

آج اسے سارے ادراک تھے، کاش نشا مل جائے میں اس سے معافی مانگ لوں، (رب آپ کی شر انگیزیاں نہیں بھولا، رب کچھ بھی نہیں بولتا، آپ کا ایک ایک ظلم ٹھوکر اور اذیت بن کر آپ کے سامنے آئے گا، تب سمیرا بیگم آپ کی روح کو آپ کے بدن سے خلاصی صرف نشا کی معافی ہی دے گی، یاد رکھیے گا میری بات) فرح کا کہا ایک ایک لفظ ان کے دل پر اذیت کا آرا چلا گیا، کاش وہ سمجھ جاتیں، کاش ان کی بیٹیاں ان کی آنکھوں کے سامنے رہتیں، سانس سمیرا بیگم کے سینے میں پھڑ پھڑانے لگا۔

''ہائے میرے اعمال۔'' ان کے دل نے پھر دہائی دی۔

''میں نشا کی قصور وار ہوں، نشا پر ظلم ڈھاتے میں اپنا مرنا کیوں بھول گئی، مجھے معاف کیسے ملی گی، آہ میرے بد اعمال جو مجھے اوندھے منہ گرا گئے، مجھے اپنا رب یاد بھی کب آیا جب میری روح میرے بدن سے نکلنے کو بے تاب ہے۔'' سانس کھینچ کھینچ کر آنے لگی، لیکن موت میسر نہ تھی، اس وقت کمرے کا دروازہ کھلا، نشا اور ارمان ڈاکٹر ضیاء کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوئے، نشا کی نظر پتھر ہوئی تھی، جب بستر پر لیٹے وجود پر اس کی نگاہ پڑی تھی، ارمان جو ڈاکٹر ضیاء سے بات کر رہا تھا، نشا کو پتھر بنا کھڑا دیکھ کر چونک اٹھا۔

''نشا آر یو آل رائٹ۔'' ارمان نے تفکر سے نشا کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھ کر استفسار کیا، ارمان کی آواز اتنی بلند ضرور تھی کہ بستر پر لیٹے سوختہ وجود کی سماعتوں تک پہنچ گئی تھی، جلے ہوئے پپوٹے لرزتے ہوئے وا ہوئے، سمیرا چچی کی آنکھیں کھلتی دیکھ کر نشا کا پتھر ہوا وجود موم ہوا، وہ چاہ کر بھی اس عورت سے نفرت محسوس نہ کر سکی جس نے اسے بھری دنیا میں دھکیل دیا تھا، ارمان نشا کو سمیرا چچی کو دیکھتا پا کر متعجب کھڑا تھا، اسے نشا کے بولنے کا انتظار تھا۔

''ارمان یہ میری سمیرا چچی ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے مجھ پر ترس نہ کھایا تھا، مجھے یخ بستہ رات میں دربدر کر دیا تھا۔'' ڈاکٹر ضیاء ایکسکیوزمی کر کے جا چکا تھا، ارمان بھی چاہتا تھا وہ یہاں

سے چلے جائیں، نرس ڈاکٹر ضیاء کے اشارے پر پہلے ہی جا چکی تھی، ارمان نے نشا کے کانپتے وجود کو ساتھ لگا کر ڈھارس دی۔

''اب اس عورت سے میں کیا کہوں، اللہ نے میرا بدلہ لے لیا، لیکن مجھے ان کی حالت دیکھ کر تکلیف بھی ہو رہی ہے۔'' نشا اب رو دی تھی، سمیرا چچی کے جسم کو لگنے والے جھٹکے بڑھ گئے۔

''ن...... ن...... نشا۔'' سمیرا چچی نے بمشکل حلق سے آواز نکال کر نشا کو مخاطب کیا، ارمان کی بانہوں کے حصار میں مقید نشا نے آنسوؤں سے رآنکھوں سے سمیرا چچی کا عاجزانہ روپ دیکھا تھا۔

''انسان ظلم کرتے وقت کیوں بھول جاتا ہے، کہ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔'' وہ ارمان کی بانہوں کے حصار سے نکلی اور ان کے بیڈ کے قریب جا کھڑی ہوئی، ارمان بھی اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''سمیرا چچی آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا تھا، اتنی مشکلوں میں گھر کر میں نے جانا ہے، بعض اوقات آپ پر نازل ہونے والی مشکلات آپ کو کچھ بہت اچھا دان کرنے کے لئے آتی ہیں، مشکلوں سے بس گھبرانا نہیں چاہیے، یہ آپ کو آگے بڑھانے کے لئے، آپ میں حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا کرنے آتی ہیں، مجھے اللہ نے ان مشکلات کا بہت بڑا انعام ارمان کی صورت عطا کیا ہے، مجھے اللہ نے ارمان دینا تھا، مجھے ارمان تک یونہی پہنچنا تھا، میں نے آپ کو معاف کیا، دل سے معاف کیا، اس محبت کے ارمان کے ملنے کے صدقے آپ کو معاف کیا۔'' نشا ارمان کے بازو کو مضبوطی سے تھام کر مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

''یہ میرا شوہر ہے، میری ناراضگی کی پرواہ

کرنے والا، میرے مزاج کے ہر رنگ کو سمجھنے والا۔'' نشا نے محبت سے ارمان کو دیکھا تھا، ارمان اتنے پیارے اظہار پر دم بخود اسے دیکھے گیا، کتنا مان تھا نشا کے لہجے میں، ارمان نے محبت بھرا ثبوت نشا کی پیشانی پر ثبت کر کے اسے پرسکون کر دیا، اسی لمحے سمیرا چچی نے اپنا جلا ہوا ہاتھ بمشکل اٹھایا، نشا ان کا ارادہ سمجھ کر سر جھکا گئی، ارمان نے بھی اپنا سر ان کے سامنے جھکا دیا، دونوں کے سر پر سمیرا چچی نے محبت سے ہاتھ رکھا، آج پہلی بار نشا نے اس ہاتھ کے لمس میں محبت محسوس کی تھی۔

''آپ ٹھیک ہو جائیں گی چچی۔'' نشا کے الفاظ منہ میں ہی تھے، جب سمیرا چچی کا بدن روح سے آزاد ہو گیا۔

☆☆☆

مہندی لگے گی تیرے ہاتھ
ڈھولک بجے گی ساری رات

ملک ولا میں اس وقت خوشیوں کی بارات اتری تھی، ارمان ملک اور نشا کی آج مہندی تھی، رشتہ دار لڑکیاں ڈھولک بجا رہی تھیں، سمیرا چچی کی وفات کو دو ماہ بیت چکے تھے، نشا غم زدہ تھی ان کی موت پر، آفان بھائی اور دردانہ بھابھی نے دونوں کی رخصتی کی ڈیٹ فکس کر دی تھی، آج معطر پھولوں کی لڑیوں سے مزین جھولے پر بیٹھی نشا محبت بھری نگاہوں سے اپنے عزم و ملائم گورے ہاتھوں پر مہندی سے لکھے نام کو دیکھے جا رہی تھی، جس کا نام اس کی ہتھیلی پر درج تھا، وہ اس کے پاس جھولے پر بیٹھا اس کی جانب محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، نشا کو مسلسل ہتھیلی کا معائنہ کرتے دیکھ کر وہ جھنجھلا اٹھا۔

''حد ہوتی ہے دولہا پاس بیٹھا ہے اور اس کے نام کو دیکھا جا رہا ہے، بھئی نام والے کو دیکھ لو۔'' نشا نے محبت بھری نگاہ سے نام والے کو دیکھا اور سر جھکا گئی۔

''بس اتنا سا دیکھنا تھا۔'' وہ اس کی سماعت میں گنگنایا۔

''جی۔'' وہ لٹھ مار انداز میں بولی تھی۔

''توبہ نشا میرے ارمانوں پر تم نے لٹھ مار دی ہے۔'' ارمان نے منہ بنایا۔

''آپ دیکھ نہیں رہے، اتنے مہمان جمع ہیں اور آپ میرے کانوں میں کھسر پھسر کیے جا رہے ہیں۔'' نشا دبی دبی آواز میں بولی۔

''تابش مجھے بچاؤ، میں بے ہوش ہونے لگا ہوں۔'' ارمان نے قریب کھڑے تابش کا ہاتھ پکڑ کر دھیمی آواز میں دہائی دی، نشا نے آنکھیں پھاڑ کر ارمان کا انداز ملاحظہ کیا تھا۔

''اب تو کیوں بے ہوش ہونے لگا۔'' تابش نے کس کے ہاتھ ارمان کی کمر پر جمایا تھا۔

''مجھے آپ آپ کہا جا رہا ہے، بے ہوش ہونا تو بنتا ہے نا۔'' ارمان نے بے ہوش ہونے کی وجہ بتائی، تو نشا انگشت شہادت ارمان کی جانب اٹھا کر بولی۔

''تم کو اندازہ ہے اس وقت ہماری مہندی ہو رہی ہے۔'' نشا نے اس کی شوخیوں کے آگے بند باندھنا چاہا۔

''شکریہ بتانے کا، مجھے تو اندازہ تھا ہی نہیں۔'' ارمان جواباً معصومیت سے بولا، نشا نے گھور کر اسے دیکھا، تو اس کی زبان پھر مچل اٹھی۔

''ظالم نظروں سے تم مجھ کو نہ دیکھو مر جاؤں گا، ہاں جان جاناں مر جاؤں گا۔'' وہ لہک لہک کر گا رہا تھا جب نشا کا نرم و نازک ہاتھ اس کے لبوں پر آ ٹھہرا، اس پل ارمان کے دل میں انوکھا سا سرور جاگا تھا۔

''خبردار جو مرنے کی بات کی تو اور یہ فضول گانا بند کرو۔'' نشا کا لہجہ روہانسا تھا۔

"اتنی محبت کرتی ہو مجھ سے۔" ارمان اس کی خوبصورت براؤن آنکھوں میں ڈوب کر بولا۔

"بالکل بھی نہیں کرتی محبت۔" نشا کا الٹا جواب سن کر سارا فسوں بھک سے اڑا۔

"کیا مطلب تمہارا۔" ارمان نے لہجے میں مصنوعی خفگی سموئی۔

"میں تم سے عشق کرتی ہوں۔" نشا نے مخمور لہجے میں کہہ کر ارمان کو پرسکون کر دیا۔

"اب بند کر دو اپنی باتیں، سارے لوگ ادھر ہی دیکھ رہے ہیں اور چہ میگوئیاں کر رہے ہیں عجیب لڑکا لڑکی ہے، باتیں ہی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہیں ان کی۔" تابش نے دونوں کو گھر کا تو دونوں خاموش ہو گئے، مہندی کی رسم رات گئے تک چلتی رہی، آسمان پر محو سفر چاند نے دونوں کو ہمیشہ خوش رہنے کی دعا دی تھی۔

ارمان کا کمرہ سرخ پھولوں کی خوشبو سے معطر تھا، کمرہ اتنی خوبصورتی سے سجایا گیا تھا، بیڈ کے وسط میں سرخ زرتار لہنگا پھیلائے بیٹھی نشا بھی سراہے بنا نہ رہ سکی، ارمان کے کمرے میں وہ کبھی نہ آئی تھی، آج اس کمرے میں وہ اس کی زندگی بن کر بیٹھی تھی، ارمان کے قدموں کی چاپ پر وہ گھنیری پلکوں کی چلمن گرا گئی، ارمان اس کے عین سامنے براجمان ہو گیا۔

"کیسا لگ رہا ہے میرے کمرے میں، میرے سامنے بیٹھ کر۔" ارمان محبت بھرے جذب سے بولا، نشا جواباً چپ رہی، وہ کیا کہتی شرم نے اس کی زبان پر تالے لگا دیئے تھے، ارمان نے نشا کو خود کے قریب کر کے اس کی سماعت میں پرفسوں سرگوشی کی۔

"مجھے تو بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔"

"کیا مطلب۔" نشا نے پٹ سے پلکوں کی چلمن اٹھائی اور غصے سے بولی۔

"اب بولی ہو کہ نہیں، اتنا اچھا سوال پوچھا جواب ندارد اتنی فضول بات پر تو جھٹ بول اٹھی تم۔" ارمان قہقہہ لگاتا ہوا بولا۔

"شادی کی پہلی رات بھلا کوئی ایسے بات کرتا ہے۔" انداز نروٹھا تھا۔

"نہیں بالکل نہیں شادی کی، رات بلکہ شادی کے بعد صرف محبت ہوتی ہے، بے پناہ محبت، کہو تو عملی مظاہرہ کر کے دکھاؤں، بلکہ مجھے اجازت کی کیا ضرورت، آفٹر آل تم میری بیوی ہو۔" ارمان نے نشا کا بازو نرمی سے تھام کر اپنی جانب کھینچا، وہ ارمان کے اوپر آ گری، دونوں کی محبت کو لمحہ بہ لمحہ سرکتی رات نے سراہا اور چپکے سے گزرنے لگی، نشا کی زندگی میں ارمان تھا اور ارمان کی زندگی میں نشا، دونوں کی زندگی اب ہر لمحہ محبت کے سنگ گزرنے والی تھی، دونوں کو اس بات کا مکمل یقین تھا۔

☆☆☆

عشق اسیر

سدرۃ المنتہیٰ

پندرہویں قسط کا خلاصہ

سکھاں نے پربھات کے باپ کی حمایت میں بات کی ہے، شمع اور حبیب کی شادی ابتدا میں ہی ٹوٹ جانے کا بتا کر وہ دلگرفتہ ہے۔
سکھاں نے بلند آواز میں کہا ہے میں نے حبیب کو معاف کیا۔
حبیب نے مراقبے کے دوران سکھاں کے احساس کو نہیں محسوس نہیں کیا ہے۔
چیزل اور پربھات کی پہلی بار کھل کر تفصیل سے بات ہوئی ہے۔
شفیعت باہر چلی گئی ہے، پربھات سارنگ سے ملتی ہے اس سے درخواست کرتی ہے شفیعت کو سمجھانے کی۔
رباعی کو شمع نے گھر بچانے کے لئے سمجھایا ہے، رباعی کو اجنبی کے نام سے خط ملے ہیں، وہ خوف زدہ ہوگئی ہے۔
حبیب نے شمع کا مجسمہ بنایا ہے، اسے اندازہ ہورہا ہے، خاندانی فیض اس بار بھی کسی عورت کے ورثے میں جائے گا۔

اب آپ آگے پڑھیئے

سولہویں قسط





کچھ دشت تنہا ہی سر کیے جاتے ہیں، جب ہر کوئی اپنی اپنی آگ میں جلتا ہو، تو کس کو کس کا دھیان ہوتا ہوگا، اس نے کتابیں ساری الٹا دی تھیں، ایک طرف حبیب مجھے میں گم تھا، ایسے لگ رہا تھا جیسے مجسمہ مکمل کر کے ہی دم لے گا، اس نے کھڑکی سے دو تین بار جھانکا تھا، وہ گم تھے پوری طرح سے، وہ دیکھ کر پلٹ آئی اور اپنے کمرے میں بے وجہ کھٹ پٹ کرنے لگی تھی، تنہائی کے سمندر میں پتھر پھینکنے والی وہی تھی، رباعی......اس نے فون لے لیا۔

''پرہ......!''

''ہاں۔''

''کہاں ہو؟''

''جہاں بھی ہوں تمہیں مل جاتی ہوں۔''

''مجھے ایک تم ہی تو ملی ہو اور کچھ نہیں ملا، میں خود بھی خود کو نہیں مل پائی، پربھات، تم کھونے لگی ہو کیا؟''

''کھونے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے رباعی۔''

''کیا میں بھی نہیں؟''

''تم کھانے کے لئے نہیں ہو رباعی، تم رکھنے کے لئے ہو۔''

''یہ بتاؤ ٹھیک تو ہو ناں، پریشان کیوں ہو؟''

''پرہ...... کچھ ہونے کے امکانات کا شک ہے۔''

''کیا ہوا؟ فیروز نے کچھ کہا؟''

''نہیں پربھات، کسی اجنبی کے خطوط میرے نام آئے ہیں۔''

''اجنبی کے خطوط؟'' وہ سمجھ نہ سکی تھی۔

''ہاں پرہ خط ایسے ہیں گویا وہ آدمی نکل آیا ہو کہیں سے، بہت ڈر گئی ہوں، آج خط بھیجے ہیں، کل خود آدھمکے گا۔''

''رباعی...... خیر ہے پریشان مت ہو، مجھے ان خطوط پر لکھا پتا بھیجو پلیز میں پتا کرتی ہوں۔''

''پتا نہیں لکھا گیا۔''

''پوسٹ آفس کا پتا تو ہوگا ناں کہ کس شہر کی ڈاک ہے۔''

''ہاں شہر کا نام لکھا ہے۔''

''پوسٹ آفس کا کوئی نمبر ہوگا مجھے بھیجو۔''

''کوریئر سروسز ہیں، علاقے کے دفتر کا نمبر درج ہے۔''

''ٹھیک ہے، بھیج دو، فکر نہ کرو، کچھ نہیں ہوتا۔''

''خطوط اگر تم پڑھتیں تو مجھے نہ کہتی، بلکہ خود پریشان ہو جاتیں۔''

''تم مجھے نمبر بھیجو پتا کرتے ہیں، ویسے آج شام مجھے نکلنا بھی ہے، سارنگ کی بہن کی شادی ہے۔''

''تم وہاں مجھ سے قریب ہو جاؤ گی......آؤ گی؟''

''آؤں، تم کیا کہتی ہو۔''
''میرا آنا ہمیشہ کوئی طوفان لے آتا ہے، نہیں چاہتی کہ فیروز کی ضد بن جاؤں، یا تمہیں کوئی تکلیف ہو۔''
''ٹھیک ہے پرہ آنا مت لیکن دعا کرنا۔''
''تمہارے اور فیروز کے لئے ناں؟''
''میری سلامتی کے لئے۔''
''رب تمہیں سلامت رکھے رباعی۔''
''رباعی تھک گئی ہے پربھات۔''
''ابھی تو ابتدا ہے یار، ابھی سے کیوں تھک گئی ہو۔''
''زندگی بہت مشکل ہے پرہ۔''
''یہ ہمیشہ مشکل ہوتی ہے رباعی، لیکن تمہارے اندر ہمت ہے فیس کرو، وقت اچھا ہو جائے گا۔''
''پرہ تم دعا کرنا وہ آدمی نہ آئے، جو خط لکھتا ہے۔''
''وہ نہیں آئے گا پاگل ہو گیا، مجھے تو لگتا ہے تمہیں یونہی کوئی تنگ کر رہا شاید۔''
''نہیں پرہ ایسا نہیں ہے، کچھ بہت ہولناک ہونے والا ہے۔''
''سنبھالو خود کو یار، واہمے کو یقین میں نہ بدلو، شمع بی بی اسے بات کر کے دیکھو۔''
''انہیں بس یہ فکر ہے کہ کسی طرح فیروز پر میں ڈورے ڈالتی رہوں، اسے اپنے کنٹرول میں کر دوں۔''
''ٹھیک تو کہتی ہیں، خیر خواہ ہیں تمہاری۔''
''پرہ، ایک تو شادی کی ہے، قبول کیا ہے۔''
''تم کہنے لگیں اس کی چیزوں کا خیال رکھو، خیال رکھتی ہوں۔''
''کپڑے ٹھیک کر کے رکھو، بستر لگاؤ، کھانا بناؤ، پانی کا گلاس جا کر میز پر رکھو۔''
''سب کیا ہے، لیکن اس کے آگے پیچھے نہیں پھر سکتی اسے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے جتن نہیں کر سکتی، مجھ سے یہ نہیں ہو پاتا۔''
''فکر نہ کرو رباعی بس انتظار کرو، بہتری ہو گی۔''
''بہر حال تم کسی طرح میری اس اجنبی نامحرم سے جان چھڑاؤ۔''
''ہاں میں کہوں گی، تم فکر نہ کرو، اس دفتر کے پتے پر فون کر کے معلوم کرتے ہیں، ٹھیک پتا لگ جائے تو پہنچ جائیں گے۔''
''تم پریشان مت ہو، اپنا خیال رکھنا۔''
''میں اباجی کو ذرا دیکھ لوں، انہوں نے کچھ کھایا پیا نہیں ہے۔''
''وہ ٹھیک ہیں؟''
''بس ٹھیک ہی ہیں، دعا کرنا۔''

''میں پھر کرتی ہوں ٹھیک ہے۔''

''ہاں ٹھیک ہے۔'' اس نے کسی امید پر لمبی سانس چھوڑتے ہوئے کہا اور کمرے سے نکل کر ان کی طرف جانے لگی۔

☆☆☆

''جب شناخت ہی بے یقین ہو، تب ٹھہر کر کیا کرنا۔''

''مجھے تو سب کچھ جو خود سے وابستہ ہے ایک دھوکا لگتا ہے، ایک فریب کی طرح، جھوٹا اور بے بھروسہ۔''

''یہ مت کہو چیزل، ایسا مت کہو، مجھے لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے، تم ٹیسٹ کروالو بیٹے اس میں کیا برا ہے۔''

''آپ کے لئے تو کچھ بھی برا نہیں ہے، نہ تھا، میرے لئے تو زمین پھٹ جانے کا مقام ہے اور وہ پھٹتی بھی نہیں ہے۔''

''تو مجھے گرا دے، اپنی نظروں سے بھی۔''

''میں تو تب ہی گر گئی تھی چیزل، اب تو کچھ بھی نہیں ہے۔''

''تو جا کہاں رہا ہے، یہ تو بتا۔''

''شہر سے دور جہاں میرا اس سے پھر کبھی سامنا نہ ہو۔''

''مجھے بھی ساتھ لے چل چیزل، میں مر جاؤں گی۔''

''اپنا بوجھ بھی مشکل سے اٹھا رہا ہوں، تھک گیا ہوں خود سے بھی، آپ کو لے کر کہاں در بدر پھروں گا۔''

''نفرت کرنا ہے ناں ماں سے...... اتنی نفرت...... اس حد تک...... کر...... تجھے حق ہے۔''

''فی الحال تو خود سے کر رہا ہوں نفرت ماں، میرا دل اجڑ گیا ہے، اب اس لڑکی کو کیا بتاؤں۔''

''تو اسے تو نہیں چھوڑ وہ منگیتر ہے تیری چیزل، تو نے شادی رکوا دی وہ تب بھی کچھ نہ بولی، ماں کی بات مان، اسی کا بھرم رکھ لے، اس کے ساتھ شادی کر لے، پھر چلا جا، جہاں چاہے، اس طرح ماں کو بے چینی نہیں ہو گی کہ تو اکیلا ہے۔''

''چیزل تیرا باپ جو بھی ہو، ماں تو تیری میں ہی ہوں ناں، پیدا تو تجھے میں نے کیا ہے ناں چیزل دیکھ بات سمجھنے کی کوشش کر۔''

''نہ اماں...... یہ ظلم نہ کر...... میں کسی کو بھی ادھوری زندگی نہیں دے سکتا، ابھی تو خالی ہوں، پورا کا پورا خالی ہوں کسی کو بھی کیا دوں گا، ابھی چھوڑ دے ماں اس دن بھی تو نے روک دیا آج مت روک۔''

''چیزل چل آج کی رات ماں کے پاس رک جا، آج بیٹھ کر ماں سے چار باتیں کر لے، چار سن لے، چین آ جائے ماں کو، آخری بار ماں کی سن لے۔'' وہ کپڑے بیگ میں رکھتے ہوئے رکا، پھر جیسے تیسے کپڑے اڑسے، زپ بند کی، مسافر کا سامان تیار تھا۔

''میں کھانا لے کر آتا ہوں، تیری دوائیاں جتنی رہتی ہیں وہ بھی لے آؤں گا۔''

''دوا صرف آج رات کی لینا، کل کی دیکھی جائے گی۔'' اس نے جیب میں پیسے دیکھے تو اتنے ہی تھے کرایہ ادا کرنے کے بعد کہ آج رات کی دوا آتی، کھانا آتا اور صبح وہ سواری کا کرایہ بچا پاتا۔

وہ کمرے سے نکل گیا، پڑوسی دادن کو بلایا، اسے ماں کی دوا کے نسخے کا پرچہ دیا، اخراجات سمجھائے اور پچیس دن کی مزدوری کے پیسے رہتے تھے سیٹھ کے پاس وہ اسے لینے کے لئے کہا، جو دو دن بعد ملنے تھے، اس نے اندازہ لگایا کہ مہینہ نکل جائے گا، اس کے بعد اگر سیٹ ہو گیا تو ماں کو ساتھ لے جائے گا، ورنہ خرچ جتنے پیسے وہ کما لے گا کہ اسے بھجواتا رہے، دارن سے بات چیت کر کے وہ کھانا اور دو دن کی دوا گھر لے آیا، کرائے کے پیسے سے کٹوتی ہوئی، دارن نے اسے دلاسہ دیا تھا کہ صبح نکلتے وقت کچھ پیسے دے دے گا اسے اور پھر مزدوری سے کاٹ لے گا، اخبار کی نوکری چھوٹنے کے بعد وہ آسمان سے زمین نہ سہی لیکن تخت سے زمین پر ضرور گرا تھا، پچھلے چند سالوں میں وہ کئی نوکریاں چھوڑ چکا تھا۔

کئی جگہ پرائیویٹ طور پر پراجیکٹ کر لیا کرتا تھا، کہیں اخبار میں کالم لکھنے، پر کوئی ایسا ایشو اٹھا لیتا جس پر حد بندیاں لگ جاتیں، اس آخری جھگڑے کے بعد جواب تک کے لئے آخری تھا، اس نے سوچا کہ اب فی الحال کوئی اور کام ڈھونڈا جائے، کام تو اسے بہر حال مل جاتا تھا، لیکن اب جو دل اجڑا تو اسے لگا مشکل ہی سنبھل پائے گا، دل میں حوصلے اور امید کی کوئی کرن نہیں تھی اور محبت کے بغیر زندگی جیسے بے رنگ لایعنی اور بیکار سی محسوس ہوتی تھی، یہ احساس بڑا پرانا تھا اس کے لئے۔

☆☆☆

''تم کہاں ہو پربھات، مر گئی ہو کیا؟'' یہ روتی ہوئی آواز تھی۔

اس طرف اتنا شور تھا کہ وہ کال سن نہیں سکی تھی، لیکن فکر تو تھی، البتہ اس وائز نوٹ بمشکل سن کر اس جگہ سے کھسکنا چاہ رہی تھی کہ سارنگ نے مدد طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھا تھا، جس سے ماں کوئی نہایت سنجیدہ بات کر رہی تھی، پربھات سارنگ کے اشارے پر فی الحال اسی کے پیچھے گئی تھی جہاں اس کی وہیل چیئر جا رہی تھی، کمرے کی طرف۔

اس نے رباعی کو میسج کیا کہ سندس کی شادی کی تقریب ہے چھوٹی سی، لیکن شور بہت ہے، میں ذرا ٹھہر کر کال کرتی ہوں تمہیں، یہ کہہ کر وہ سارنگ کی طرف چلی گئی، کمرے میں سارنگ اور مہراب خاتون کسی سرگرم بحث میں تھے کہ اسے اس طرف آتا دیکھ کر مہراب خاتون ذرا دھیمی ہوئی تھی۔

''سب خیریت ہے؟'' اسے لگا سندس کی شادی کو لے کر کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہوا ہو حالانکہ باہر اسے سب بہتر لگ رہا تھا، پارٹیشن کے باہر دروازے کے پاس مردانے حصے میں بھی سب نارمل دکھ رہا تھا۔

رقاص آئے تھے لوک گیتوں پر ڈانس ہو رہا تھا۔

ایسے میں سارنگ کو اندر بلا کر کچھ دباؤ ڈالنے والا انداز اسے بھی فکر مند کر گیا۔

''تو آ اور اسے سمجھا کہ ماں جو کہہ رہی ہے وہ غلط نہیں ہے، آخر ماں کی بھی کچھ خواہشیں ہوتی ہیں۔''

''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اس پر زور ڈالا ہو کسی چیز کا پریشر دیا ہو۔''
''اور ایسا بھی نہیں ہوا کہ میں کچھ کہوں اور یہ نا مانے۔''
''بس بہت ہو چکا ہے، اسے بس یہ احساس دلا کر مہراب خاتون تھک چکی ہے انتظار کر کے، یا تو مان جا، کر لے نکاح سبیل سے، یا پھر اس لڑکی کا پتا بتا جس سے عشق کرتا ہے، اس کے در پر نہ جا کر بیٹھ گئی تو مہراب خاتون ماں کا نام اتار دے۔''
وہ اپنے حصے کی بات کہہ کر پربھات کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے یہ بار سونپ کر خود نکل گئیں۔
''تو نے کہا تھا کہ بیٹی ہے، بس آج بیٹی بن کر دکھا، یا تو اسے راضی کر لے، یا پھر مجھے کل ہی ادھر لے چل جہاں وہ رہتی ہے، تیسری بات میں نہ سنوں۔'' وہ جیسے حتمی بات کر کے باہر نکل گئیں اور یہ اندر کوئی تو خود بھی جیسے حلق میں کانٹا سا پھنسا ہوا تھا۔
''سارنگ!'' وہ اس کے سامنے آئی اور جھک کر اس کی وہیل چیئر کے سامنے آ بیٹھی۔
''میں تمہاری دوست بھی ہوں اور بہن بھی ہوں، کیا کہوں تمہیں، سب تو سن چکے ہو، بس اتنا کہتی ہوں کہ عمر بھر کے لئے انسان کو فرار نہیں ملتا، یہ لمحہ بھر مشکل ہے؟ جس سے تم سالوں سے بھاگ رہے ہو، یہ لمحہ ہر لمحے میں تمہارے ساتھ ہو گا اگر اب فیصلہ نہ ہوا تو۔''
''مجھے بتاؤ، اس وقت میں تمہیں یہ نہیں کہہ رہی کہ بیچ بچاؤ کرو، یا تو سبیل کے لئے دل کو راضی کرو، یا پھر بتاؤ، کل اماں کو اپنے ساتھ لے جاؤں، بات کرواؤں ابا جی سے، نعمان کو سنبھالنا میرا کام، ابا جی سے تمہاری ماں بات کر لیں گی، آپا سے تم بات کر لو، اگر تمہاری یہی خوشی ہے تو ہم مل کر آپا کو راضی کرتے ہیں، نعمان ویسے بھی دوراہے پر کھڑا ہے۔'' سارنگ کی آنکھیں بھری ہوئی تھیں۔
''کل اس نے میسج کیا ہے کہ ڈاکٹر نعمان اچھا بندہ ہے، بے وفا نہیں ہے وہ، میں نے کہا محبت ہے تو رونے والا ہو گیا، آج اسے کہوں کہ نعمان سے بے وفائی کرو، میرے لئے جگہ نکالو، کتنا برا ہے یہ سب۔''
''اتنا تو سارنگ بے غیرت نہیں ہے۔''
''پھر کیا کریں سارنگ، اماں نے تو تیسری بات سننے سے انکار ہی کر دیا ہے۔''
''بہت مشکل ہے پربھات یہ فیصلہ کرنا، بہت ہی مشکل ہے یار۔''
''دونوں فیصلے مشکل ہیں۔''
''میں آپا سے بات کروں؟''
''نہیں پرہ، ایسا نہ کرو۔''
''پھر کیا کروں سارنگ بتاؤ؟''
''سبیل سے جا کر ایک سوال کرو۔''
''اس سے پوچھو سارنگ دل کے بغیر قبول ہے۔''
''اگر ہاں کہے تو اماں کو ہاں کہہ دو۔''

''خدا پاک کی قسم اٹھاؤ کہ اسی طرح ہی نہیں یہی کہو گی، جو میں نے کہا ہے۔''
''خدا پاک کی قسم یہ ضرور کہوں گی۔''
''بس پھر جاؤ، اور آ کر مجھے بتاؤ، اور ابھی کوئی تسلی مت دینا مجھے، بس جاؤ۔'' وہ اس کی طرف بغیر دیکھے بات کر رہا تھا لیکن وہ اس کی بھری ہوئی آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو دیکھ رہی تھی، اٹھی اور باہر نکل گئی۔

دل میں آیا کہ اپنی بہن سے پوچھ لے ایک بار، عجیب اتفاق تھا کہ اس کی کال آ گئی تھی۔
''ہیلو آپا!'' آواز لڑکھڑائی جیسے۔
''ہیلو، کہاں ہو تم، شور کیوں ہے؟''
''شادی ہو رہی ہے۔''
''کس کی؟''
''سندس کی، سارنگ کی بہن کی۔''
''تم۔۔نے میرا نمبر دیا ہے اسے؟''
''ہاں۔''
''کیوں؟'' آواز میں کڑک دار لہجہ تھا۔
''اعتراض نمبر دینے پر ہے، یا رابطے پر۔''
''بیوقوفانہ باتیں مت کرو، میسج آیا ہے اس کا مجھے۔''
''میسج پر کیا اعتراض ہے؟''
''ہے اعتراض، نہیں کرنا چاہیے تھا اسے میسج، میرا اور نعمان کا ذاتی مسئلہ ہے یہ۔''
''یہ آپ اسے کہتیں، مجھے کیوں کہا؟''
''نمبر تم نے دیا ہے۔''
''میسج میں نے نہیں کیا۔''
''پربھات...... بہر حال...... میں اس کا نمبر بلاک کر دیتی ہوں۔''
''اسے بتا کر کریئے گا۔''
''بکو مت۔''
''بک نہیں رہی ایسا کیجئے گا تا کہ وہ آسانی سے فیصلہ لے سکے۔''
''کس قسم کا فیصلہ؟''
''بس جانے دیں، اس کی ماں نے شرط لگائی ہے کہ یا تو ان کی رشتہ دار لڑکی سے نکاح کر لے، یا پھر وہاں لے جائے جہاں سالوں سے دل لگا بیٹھا ہے، تیسری بات وہ نہیں سنیں گی۔''
''پربھات ہوش میں تو ہو، ایسا بھلا کیسے ہو سکتا ہے۔''
''اس نے کیا کہا۔'' وہ فکر مند ہو گئیں تھیں۔
''اس نے کہا لڑکی سبیل کو جا کر کہو کہ اگر دل کے بغیر سارنگ قبول ہے تو کر لو۔''
''پھر......؟'' توقف کے بعد بولی۔

''پھر جا کر کہتی ہوں۔''
''سنو پرہ، انہیں کچھ مت بتانا، پلیز ابا کو تو بالکل بھی نہیں، یہ یکطرفہ محبت میرا اتنا امتحان لے گی مجھے نہیں علم تھا۔''
''اچھا ہے کہ یکطرفہ کہا، لیکن سمجھتیں نہیں ہیں۔''
''خیر دیکھتے ہیں، دعا کیجئے گا کچھ اچھا ہو۔''
''تم نے تو میری ٹینشن بڑھا دی پرہ۔''
''آپا سنبھالیں خود کو یہاں زیادہ پریشر ہے۔''
''رکھتی ہوں، بس پھر ایک بات ہے اگر بلاک کریں تو سارنگ کو مت بتایئے گا، پلیز یہ درخواست ہے، اسے دکھ ہوگا آپا۔''
''اچھا...... پرہ...... ابھی فون مت رکھو۔''
''کیا...... کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔''
''کچھ نہیں۔'' اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہتے فون رکھ دیا۔
وہ آگے بڑھ گئی، آگے سبیل رسم میں مگن تھی جس اس نے آ کر اسے اشارہ کیا۔
''جی!''
''سنو، کتنا مشکل ہوتا ہے بڑی بات کو چھوٹا کر کے بتانا۔''
''آں...... سبیل...... ادھر آؤ۔'' وہ اسے اوٹ میں لے گئی۔
''دیکھو پریشان نہیں ہونا اچھا، سارنگ نے نکاح کے لئے ہاں کی ہے اور تمہاری ہاں اس وقت بھی ہو سکتی ہے جب یہ نکاح ہو رہا ہوگا، دیکھو جہاں دل دے دیا وہاں کیسا حساب۔''
''اس نے دیا ہے؟'' سبیل کا سوال تھا۔
''تم نے تو دیا ہے ناں۔''
''اس نے تو نہیں دیا ناں؟''
''وہ بھی دے گا، دل ایسے نہیں جیتے جاتے، وقت دیا جاتا ہے۔''
''میں نے تو سنا تھا کہ پوجا جاتا ہے، عزت دی جاتی ہے۔''
''تو وہ سب دے دینا، ابھی تو ہاں کرو۔''
''اس نے کیا کہا یہ بتائیں؟'' پربھات لمحے کے لئے چپ ہو گئی۔
''اس نے جو کہا ہے اسے سنتے ہوئے تم بگڑ سکتی ہو، لیکن بگڑنا مت۔''
''اس نے کہا کیا؟''
''اس نے کہا کہ دل کے بغیر سارنگ قبول ہے۔'' سبیل کی آنکھیں بھر آئیں۔
''لیکن سنو، تم اس پر توجہ مت دو، اس نے یہ بھی تو کہا ہے ناں کہ سارنگ قبول ہے؟''
''یہ بھی تو کہا ہے ناں کہ دل کے بغیر۔''
''دیکھو سبیل...... ایسا مت کرو...... وہ ادھورا ہے، تم تو مکمل ہو ناں، تم دینا محبت اسے۔''
''وہ محبت دے نہ دے، عزت ضرور دے گا، یہ میرا دعویٰ ہے۔''

''محبت تو نہیں دے گا ناں۔''
''وہ بھی دے سکتا ہے، تم آگے تو بڑھو۔''
''سبیل.....چل.....'' اس کی ماں سلمیت ہانپتی ہوئی آئیں تھیں۔
''کہاں گھر؟''
''نہیں نکاح ہو رہا ہے تیرا سارنگ کے ساتھ۔''
''میں اس کے گھر میں بیٹھ کر نکاح کروں گی اماں، میں مجرم نہیں ہوں۔''
''بک بک بند کر، اٹھ اور چل، مولوی آ گیا ہے۔''
''اماں ایسا مت کریں۔''
''تو مت کر ایسا سبیل، روز روز فیصلے نہیں ہوتے اور تقدیر مہربان نہیں ہوتی۔''
''زندگی مشکل ہوتی ہے بڑی چری، چل اب ماں کی مان لے۔''
''مجھ پر دنیا تھوکے گی اماں کہ بیٹی نکاح کروانے کے لئے لے آئی، مجھے تیری حیاتی چاہیے۔''
''وہ مجبور ہے اماں، اس کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔''
''تیرے ساتھ تو نہیں ہو رہی ناں۔''
''اس کے ساتھ تو ہو رہی ہے ناں۔''
''سلمیت.....چلیں.....؟'' مہراب خاتون پیچھے آ کھڑی تھیں، سکھاں سندس کے پاس ہی بیٹھی تھی۔

مہراب خاتون نے کچھ نہیں کہا بس سبیل کو ساتھ لگایا، پیار دیا، دعا دی اور اسے بازو سے پکڑ کر ساتھ لے گئی، اصرار سارنگ کو باہر لے آیا اور نکاح ہو گیا۔

عزیز اللہ نے اندر سکھاں کو پیغام بھجوا دیا کہ اب تیری واپسی کا وقت ہے، دعا قبول ہو گئی ہے۔

رات کے پچھلے پہر اس نے سارنگ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

مہراب خاتون کو مسکرا کر دیکھا۔

دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی پربھات کو دعا دی اور گھر سے بغیر بتائے نکل گئی۔

رات سحر کی طرف دھیرے دھیرے کھسک رہی تھی، مرغ اذانیں دینے لگے تھے اور اندھیرے میں پرسکون سویرے کی آمیزش ہونا شروع ہو گئی تھی، یہ دعائیں قبول ہو جانے کا وقت تھا۔

☆☆☆

قبرستان کا سناٹا سننے لائق تھا۔

پو پھٹ چکی تھی، وہ کوٹھڑی کے آگے ٹھہری، یہ چاچا ضمیو کوٹھری تھی، اسے یاد آیا جب وہ اس سے پہلے آخری باران کے پاس ملنے آئی تھی، انہوں نے وعدہ وفا کرنے کا درس دیا تھا۔

چاچا ضمیو کا بیٹا درگاہ کا مجاور تھا۔

وہ قبرستان سے کچھ فاصلے پر کوٹھڑی کے باہر منجی پر بیٹھا ہوا تھا۔

''ادی کہاں جا رہی ہو؟''

''ادا، قبرستان کی طرف۔''

''یہ وقت بڑا بھاری ہوتا ہے، تجھے ڈر نہیں لگے گا؟''

''نہیں بھاؤ، ڈر کیسا، ہمیں بھی تو مٹی ہونا ہے۔''

''میں تیرے ساتھ چلوں۔''

''چل تو تیری مرضی، میں تو تنہا آئی تھی، تنہا نکلوں گی۔''

''میں فاصلے پر رہوں گا، پر چلوں گا۔''

سکھاں نے ناراض قبر کے سامنے سے گزر کر نظر چرائی تو اسے لگا کہ کوئی گھور رہی ہو اسے۔

''قبرستان کیوں بولتے ہیں؟''

''قبریں کیوں گھورتی ہیں، کسی کی موجودگی کا احساس جان کیوں لے لیتا ہے۔''

''عنایت شاہ میں نے آپ کو معاف کیا۔'' وہ روتی کہتے ہوئے۔

عنایت شاہ کی قبر سے اسے اسی جیسی فیلنگز آ رہی تھیں۔

''میں نے دیکھا بندوں کو قبروں میں ملتے ہوئے۔''

''میں نے دیکھا جیتے جاگتے انسانوں کو مٹی ہوتے ہوئے۔''

''آپ نے بھی دیکھا اور مٹی بھی ہو گئے، میں بھی مٹی ہونے والی ہوں، اس سے پہلے ایک صلح تو کر لوں، اسی قبرستان میں سونا ہے مجھے بھی عنایت سائیں۔''

''تجھ سے بڑی شکایتیں تھیں، اب تک ہیں، پر اب تجھے بخش دیں، تو بھی بخش دینا، تیری رنجش بھی بری ہے عنایت شاہ، تو بھی معاف کر دینا۔''

وہ ناراض نظروں سے دیکھتی قبروں کے درمیان چلتی ہوئی جیجی ماں کی قبر کے پاس آئی۔

''اماں جیجی، میں نے تجھے بہت یاد کیا، بہت یاد کیا، بہت ہی زیادہ یاد کر لیا۔''

''جیجی ماں سکھاں نے دشت کاٹا، سکھاں نے ہجر کاٹا، سکھاں نے تنہائی کاٹی، بس حسین کے بچوں نے مجھے سنبھالا، میں نے اسے سنبھالا، مگر جیجی ماں، سکھاں ترستی رہی دل بھر کر نہ جیا، بس عشق ایسا کیا کہ آگ بھر دی، عشق ایسا کیا سب جل گیا، عشق ایسا کیا کچھ نہ رہا، بس عشق ہی رہا۔''

وہ روتی، جیجی کے سرہانے بیٹھ کر روئی، بہت روئی، بہت ہی زیادہ روئی اور اتنا روئی کہ دل ڈھلک گیا، وہ اٹھ کر باپ کی قبر کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

☆☆☆

صبح سویرے ان کی کال دیکھ کر اسے کچھ فکر سی ہوئی تھی، حالانکہ شفیعت کو وہ بتا چکی تھی۔

''آپ کیسے ہیں؟ اتنی صبح صبح کال کی ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں، تمہارا خیال آ رہا تھا، تم خیریت سے ہو؟'' ان کا لہجہ خالی تھا کھوکھلا۔

''میں خیریت سے ہوں، آپ کیسے ہیں؟ کھانا کھا رہے ہیں؟ پربھات تم کہاں ہو؟''

''میں سارنگ کے گھر ہوں، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟ پربھات ایک چکر وہاں بھی لگا

لینا۔''
''کہاں؟'' حالانکہ وہ سمجھ گئی تھی۔
''مجھے جانے کیوں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ وہ لوگ مشکل میں ہیں۔''
''وہ لوگ مشکل میں لا سکتے ہیں دوسروں کو، خود مشکل میں ہیں یہ بات سمجھ نہیں آ رہی۔''
''پربھات ایسا ہے، وہ لوگ سالوں سے مشکلوں میں ہیں، اس گھر کا ہر فردان تمام مشکلوں سے گزرا ہے اور اس وقت تو اس گھر کے تمام افراد مشکلوں میں ہیں۔''
''تم خبر لو گی تو کیا ہو گا۔''
''میں خبر لے بھی لوں تو کون کیا بگاڑ سکتا ہے ان کا۔''
''اس گھر کا ہر فرد اپنی انا میں ایک ہے، نہ وہ کسی کا خاطر میں لاتے ہیں نہ لا سکیں گے، سچ تو یہ ہے کہ انسان پر اتنا غرور جچتا نہیں ہے۔''
''تم ٹھیک کہتی ہو پرہ، بس ٹھیک ہے تم مت لو وہاں کی خبر، بس گھر آ جانا خیریت سے۔''
''آپ خفا مت ہوں، میں رباعی سے پوچھتی ہوں، خیریت۔''
''میں کیوں خفا ہوں گا، تم اپنا خیال رکھنا۔'' وہ قدرے مایوس سے تھے، اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔
اس نے رباعی کا نمبر ڈائل کیا تھا، جو کر بند جا رہا تھا، اسے واقعی کچھ فکر سی ہوئی تھی۔
اس نے سوچا کر چلو جا کر ہی خبر لے لے کیونکہ یہاں سے یہ علاقہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔
لیکن صبح سویرے سکھاں کی عدم موجودگی نے سب کو کچھ فکر مند سا کر دیا تھا۔
پیچھے وہ ایک پیغام چھوڑ گئی تھی کہ اگر بتا کر جاتی تو جا نہ سکتی۔
''پریشان مت ہوئیے گا، جہاں ہوں محفوظ ہو۔''
''جہاں رہو گی محفوظ رہوں گی۔'' سارنگ کو فکر تو تھی، لیکن یہ چٹ پڑھ کر کچھ قرار سا آیا تھا، کہ اپنی مرضی سے گئی ہیں۔
''لیکن کہاں جا سکتی ہیں۔''
''ٹھیک ہوں گی تم فکر مت کرو سارنگ۔''
''پربھات یہ سب کیا ہو گیا ہے جو سب ہو رہا ہے۔''
''مجھے کچھ نہیں سمجھ آ رہا، پہلے یوں نکاح، پھر پھپھی اماں کا یوں چلے جانا۔''
''سارنگ! وہ مطمئن ہو کر گئی ہیں، مجھے لگتا ہے چند دن میں آ جائیں گی۔''
''تم حوصلہ رکھو سارنگ اور اپنی سوچو۔''
''وہ یوں چلی گئی اتنی اچانک، کیا چپ ہو کر بیٹھ جاؤں، انہیں ڈھونڈوں نہیں۔''
''انہیں ڈھونڈو لیکن کہاں۔''
''تم میری مدد کرو گی پربھات، اس وقت احرار کو کہنا مناسب نہیں ہے اس کی رات ہی تو شادی ہوئی ہے۔''
''ابھی تو اسے کہنا مناسب نہیں ہے، چیزل تو خدا جانے کہاں ہے، اس کی طرف سے کوئی

ریسپانس نہیں ہے۔‘‘
’’تم فکر نہ کرو میں پاس گرد میں دیکھتی ہوں، گاڑی لے کر، میں تمہارے ساتھ چلوں۔‘‘
’’اماں گھر پر اکیلی ہیں، وہ پریشان ہونگی، میں دیکھوں گی اچھے سے، تم فکر نہ کرو۔‘‘
مہراب خاتون اس کے لئے چائے پراٹھا لے آئی تھی، جو بے دلی سہی لیکن بھوک کے پریشر سے اس نے چند منٹ میں کھالیا۔
اور سامان جلدی جلدی پیک کرتے ہوئے اسے لگا کہ کچھ رہ گیا ہو۔
’’ماں جی، میرا سامان کہیں دیکھا آپ نے، شاید وہ نیلے رنگ والا دوپٹہ، جاگرز، اور بھی کچھ مسنگ لگ رہا ہے۔‘‘
’’کچھ تو یہاں بھی چھوڑ جاؤ پربھات تاکہ واپس جلدی آسکو۔‘‘ سارنگ نے وہیل چیئر باہر کی طرف لے جاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔
’’میں ویسے بھی آسکتی ہوں۔‘‘
’’نہیں سنا ہے جب کچھ چھوڑ جائیں کہیں تو بندہ پلٹ کر وہاں جاتا ہے۔‘‘
’’تمہیں ایسا لگتا ہے؟‘‘
’’نہیں پھپھی اماں نے کہا تھا کہ ایسا ہے۔‘‘
’’اگر انہوں نے ایسا کہا تھا تو کیا کبھی یوں کہا تھا کہ انہوں نے کہیں کچھ چھوڑا ہے؟‘‘
’’ہاں شاید کبھی کہا ہو۔‘‘
’’پھر یہ بھی کہا ہوگا کہ انہیں پلٹنا ہے۔‘‘
’’یہ تو بار بار کہتی تھیں کہ مجھے پلٹنا ہے۔‘‘
’’اوہ سارنگ، مجھے اندازہ ہے، وہ کہاں ہونگی۔‘‘
’’کہاں ہونگی۔‘‘ وہ دروازے سے وہیل چیئر ٹرن کرکے آگے آیا۔
’’بتاؤ پربھات وہ کہاں ہونگی۔‘‘
’’وہ بڑی حویلی تو نہیں گئیں؟‘‘
’’تمہیں لگتا ہے؟‘‘
’’شاید گئی ہوں، آج صبح ابا جی نے کال کی تھی، کہنے لگے حویلی والوں کی خبر لو وہ مشکل میں لگتے ہیں۔‘‘
’’لیکن ہمارا حویلی والوں سے کیا لینا دینا۔‘‘
’’سارنگ کنکیشن تو ہے ناں، کوئی تو لنک ہوگا۔‘‘
’’تم جاؤ پربھات، تم فکر نہ کرو، مجھے ویسے بھی جانا تھا، سوچ رہی تھی جانے کا۔‘‘ وہ آدھا ادھورا سامان لے کر نکل گئی تھی۔
سارنگ نے لمبی سانس چھوڑی۔
’’جانے ہم پھپھی ماں کا حق ادا کر پائے کہ نہیں۔‘‘
مہراب خاتون نے خاموشی سے پراٹھے کا نوالہ توڑ کر اس کے منہ میں دیا تو وہ سر جھٹک نہ

سکا۔
''آپ فکر مند نہیں ہیں اماں؟'' وہ نوالہ چبانے کے بعد حیرت سے انہیں دیکھتے کہنے لگا۔
''اللہ اسے اپنی امان میں رکھ لے، بڑا مشکل وقت دیکھا ہے اس نے۔''
سارنگ نے عجیب شکوے سے انہیں دیکھا۔
''اللہ انہیں اپنی امان میں رکھ ..... لے۔'' اس نے زیرلب دہرایا تو آنکھوں میں نمی اتر آئی، ماں کو شکوے بھری نظر سے دیکھتے سر جھکا لیا تھا، دل تھا کہ بیٹھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

''وہ سب کچھ ایسا ہی تھا، جیسے نارمل ہوتا ہے، لیکن اس نارمل میں آپ کو کچھ ایسا لگتا ہے، کہ ہونے والا ہے، ویسا جو آپ کو ہولا دے گا، کھانا لے کر گھر لوٹا شبرین کی رخصتی اور نکاح کا سنا بلکہ سامنا ہوا، یوں سادگی سے رخصتی اور اچانک ہی پھر اسی گلی میں میرا سامنا ہونا، اس کے ابا کی نظر میں غصہ تھا اور ہتاؤ۔'' شبرین نے دکھ بھری ایک نظر مجھ پر ڈالی تھی اور چند باراتیوں کے ہمراہ موڑ مڑ گئی تھی۔

''مجھے لگا یہی تھا لیکن بوجھ اترنے کا احساس بوجھ بڑھا بھی گیا۔''
''مجھے لگا بہت کچھ ناانصافی کے زمرے آ گیا، میں نے بڑی زیادتی کی ہے اس کے ساتھ اس نے ایک عرصہ میرا انتظار کیا تھا، بالآخر وہ تھک گئی اور اس نے اسٹینڈ لے لیا، میں نے سوچا اچھا کیا۔''

''لیکن ابھی اور کچھ تھا، ابھی بہت کچھ تھا احرار وہ ساری رات اماں کے ساتھ میں نے گپ شپ کی تھی، وہ ساری رات احرار، اماں بہت روئیں کہنے لگی، تم معصوم ہو چیزل دعا کرو کہ خدا مجھے بخش دے۔''

''خدا جانے تم کس کے بیٹے ہو میں تمہیں باپ کی شناخت نہ دے سکی، عقل مر گیا ہے اور حبیب بے یقین ہے، تمہیں سب کچھ اپنے لئے خود ہی کرنا ہو گا۔''
''تمہارا کوئی سہارا نہیں ہے۔''
''انہوں نے بتایا کہ میں پیدا ہوا تھا کہ تو کتنا حسین لگتا تھا، پھر انہوں نے کیسے مجھے پالا، میرے پیدا ہونے کے بعد حالات کتنے خراب ہو گئے تھے۔''
''کیسے اسکول پڑھایا، کیسے سکھایا، کیسے سمجھایا، لیکن میں خود ہی سمجھدار تھا، حساس تھا، زیادہ تنگ کرنے والا بچہ نہیں تھا، زیادہ تنگ نہیں کرتا تھا، وہ جیسی بھی تھیں میری ماں تھیں، مجھ سے محبت کرتی تھیں اور میں انہیں چھوڑ رہا تھا، انہیں یہ برداشت نہ تھا اور اس رات وہ فجر کے وقت چلی گئیں۔''

''میں نے دادن کو روکا تھا کہ کسی کو نہ بتائے، تم شہر سے باہر تھے احرار، میں تمہیں محبت میں بلانا نہیں چاہتا تھا، میں اگلے دن گھر خالی کر کے نکل آیا، میرے پاس اس مہینے کے پیسے نہیں تھے، میں آ گیا ہوں، دوست کے پاس ہوں، فی الحال فون بند رہے گا، خراب ہو گیا ہے، اخبار کے دفتر کی نوکری نے مجھے تھکا دیا تھا، میں یہاں کام ڈھونڈ لوں گا، سب ہو جائے گا احرار بس ایک بات

ممکن نہیں ہوگی اور وہ یہ کہ ماں کو میں دوبارہ دیکھ نہ سکوں گا، نہ ان سے بات کر سکوں گا، نہ ان سے معافی مانگ سکوں گا، اس رات انہوں نے لیٹتے ہوئے کہا تھا کہ بات سنو چیزل، میں نے تمہیں معاف کیا، پریشان مت ہونا، میری پیشانی پر بوسہ دیا، میں نے ان کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگایا تو پوچھنے لگیں کہ تم نے مجھے معاف کیا؟ میں نے کہا معاف کیا، تو کہنے لگیں اب سونا چاہتی ہوں، تم بیٹھے رہنا، مجھے گہری نیند آئے تو سونا، میں بیٹھا رہا، جب لگا کہ انہیں نیند آ گئی تو خود بھی لیٹا، میں نے کوئی گھنٹہ ڈیڑھ کی نیند لی ہوگی، پھر سے ماں کو دیکھا ہاتھ تھاما تو وہ ٹھنڈی اور بے دم محسوس ہوئیں، دادن کو فون کیا، ڈاکٹر آیا، ایک چنگے بھلے انسان کی موت کی تصدیق ہوگئی احرار اور یہ تھی زندگی کی پوری کہانی۔''

''بس اب خاموشی ہے، میری زندگی میں صرف میں ہوں مجھے لینا ہے تم ہمیشہ میرے ساتھ رہے ہو۔''

''تمہیں نئی زندگی مبارک لیکن جانے کیوں میرا دل کر رہا تھا کہ تم پربھات سے شادی کرتے۔''

''اس نے تو اپنی زندگی میں کوئی ہیرو نہیں رکھا، کس سے چکر بھی نہیں چلایا۔''

''کاش خود ہی چل کر کوئی ہیرو اس کی زندگی میں آ جائے۔''

''کاش کا لفظ بہت برا ہے احرار۔''

''اور میں بہت تھک گیا ہوں۔''

''میں حیدر آباد آؤں گا تو ہم ملیں گے، لیکن ابھی کچھ وقت کے لئے نہیں، میں کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا، نہ تمہارا، نہ پربھات کا اور نہ ہی پرانی یادوں کا، میں کچھ وقت کے لئے سب کچھ بھلا دینا چاہتا ہوں، مجھے سارنگ کی کال بھی آئی تھی۔''

''اسے کہنا اپنا علاج ضرور کرائے، میں کچھ عرصے بعد اس سے بات کروں گا، فی الحال تھک گیا ہوں، نیند آ رہی ہے احرار، سونا چاہتا ہوں۔'' احرار نے میل بوکس میں اس پیغام کی آخری سطر کے بعد خالی اسپیس کو دیکھا اور میل کچھ سوچنے کے بعد پربھات اور حبیب شاہ کو بھیج دی۔

وہ چاہتا تھا کہ چیزل کا یہ پیغام انہیں ضرور پڑھنا چاہیے، سندس چائے لے کر آ رہی تھی، اس نے اپنی آنکھوں میں آئے نمی کے ہلکورے بہنے دیئے۔

''وہ سوال نہیں کرتی تھی، اس نے کیا بھی نہیں۔''

''چائے کا کپ رکھ کر خود فاصلے پر جا بیٹھی تھی۔''

وہ کچھ لمحے چپ رہا اسی سوچ میں، پھر اٹھ کر اس کے برابر جا بیٹھا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔

سندس اس کی ہر ایک بات کو توجہ سے سنتی تھی اور ہر ایک بات کا ریسپانس کرتی تھی۔

جو وہ کہتا بلا چوں چراں کیسے مان لیتی تھی۔

اس نے اپنے گھر میں ماں باپ کو ہمیشہ الجھتے دیکھا تھا اگر الجھن نہ بھی ہوتی تو ایک تناؤ کی کیفیت ہمیشہ ہی ہوتی تھی۔

اس نے سوچا تھا جب بھی اس کی شادی ہو گی شاید اسی طرح کی کیفیت رہے، لیکن اس سے قدرے مختلف تھا۔

اس قدر پرسکون ماحول تھا۔

یہ ابتدا تھی اس رشتے کی۔

☆☆☆

زندگی عجب قسم سے پیچ و خم سے ہوتی ہوئی جاتی ہے اور کہیں کہیں لگتا ہے کہ یہ رک گئی، تھم گئی، اور ٹھہر گئی ہے، سانسیں ٹھہر گئیں ہوں جیسے، وہ قبرستان کے نزدیک سے گزر رہی تھی اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ یہاں سے گزرے اور ٹھہرے نہیں، قبرستان اسے ہمیشہ روک لیتا تھا، وہ تھم جاتی تھی، خصوصاً حویلی کا قبرستان، آبائی مکینوں کے مکان، ساری حویلی تو اس مکان میں تبدیل ہو گئی تھی۔

بھتیجا کون تھا باقی، اکا دکا ایک شمع ایک فیروز ایک حبیب اور وہ لوگ جو کبھی رہے ہی نہیں یہاں پر، اس نے سوچا یہاں سے ہو کر پھر حویلی جائے، ویسے بھی سکھاں ہو سکتا ہے ادھر سے گزری ہو یا آئی ہو، اتنی دیر تک وہ شمع کی موجودگی میں وہاں رہے یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا بھلا۔

وہ قبرستان کی طرف آئی، گاڑی روکی، اسے یہ بھی احساس تھا کہ سارنگ انتظار کر رہا ہو گا۔

وہ نیچے اتری گاڑی سے تو ایک آدمی اس طرف آتا ہوا دکھائی دیا، وہ نزدیک سے گزری تو آدمی رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''پٹ...... (بیٹا) تو قبرستان ویندی پی اے؟ (تم قبرستان جا رہی ہو)۔''

''جی چاچا میں ذرا ملنے آئی ہوں اپنوں سے۔''

''تو کون ہے پٹ؟''

''میں حبیب شاہ کی بیٹی ہوں۔''

''ارے دھی، تو حبیب شاہ کی بیٹی ہے، ماشاءاللہ، تو کتنی بڑی ہے، میں نے تجھے دیکھا نہیں پہلے، حبیب سائیں کیسا ہے؟ سال ہوئے صدیاں ہوئیں۔''

''آپ کیسے ہیں؟ ان کے خاندانی جاننے والے ہیں؟''

''ہم تو در کے خادم ہیں ان کے، میں چاچا ضمیو کا پٹ ہوں۔''

''ارے واہ، آپ بھی کمہار ہونگے پھر۔''

''جی رانی اماں ہم ذات کے کمہار ہیں، کام کے بھی کمہار ہیں۔''

''برتن بناتے ہونگے آپ لوگ۔''

''جی دھی اماں بناتے ہیں برتن۔''

''میں دیکھوں گی کسی وقت آ کر، ابھی حویلی جانا ہے۔''

''حویلی پر تو قہر ٹوٹ پڑا ہے جیجی ماں۔''

''اللہ خیر کرے کیا ہوا؟'' وہ ہول گئی۔

''بس اماں جیجی، کیا بتاؤں، کون ہے وہ خبیث آدمی کہا تھا، مگر پٹ گھٹی میں بڑا شور تھا، فیروز سائیں نے اس پر گولی چلا دی، گھر والی کو دھکے دے کر نکالا، اماں جیجی کیا بتاؤں ہم تو خاک ہیں،

پھر لگتا ہے حویلی کو بددعا کھا گئی۔''
''یا اللہ رحم۔'' وہ وہیں سے قبرستان میں جانے کا ارادہ موقوف کر کے دروازے سے لوٹ گئی اور گاڑی میں جا بیٹھی۔
''اماں جیجی دھیان سے جایئے گا، سائیں فیروز غصے میں ہوگا، آدمی پیچھے آیا تھا گاڑی تک۔''
''جی چاچا شکریہ۔'' وہ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی اور رخ حویلی کی طرف موڑ دیا گاڑی کا۔

☆☆☆

''اسے حق دینا چاہتا ہوں اس کا۔''
''اگر بیٹا ہے تو حق سمجھ کر اور اگر نہیں بھی تو اس کی ماں کی مہربانیوں کا قرض سمجھ کر، بس میں اسے ڈھونڈنا چاہتا ہوں احرار، مجھے بتاؤ وہ کہاں گیا ہوگا۔''
''تمہیں کچھ تو اندازہ ہونا چاہیے۔''
''میں دادن سے پوچھتا ہوں، اس کا نمبر بھی بند جا رہا ہے، میں چلا جاتا ہوں، یہ بتاؤ کہ دادن کہاں رہتا ہے؟''
''دادن اسی محلے میں رہتا ہے، لیکن آپ ٹھہریں، میں آجاؤں گا مل کر چلیں گے۔''
''میں تو تمہاری اور بہو کی دعوت کرنا چاہتا تھا احرار لیکن ذہن ایسا الجھا ہے کہ مت پوچھو۔''
''آپ فکر نہ کریں میں آپ کی بہو کو آپ کے پاس ملنے لے آؤں گا۔''
''تم خوش تو ہونا احرار۔'' انہیں اچانک خیال آیا تھا، وہ ہنس پڑا تھا۔
''میں خوش ہوں آپ فکر نہ کریں، بس دعا کریں، بہت دعا کی ضرورت ہے۔''
''تم اداس ہو گیا؟''
''نہیں تو بس یونہی کہا، دل تھوڑا ڈرا ہوا ہے کل سے جانے کیوں۔''
''تم نے چیزل کی فکر رکھی ہے؟''
''شاید وہی، خیر میں کرتا ہوں سرکال، اباجی کی ذرا خبر لوں جانے کہاں ہیں۔''
''اچھا اچھا ٹھیک ہے، تم فکر نہ کرو، میں جاتا ہوں خود ہی، بلکہ نعمان کو لے لوں گا۔'' انہوں نے جاتے ہوئے راستے میں نعمان کو کال کی اور اسے گھر سے پک کر لیا۔
وہ آج کل ڈبل ڈیوٹی نہیں لے رہا تھا۔
''کیا ہوا ہے، ٹھیک تو ہو ناں۔''
''جی ٹھیک ہوں۔''
''لگ تو نہیں رہے مجھے۔''
''بس تھوڑا تھک گیا تھا تو سوچا گھر پر رہ کر آرام کرلوں۔''
''اچھا کیا، شفیعت سے رابطہ ہے؟''
''ہم...... جی۔''
''جھوٹ مت بولو نومی۔''
''رابطہ کر کے کیا کروں۔''

''اس نے کیا؟''
''نہیں۔''
''ایک بار بھی نہیں؟''
''ایک بار بھی نہیں۔'' وہ جیسے رونے والا ہو گیا۔
''پلیز آپ اسے کچھ مت کہیے گا۔''
''نہیں کہوں گا، لیکن اسے کرنا چاہیے تھا۔''
''تم کر لو۔''
''کچھ دن ٹھہر جاتا ہوں۔''
''پریشان رہو گے اتنے دن پھر۔''
''وہ تو رہوں گا۔''
''تم بہت اچھے ہو نومی، اسے چاہیے تھا وہ تمہاری قدر کرتی۔''
''میں بہت اچھا تھا بس اس پر تھوڑی زیادتی کر لی، تھوڑی زبردستی کر لی۔''
''جلدی کر لی ہے۔''
''بس پھر اب عقل آ گئی ہے ناں؟''
''لیکن اب وہ نہیں ہے۔''
''وہ آ جائے گی نعمان۔'' ان کی بات پر اس نے لمبی سانس لی تھی۔
''تم فکر نہ کرو میری جان، وہ خود ڈرائیو کر رہے تھے۔''
نعمان نے نوٹ کیا وہ پریشان تو تھے لیکن خود کو سمیٹا ہوا تھا، تھوڑی ہمت آ گئی تھی ان میں۔
''آپ اپنا خیال رکھیں، ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے۔'' وہ ہنس پڑے۔
''میں بس قرضے چکانے کے لئے ٹھہر گیا ہوں، سوچتا ہوں اپنے تمام قرضے چکا کر مروں گا۔''
''آپ کو خدا سلامت رکھے۔''
''تم لوگوں کو سلامتی کی زیادہ ضرورت ہے، مجھے خدا جب تک رکھے بس صحت سے رکھے تھکا دیا تھا، بیماری نے مجھے۔'' وہ پہنچ چکے تھے۔
''نیچے اترو، دادن نامی آدمی کو لے آؤ ڈھونڈ کر۔''
''خیریت ہے ناں، اغواء تو نہیں کرنا اس بیچارے کو۔'' وہ ہنس پڑے۔
''یہی سمجھ لو بس لے آؤ۔''
''اچھا دیکھتا ہوں۔'' وہ مسکراتا ہوا نیچے اتر گیا۔
انہوں نے فون اٹھایا، شفیعت کا چیٹ باکس کھولا۔
''بیٹی میں نعمان کے ساتھ ہوں، وہ تمہیں بہت مس کر رہا ہے، اس کی آنکھوں میں تمہارے ذکر پہ نمی آ جاتی ہے، شفیعت کو گھل رہا ہے، اندر سے، لڑکا ختم ہو جائے گا تم اس سے محبت کرو نہ کرو، اس کی وفا کی قدر تو کرو یار بے وفا نہیں ہے وہ، تمہیں یقین کرنا چاہیے کہ وہ بے وفا نہیں ہے۔''

''لیکن اتنا ضرور پتا ہے کہ یار تم بے وفائی کر رہی ہو۔''

''کرنا نہیں چاہیے بے وفائی، حال پوچھنے میں، فون کرنے میں کیا ہرج ہے یار، تمہارے دو منٹ جائیں گے اور اس کے دو دن بہتر ہو جائیں گے۔''

انہوں نے وائز میسج سینڈ کیا اور جیسے کچھ ہلکے ہو گئے۔

دادن نے بڑی مشکل سے پتا بتایا تھا، وہ شہر جہاں سے آٹھ گھنٹے کی ڈرائیو پر تھا، انہوں نے دادن سے ساتھ چلنے کی درخواست کی تھی، گھر وہ بند کر کے آئے تھے، ملازم کی چھٹی کر دی تھی ایک دن کی۔

دادن کو لے کر وہ قریبی ہوٹل گئے، کھانا کھایا اور دوا لے کر ڈرائیونگ سیٹ نعمان کے حوالے کر کے خود پیچھے جا بیٹھے سونے کے لئے۔

نعمان اور دادن کو آپس میں بات چیت کرتے دیکھ کر انہیں تسلی سی ہوئی کہ اب ان کا سفر بور نہیں گزرے گا اور تب تک وہ ایک دو گھنٹہ سو کر ذرا فریش ہو لیں، وہ نیند جو بیس پچیس منٹ میں گہری ہو گئی، ساڑھے تین چار گھنٹے تک گہری رہی، وہ چار گھنٹے بعد ہشاش بشاش ہو کر اٹھے، گاڑی روک کر ایک ڈھابے پر چائے پی، کپڑوں کا جوڑا ایک گاڑی میں رکھا تھا، فریش ہو آئے۔

شام تھوڑی ٹھنڈی ہو گئی تھی، نومبر اپنے ہلکے خنک اور سرد ہوتے ماحول سے بچ رہا تھا۔

وہ چائے پینے کے بعد آگے کے سفر کے لئے روانہ ہو گئے تھے، انہوں نے آج دل ہی دل میں سے بہت باتیں کیں تھیں، انہیں لگا وہ چیزل کو کوئی سکھ دے کر اس کا قرضہ کچھ تو اتار سکتے ہیں۔

چیزل انہیں مکان پر ہی مل گیا تھا، پہلے ناراض نظروں سے دادن کو دیکھا، لیکن جب انہوں نے اسے آگے بڑھ کر گلے لگایا اور بھینچ لیا تھا وہ خود بھی رو پڑے اور یہ بھی رو پڑا۔

''میری ماں مر گئی ہے، میں مر گیا ہوں۔''

''میں بھی کئی بار مرا ہوں چیزل، لیکن خدا تجھے مرنے سے بچائے شال، تو زندہ رہے۔''

☆☆☆

اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ پہلے رباعی کے گھر جائے یا شمع کے پاس وہ اوطاق کے احاطے میں گاڑی کھڑی کر کے بھاگم بھاگ بڑی حویلی پہنچی تھی جہاں سے عورتوں کا شور آ رہا تھا۔

وہ دو تین عورتوں کو ہٹا کر آگے گئی تو ٹھٹکا تھا عورتوں کا کیا ہوا۔

''کیا ہو گیا ہے ہٹو پیچھے۔''

''جیجی بے ہوش ہو گئی ہیں، ہوش میں نہیں آ رہیں۔'' بھاگی ملازمہ شمع بی بی پر پانی کے چھینٹے ڈال رہی تھی۔

وہ سرعت سے آگے بڑھی تھی چارپائی سے نیچے ڈھلکتی گردن، بے ہوشی کے عالم میں، دانت بھینچے ہوئے اور جسم جیسے ٹھنڈا سا پڑتا ہوا تھا۔

''جلدی کرو تم ان کے دو تین جوڑے اور دوائیوں کے سیمپل پرچے نکال لو بس دو منٹ میں دیر مت کرنا۔'' اس نے بھاگی کو تیزی سے کہا اور دوسری عورتوں کی مدد کے لئے کہا، وہ سب چادر

ڈال کر گاڑی تک چارپائی لے گئیں اور پربھات نے ان کی مدد سے شمع بی بی کو پچھلی سیٹ پر لٹایا، بھاگی دوڑ کر جلدی میں ایک تھیلے میں دو جوڑے، چادریں اور دوائیوں کا باکس اور پرچہ لے آئی تھی، خود بھی ہانپ رہی تھی، اس نے بھاگی کو پیچھے بیٹھنے کو کہا اور خود آگے بیٹھ گئی، ڈرائیونگ سیٹ پر، اس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی تھی بھاگی مسلسل روئے جارہی تھی۔

''چپ کرو، انہیں ڈاکٹر کے پاس لیے جارہے ہیں، خدا کے لئے رونا دھونا بند کرو۔'' اس نے سختی سے ڈانٹا تو وہ سسکتی ہوئی چپ ہوئی تھی۔

''ہوا کیا تھا انہیں۔'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھادی۔

''فیروز سائیں نے کسی آدمی کو گولی ماردی، انہیں پولیس حویلی کے اندر آکر پکڑ کرلے گئی اور بی بی روتے ہوئے گر پڑیں تو تب سے بے ہوش ہیں۔''

''نبض تو چل رہی ہے، ان کی مدھم ہے لیکن، خیر خدا کرے گا آجائے گا ہوش۔''

''رباعی کو گھر سے نکال دیا اس نے؟''

''جی نکال دیا۔''

''آدمی زندہ بچ گیا یا مر گیا ہے۔''

''پتا نہیں جیجی بس ہسپتال تو لے گئے تھے، لوگ تو کہہ رہے تھے کہ مرم جائے گا، تڑپ رہا تھا، شاید راستے میں نہ مر گیا ہو، تبھی تو آئی پولیس۔''

''فیروز سائیں تو شمع جیجی کے پاس آچھپے تھے لیکن پولیس تو اندر آکر لے گئی، کبھی کوئی غیر مرد آیا نہیں حویلی یہ کیسی قیامت ہے بی بی کہ اب ہم ایسے گھر سے جارہے ہیں۔''

''اچھا بس کرو اب، چپ رہو انہیں سنبھالو، ہمیں ہسپتال پہنچنا ہے۔''

اس نے سفیعت کا نمبر ملایا تاکہ اس سے کچھ مشورہ لے سکے جو بند تھا، پھر احرار کا ملایا وہ بھی بند تھا، اب کس کا ملاتی اس نے سوچتے ہوئے ڈاکٹر نعمان کا ملایا جو بزی جارہا تھا۔

پھر اس نے روبی کو فون کیا تو اس نے اسی وقت لے لیا اسے جلدی ہسپتال پہنچنے کا کہہ، اس نے نعمان کا ٹیکسٹ دیکھا کہ وہ دور نکلا ہوا ہے حبیب کے ساتھ ایک طرح سے تو تسلی ہوئی کہ وہ اس کے ساتھ تھے لیکن دوسری طرح سے یہ فکر بھی کہ جانے کہاں اور کیوں گئے ہیں، مگر اس وقت اس فکر سے زیادہ کچھ اور فکریں تھیں۔

اس نے نعمان کو میسج چھوڑا کہ دوست کی ماں کو جلدی میں بے ہوشی کی حالت میں ہسپتال لے جارہی ہے وہاں فون کردے کسی دوست ڈاکٹر کو۔

نعمان نے ڈاکٹر کو فون کرنے کے بعد اسے کال کی پیچھے سے حبیب کی آواز آرہی تھی، اس نے جان کر شمع کا نہیں بتایا کہ جانے وہ کیا سوچیں یا سفر کرنا مشکل ہو جائے، نعمان کو ذرا مطمئن کر کے وہ فوراً وہاں پہنچنا چاہتی تھی، راستے میں یہ سوچ بھی آئی کہ سارنگ کو کال کرے لیکن اس وقت ہر کسی کو مکمل ڈیٹیل دینا اور پھر یہ بتانا کہ سکھاں نہیں ملی، سوالوں کے جواب دینے سے سخت الجھن ہو رہی تھی، حالانکہ خیال رباعی کی طرف بھی جارہا تھا کہ اس پر کیا بیتی ہوگی اور پھر وہ آدمی جو گھر تک ناجانے کیا، کون تھا، کہاں تک آگیا تھا کہ فیروز اتنا مشتعل ہوا، رباعی نے کیا کہا ہوگا، کیسے

بچاؤ لیا ہوگا کیسے وہ پریشان ہوئی ہوگی۔
ساری باتیں سارے سوال اپنی جگہ لیکن اس لمحے اس کی فقط یہ خواہش تھی کہ کاش شمع کو کچھ نہ ہو وہ بچ جائیں۔
اس کے پہنچتے ہی ڈاکٹرز نے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا، انہیں فوراً ایمرجنسی میں لے گئے تھے۔
وہ ہسپتال کے باہر کاریڈور میں وسوسوں اور پریشان کن سوالوں میں گھری بیٹھی تھی۔
وہ باہر بیٹھا تھا کہ شفیعت کی کال آ گئی۔
''کیسی ہو؟''
''تم کیسے ہو؟'' لہجہ اکڑا ہوا خفا سا۔
''ٹھیک ہوں، تم ٹھیک ہوناں؟'' وہ فکر مند سا تھا۔
''شکریہ تمہارا، بہت شوق ہے تمہیں لوگوں کے سامنے اچھا بننے کا، ہمدردیاں بٹورنے کا۔''
''کیا مطلب؟'' وہ مسکرا اٹھا تھا۔
''مطلب صاف ہے، تم بچے نہیں ہو، بہرحال تمہیں یہ بتاؤں کہ سارنگ کی شادی ہو گئی ہے۔''
''اچھا...... چھا۔'' اس نے مسکراہٹ کو ہنسی میں بدلنے سے روکا تھا۔
''ویسے یہ مبارک دینی تمہیں چاہیے، تمہیں بھی مبارک ہو۔''
''بہت شکریہ، دل جلانے کا، بہرحال ہمدردیاں بٹورنا بند کرو۔''
''تمہیں کس نے کیا کہا ہے بتاؤ؟''
''مجھے سب نے تو میسج کر دیا ہے، سب سے تو کروایا ہے تم نے۔''
''میں نے کہا تو کسی کو نہیں ہے۔''
''پلیز نعمان حد کر دی ہے تم نے۔''
''اور تم نے؟''
''میں نے الجھنے کے لئے فون نہیں کیا۔''
''تو پھر کس لئے کیا ہے؟''
''نعمان میں واپس آ رہی ہوں۔''
''اچھا...... تمہاری مہربانی، دھمکانے کے لئے فون کیا ہے؟''
''جو سمجھو، بہرحال میں نے سارنگ کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں لیا تھا۔''
''پھر کیوں لیا تھا؟''
''تمہاری وجہ سے۔''
''میری وجہ سے؟ مطلب۔''
''مطلب تمہارے بچپنے کی وجہ سے، میں اگر تمہیں خوش نہیں کر سکی تو ساتھ رہنے کی سزا کیوں دوں۔''
''اچھا...... یہ تم نے اکیلے اکیلے سوچ لیا تھا۔''

''ہاں تم نے اس کے لئے مجھے مجبور کیا، بہر حال رکھتی ہوں۔''

''مطلب تم نے مجھے یہ تین باتیں بتانے کے لئے فون کیا ہے، ایک یہ کہ سارنگ کی شادی ہو گئی ہے، دوسرا یہ کہ میں ہمدردیاں نہ بٹوروں اور تیسرا یہ کہ تم واپس نہیں آ رہیں، یہی ناں۔''

''ہاں شاید یہی۔''

''ٹھیک ہے کچھ اور کہنا ہے؟''

''نہیں ضرورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے پھر خدا تمہیں اپنی امان میں رکھے جہاں چاہے رہو لیکن خوش رہو۔''

''دعائیں نہیں چاہیں مجھے تمہاری۔''

''اچھا'' وہ ہنس پڑا۔

''اچھا۔''

''اللہ حافظ۔'' اس نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

وہ تھوڑی دیر بعد باہر آئے تھے۔

''کیسی بات ہوئی چیزل سے؟''

''چیزل کو قائل کر رہا ہوں، لیکن نہیں مان رہا۔''

''میں اسے پراپرٹی میں بھی حصہ دینا چاہتا ہوں، لیکن وہ نہیں مان رہا۔''

''کیا کہتا ہے؟''

''کیا کہہ سکتا ہے، یہی کہ بے شناخت ہوں، کسی کے پاس میرا کوئی حصہ نہیں رہتا، پیسے بھی نہیں لے رہا، کیا کروں، تم سمجھاؤ اسے۔''

''دادن ہے اس کا دوست، اسے کہیں، میرے خیال سے اب چلنا چاہیے ہمیں۔''

''تم تھک گئے ہو؟''

''نہیں پربھات کی فکر ہو رہی ہے۔''

''خیریت ہے؟''

''کسی دوست کی مدد کو ہسپتال لے گئی ہے ایمرجنسی میں۔''

''ایک تو یہ لڑکی کبھی چین سے نہیں بیٹھی ہے۔''

''کون دوست ہے، وہ گئی تو سارنگ کے پاس تھی۔''

''پتا نہیں پوچھا نہیں میں نے، اس سے، جلدی میں اس نے بھی نہیں بتایا، لیکن ہسپتال فون کر دیا تھا میں نے۔''

''اچھا چلتے ہیں، تم ابھی پربھات سے بات کر رہے تھے؟''

''نہیں ابھی تو شفیعت تھی۔''

''اچھا شکر ہے۔''

''کیا بات ہوئی؟''

''دھمکی دینے کے لئے فون کیا تھا کہ نہیں آئے گی۔''

''اچھا تم نے استفسار نہیں کیا؟''

''ایسے حالات نہیں ہمارے درمیان اب۔''

''اوہ...... اللہ بہتری کرے گا۔''

''بالکل اگر اللہ کے بندے چاہیں گے تو ہی۔''

''بہرحال پھر چیزل کا کیا کرنا ہے۔''

''دادن اسے کہہ رہا ہے کہ ڈی این اے کروالو، اگر ان کے بیٹے نکلے تو لینا، ورنہ مت لینا۔''

''یہ تو ٹھیک مشورہ ہے۔''

''نعمان وہ ذہنی اضطراب سے گزر رہا ہے اس وقت۔''

''جو بھی ہے لیکن فیصلہ اچھا ہے۔''

''بہرحال دادن کو میں نے پیسے دیئے ہیں کچھ اور اسے کہا ہے کہ ایک دو روز اس کے ساتھ رہے۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے ویسے۔''

''پھر چلیں ہم۔''

''ہاں چلیں۔''

''تم مایوس مت ہونا نعمان۔''

''ابا جی، پلیز آئندہ سفیعت کو میر سفارش مت کیجئے گا، بہت گر چکا ہوں میں اپنی اور اس کی نظروں میں۔''

''اچھا...... چلو...... مرضی ہے اس کی، کرے نادانی۔''

''محمود کیا پہلے کم تھا کہ یہ بھی ہوگئی ایسی۔''

''خیر...... نکلو...... میں چیزل کو خدا حافظ کہہ آؤں۔'' وہ اندر گئے اور تب تک یہ گاڑی اسٹارٹ کیے منتظر تھا۔

باہر نکلے تو چیزل ان کے ساتھ تھا اور دادن بھی، وہ ذرا مطمئن ہوا لیکن چیزل کے چہرے پر پھیلا اضطراب اور شرمندگی کے ملتے جلتے تاثر تھے۔

''میں ٹیسٹ کرواؤں گا، میں بے شناخت مرنا نہیں چاہتا۔''

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا سہا ہوا، افسردہ سا بچہ لگ رہا تھا، نعمان نے اس سے پہلے اتفاقی طور پر جب بھی اس سے ملا تھا اسے موبر اور سلجھا ہوا سمجھدار پایا تھا۔

اس صورتحال نے اسے نڈھال اور مایوس سا کر دیا تھا حالانکہ تھکا ہوا تو وہ خود بھی تھا، خصوصاً شفیعت کے رویے کی وجہ سے، لیکن آج اتنے دنوں بعد اس کی آواز سن کر اسے کچھ تسلی تو ہوئی ہی تھی کہ وہ خود ٹھیک ہے۔

چاہے اپنی انا میں گھل رہی ہے، لیکن کچھ مضبوط ہے۔

وہ اس کی پرانی باتیں، ادائیں یاد کر کر کے مدھم مسکرائے جا رہا تھا۔

(آخری قسط اگلے ماہ)

جنگ بقا

اختر الیاس



دنیا میں انسان سے بڑا سروائیول کوئی نہیں سائنسی اور سماجی علوم کے ماہر ڈارون نے کہا تھا کہ ”زندگی سروائیول کی جدوجہد کا نام ہے، جانداروں کی ہر نوع خود کو بچانے کے لئے لڑ رہی ہے اس نے کہا تھا کہ وہی بچ رہتا ہے جو فٹسٹ ہے اور فٹسٹ کا مطلب ہے وہی بچا رہتا ہے جو جنگ میں کامیاب ہے۔“ اب وقت یہ ہے کہ انسان سروائیول کی جنگ جیت چکا ہے سوال یہ ہے کہ؟ کیا انسان سچ میں یہ جنگ جیت چکا ہے؟ ڈائس کے پیچھے کھڑے پروفیسر عبدالرحمٰن کی بھاری آواز اس سناٹے بھری کلاس میں گونج گونج کر ایک دم ٹھہری خاموشی اس قدر تھی کہ ڈیڑھ سو سے زائد موجود لڑکے اور لڑکیوں کی موجودگی میں ہال میں سوئی گرنے کی آواز تک نہ تھی ہر ایک کی نظریں پروفیسر عبدالرحمٰن پر ٹکی تھیں پھر ہال میں ایک ہلچل سی مچی گردنیں اِدھر اُدھر مڑی، مگر ایک دوسرے کی طرح دیکھا قطار در قطار لگی کرسیوں پر کالج سے لے کر یونیورسٹی لیول کے طلباء بیٹھے تھے مگر جواب کسی کے پاس نہ تھا، پروفیسر صاحب نے ایک طائرانہ نظر پورے ہال میں ڈالی، آپ کی نظر میں مذہب کیا ہے؟ ان کی بات کے اختتام پر پورے ہال میں پھر سے شور اٹھا چند ایک نے پنسل سمیت ہاتھ کھڑے کیے۔

اچھائی کا راستہ؟

کامیابی کی امید؟

بھانت بھانت کے طلباء نے خوشی سے مسکراتا چہرہ لئے اپنے الفاظ کا جادو جگایا تو پروفیسر صاحب دھیرے سے ہنس دیئے وائٹ شرٹ اور بلیک پینٹ پہنے آنکھوں پر نفیس سا چشمہ لگائے ان کا چہرہ پرنور تھا ماتھے پر بنا محراب مقابل کی نظروں پھر سے اٹھانے پر مجبور کرتا۔

”جس دین سے ہمارا تعلق ہے وہ ایک مکمل دین ہے جس پر عمل ہمیں سر سے پاؤں، ظاہر اور باطن سمیت اصل شخصی حالت میں ڈھالتا ہے، تو کیا آپ میں سے کوئی بھی اپنے اپنے الفاظ کی ادائیگی کو دل سے تسلیم کرتا ہے؟ اب میں اپنی پہلی بات کی طرف آتا ہوں انسان نے سروائیول کی جنگ میں مذہب کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے، اسے لگتا ہے کہ اس مشینی زندگی میں وقت گزارتے وہ سب سے بڑا کامیاب ہے، وہ پلک جھپکتے کچھ بھی کر سکتا ہے، تو یہ اس کا وہم ہے کیا آپ سب کے لئے اپنے مذہب کے اصل رنگ میں پلٹنا آسان ہے؟ کیا آپ اپنے سامنے رکھے اس لیپ ٹاپ اور جیب میں رکھے موبائل کو ہمیشہ کے لئے میرے حوالے کر سکتے ہیں؟“ پروفیسر کی بات پر تمام طلباء کے چہروں کا رنگ اڑا اور ہاتھ پینٹ کی جیبوں سے چمٹا گویا کوئی عزیز ترین چیز کھو جانے کا ڈر ہو، پروفیسر صاحب کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”کیا آپ میں سے کوئی شلوار قمیض زیب تن کیے گھنٹوں مسجد میں گزار سکتا ہے؟ ممکن یہی ہے کہ آپ سب کے لئے یہ سب سوچ کسی بھیانک خواب سے کم نہیں تو پھر یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آپ کا یقین آپ کو دھوکہ دے رہا ہے کہ آپ خام خیالی سے روشن خیالی کی جانب سفر طے کر رہے ہیں، آپ مذہب کو چھوڑ کر روشن خیال بن رہے ہیں آپ نے مذہب کو ایک پہچان کے طور پر خود سے جوڑ رکھا ہے کبھی آپ نے غور کیا جب آپ پیدا ہوتے ہیں تو آپ کا وجود بہت چھوٹا اور ناکارہ ہوتا ہے وہ عمر کے مراحل کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہے، بدلتی کیا ہے؟ آپ کی پہچان جو آپ سوچتے ہیں وہ سوچ خود بخود آپ کا عمل بن جاتی ہے اور آپ کا عمل آپ کی پہچان یہاں بیٹھے آپ سب کے ذہنوں میں بہت سے خیالات

موجود ہیں آپ کی سب سے بڑی سوچ یہ ہے کہ آپ کا کیا بنے گا؟ جب آپ اپنی سوچ پر عمل پیرا ہونگے تو وہ آپ کی پہچان بن جائے گی اس وقت آپ کی سوچ تو بالکل مذہبی نہیں اگر میری باتوں کے بعد آپ کچھ سوچنا بھی چاہے تو وہی جو آپ کے لئے دنیاوی حساب سے سود مند ٹھہرے گا، تو یہ تھا انسانی نقطہ نظر اب اگر ہم اسے اپنے مذہب اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو۔'' وہ اپنی بات کو درمیان میں چھوڑے ذرا دیر کو رکے تو پورے ہال میں جیسے کوطلسم ٹوٹا طلباء نے تجسس سے ان کی طرف دیکھا جو اب گہرے گہرے سانس لیتے خود کو پھر سے اتنی ہی دیر بولنے کے لئے تیار کر رہے تھے، بڑھتی عمر کے باوجود ان کی آواز لہجے میں جوش ہوتا ملک کے نامور مذہبی اسکالر بننے کے باوجود بھی ان میں اور بہت کچھ جان لینے کی پیاس کم نہ ہوئی کسی بھی دو دراز علاقے میں ہونے والے مخصوص ادبی وعلمی اجتماع میں شرکت کے لئے ہمیشہ پیش پیش رہتے اگر وہ کسی کالج یا یونیورسٹی کے سیمینار ہال میں لیکچر دیتے تو ایسی کوئی کرسی نہ ہوتی جو خالی ہوتی لگی بندھی پڑھائی والے طلباء بھی انہیں روبرو دیکھ کر دم سادھے پوری توجہ سے ان کی آواز سنتے اب بھی تمام طلباء ہاتھوں میں قلم تھامے شفاف کورے کاغذ پر ان کے الفاظ رقم کرتے چلے جا رہے تھے، ان اس خاموشی کا لمحہ بہت قیمتی ہوتا وہ طلباء کی رائے لینا چاہتے تھے ماتھے سے رومال سے پسینہ صاف کرتے وہ اس انتظار میں تھے، کوئی بھی اٹھ کر ان سے کسی بھی نقطے کو اٹھا کر اختلاف رائے رکھتا مگر ہال میں موجود لڑکے اور لڑکیاں خاموش نظروں سے ان کے دوبارہ بولنے کے منتظر رہے۔

''آپ سب نے پڑھ رکھا ہوگا علم تین طریقوں سے حاصل کیا جاتا ہے، ادراک، کسی دوسرے سے جان کر اور تیسرا وحی کے ذریعے ادراک کیا ہے؟ یہ آپ کی سوچ ہے جو آپ کو ایسی جگہ لے جاتی ہے کہ آپ کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ایسے ہوا تھا؟ ایسے ہوا ہے دوسرا وہ جو آپ مجھ سے جان رہے ہیں اور تیسرا وحی جو قرآن مجید کی صورت ہمارے پاس معجزہ ہے، یہاں ادرک کاشش و پنج ختم ہو جاتا ہے، جو معجزہ ہمارے پاس ہے یہاں ہمیں ضرورت تفکر و تدبر کی ہے اور پھر وہ ہے جو حقیقت ہے جب میں نے قرآن مجید کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو واضح کردہ الفاظ کے کئی مفہوم نکلے احساس ہوا کہ انسان پر جو بقا کی جنگ جیت جانے کی دھن سوار ہے وہ تو صرف سراب ہے انسان کی جدوجہد کی حقیقت نے مجھے خوف میں مبتلا کر ڈالا خوف اس قدر تھا کہ میں دنوں تک کتاب کو ہاتھ لگائے بغیر ڈپریشن میں رہنے لگا اور دیر تک رہا میں انسان ہوں اور کس لئے ہوں اس کی اصل حقیقت کو میں نے تسلیم کر ہی لیا کہ یہ کتاب ڈرانے والی اور خوشخبری سنانے والی ہے یہ ہمارے رویوں پر گرفت کرتی ہے اور رویوں پر ہی گہرا اثر انداز ہوتی ہے یہ الگ سے موضوع ہے میں اس کو یہی ختم کرتا ہوں، قرآن مجید میں بہت سی قوموں کے عروج و زوال کے قصے رقم ہیں۔'' پروفیسر صاحب کی پر جوش آواز آہستہ آہستہ مدھم ہوتی حلق میں ہی کہیں دب گئی آواز بوجھل سی تھی جیسے وہ مزید بولنے کے لئے ہمت مجمع کر رہے ہوں سامع بنے طلباء کے ہاتھوں میں تھامی قلم کپکپانے سی لگی سر پر اسکارف اوڑھے لڑکیوں کی آنکھیں آنسوؤں کے باعث دھندلا سی گئیں، ناک کے راستے گہری سانس کھینچتے انہوں نے دوبارہ بات کا آغاز کیا بولے تو لہجہ پرسکون تھا۔

"اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو کوئی نہ کوئی صلاحیت سے نوازا ہے، مضبوط دیو قامت، پہاڑوں پر گھر بنانے والے، خود کو خدا تسلیم کرنے والے، فانی چیزوں کی پرستش کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی ذات سے انکار اور انبیاء کرام کو جھٹلانے والے وہ کون تھے آخر ہماری طرح کے انسان یہاں آکر بات بہت دلچسپ ہے، یہ تقدیر ہے جس کا موقع واردات بہت بھیانک تھا انہیں صلاحیت سے نوازا گیا جائز استعمال کے لئے مگر وہ انسان تھے جنہیں بھٹکنے کی راہ ہموار لگی اور جب وہ خدا کی دی گئی تعلیمات کو جھٹلا کر بھٹک گئے اور اپنے رستے چن کر مطمئن ہو گئے وہاں تقدیر نے اپنا آخری کام کر دکھایا جب ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا تو عذاب نے انہیں جالیا، اور اب جو ہم ہیں وہ آخری قوم ہیں دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمارے مطابق صلاحیت عطا کی یہ اخیر صلاحیت ہے جو پچھلی کسی قوم کو نہ عطا کی گئی، یہ صلاحیت علم و حکمت ہے اور انسان اس صلاحیت کو پہلی قوموں کی طرح ناجائز اور بے دریغ استعمال کرنے لگا ہے وہ سمجھ چکا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے ایسا کوئی نہیں کر سکتا اس نے آسمان کی وسعتوں تک جا پہنچا ہے بلکہ پہلی اقوام کو جن صلاحیتوں سے نوازا گیا موجودہ دور کے انسان نے علم و حکمت کے بل بوتے پر ان پر بھی عبور حاصل کر لیا، یہاں ہمارے لئے خوف کا مقام ہے اگر ہم آخری ہیں اور ہمیں اخیر ہی صلاحیت دی گئی ہے تو جب دوسری قوموں کی طرح عروج پر پہنچ کر مطمئن بھی نہ ہونے پائے گے تو تقدیر پہلے کی طرح اپنا کام کر دکھائے گی وہ پہلی قوموں کی طرح اپنا موقع واردات خالی نہیں جانے دے گی اور پھر ہمارے لئے عذاب بھی ہماری صلاحیت کی طرح اخیر ہی ہوگا یہ وہ عذاب ہے جس کے لئے ہمیں بار بار ڈرایا گیا انسان سروائیول کی جنگ میں کیا جیت رہا ہے؟ اس کا جواب آپ اپنی سوچوں کا دائرہ وسیع کیے خود سے ڈھونڈ سکتے ہیں۔" خاموشی اختیار کیے انہوں نے کلائی میں بندھی گھڑی کی جانب دیکھا سر جھکائے وہ ڈائس سے پیچھے ہوئے ہاتھ میں تھاما مائیک بھی وہی رکھ دیا سامنے کھڑے ہوتے انہوں نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھے خدا حافظ کہ سامنے بیٹھے تمام تر افراد ہوش میں آئے۔

پروفیسر عبد الرحمٰن کے قدم بیرونی دروازے کی طرف بڑھے تو سب کی نظران کی پشت کی طرف اٹھ گئیں وہ سب کے سب اب بھی ساکت اور خاموش تھے نم زدہ آنکھوں سے انہیں تشکر سے دیکھتے جو ایک مشفقانہ سی الوداعی نگ ان پر ڈالتے ہال کے دروازے سے نکلتے چ گئے تھے مگر ان سب کو ایک ایسا راستہ دیکھا گ تھے جس پر چل کر وہ حق اور سچ کی پہچان کر اصل کی طرف لوٹ سکتے تھے اور جب ہمیں اص کی پہچان ہو جائے تو بقا کی جنگ لڑنا آسان جاتا ہے۔

☆☆☆

"اعتراز"

حنا میں شائع ہونے والے قسط وار ناولٹ "قربت ہجر میں محبتیں" کی مصنفہ کا نام ندا حسنین ہے کمپوزر کی غلطی سے یہ نام ندا حسین لکھا گیا اس کے لیے ہم معذرت خواں ہیں۔

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

حدیث مبارکہ

اللہ کے لئے محبت کرنے والے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ایک شخص اپنے ایک دینی بھائی سے ملاقات کے لئے گیا تو اللہ عزوجل نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھا دیا۔'' اس نے پوچھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' اس نے جواب دیا۔

''فلاں بھائی سے ملاقات کے لئے جا رہا ہوں۔'' اس نے پوچھا۔

''اس سے کوئی کام ہے؟'' جواب دیا۔

''نہیں۔'' فرشتے نے پوچھا۔

''تمہارے درمیان کوئی رشتہ داری ہے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں۔'' پوچھا۔

''اس نے تم پر کوئی احسان کیا ہے؟'' اس نے کہا۔

''نہیں۔'' اس نے پوچھا۔

''تو پھر کیوں اس سے ملاقات کر رہے ہو؟'' اس نے کہا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے اس سے محبت کرتا ہوں۔'' فرشتے نے کہا۔

''اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری طرف بھیجا ہے اور وہ تمہیں مطلع کرتا ہے کہ وہ (اللہ عزوجل) تم سے محبت کرتا ہے اور اس نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔''

(صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۳۷ کتاب ابر)

سارا حیدر، ساہیوال

بھائی چارہ

ایک شخص حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔

''میں اللہ عزوجل کے لئے آپ کو اپنا بھائی بنانا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے فرمایا۔

''تم جانتے ہو بھائی چارے کا حق کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا۔

''آپ بتا دیجئے۔'' آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

''کہ تو اپنے دینار اور درہم کا مجھ سے زیادہ حق دار نہ ہوگا۔'' اس نے عرض کی۔

''میں ابھی تک اس مقام تک نہیں پہنچا۔'' آپ نے فرمایا۔

''پھر چلے جاؤ۔''

ساجدہ احمد، ملتان

اقوال یونانی مفکرین وحکمائے یورپ

☆ بات کو پہلے دیر تک سوچو پھر منہ سے نکالو پھر اس پر عمل کرو۔ (افلاطون)

☆ ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے مگر دوست جتنی پرانی ہو اتنی ہی عمدہ اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ (ارسطو)

☆ خاموشی سب سے زیادہ آسان کام اور سب سے زیادہ نفع بخش عادت ہے۔ (ارسطو)

☆ تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔ (سقراط)

☆ غصہ کبھی کبھی قابل سے قابل انسان کو

بے وقوف بنا دیتا ہے۔ (بقراط)

☆ جو شخص اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتا وہ بہت سے لوگوں کو کیا قابو میں رکھ سکے گا۔ (اقلیدس)

☆ دانا وہ ہے جو گردش ایام سے تنگ دل نہ ہو۔ (اقلیدس)

☆ کسی آدمی کو جب اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ برا ہو جاتا ہے۔ (اقلیدس)

☆ علم سے آدمی کی وحشت اور دیوانگی دور ہو جاتی ہے۔ (بیکن)

☆ تمام اعضاء جسمانی میں زبان سب سے زیادہ نافرمان ہے۔ (فیثا غورث)

☆ زندگی میں دو باتیں بڑی تکلیف دیتی ہیں ایک جس کی خواہش ہو اور اس کا نہ ملنا اور دوسری جس کی خواہش نہ اس کا ملنا۔ (برنارڈ شا)

☆ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں قابلیت پر نہیں۔ (نپولین)

صفہ خورشید، لاہور

گوہر آبدار

() انتظار طویل ہو جائے تو محبتیں بے یقین ہو جاتی ہیں، لیکن اظہار کا پانی محبت کو پھر سے شاداب کر ڈالتا ہے اور جس محبت کو اظہار کا پانی میسر نہ ہو وہ محبت اپنا وجود بھی کھو دیتی ہے اس پودے کی طرح جو پانی نہ ملنے پر بہت جلدی سوکھ جاتا ہے۔

() کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔

() سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے، یہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔

() گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔

() محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہیں، دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگوتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔

() کبھی کبھی خلوص، خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

عابدہ حیدر، بہاول نگر

دسمبر

مہینوں کی پرانی شال اوڑھے
جھیل کے پرانے کنارے پر کھڑا
سیٹی بجا کر چاند کو نیچے بلا رہا ہے
جنوری کے بدن پر
ماتمی تنہائیاں پینٹ کر رہی ہیں
اور نیچے پہاڑی گاؤں میں
نئے برس کا جشن تھا۔

آصفہ نعیم، فورٹ عباس

ایک سے بڑھ کر ایک

جہانگیر نے اپنا سفری بیگ کندھے پر لٹکاتے ہوئے جذباتی لہجے میں باپ سے کہا۔

''ڈیڈی! میں اپنی زندگی اپنی مرضی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں، عیش عشرت کی تلاش میں جا رہا ہوں، خوبصورت لڑکیوں کے سنگ زندگی بس کرنا چاہتا ہوں، خدارا مجھے مت روکیے۔''

''جہانگیر بیٹے کون کم بخت تمہیں روک رہا ہے؟'' باپ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''میں تو خود تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔''

فرینہ اسلم، میاں چنوں

☆☆☆

گھر میں شادی کے بعد والا بکھرا بکھرا ہوا تھا۔ ساری خواتین سمیٹنے کے چکر میں گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ حمیدہ بی بی بیٹی رخصت کرنے کے بعد تھوڑی دیر افسردہ ہوئی تھیں۔ پھر بیٹوں کو جوڑے رکھنے والے مخصوص خیال کو لے کر انہوں نے دونوں بیٹوں اور بہوؤں کو بلا لیا۔ ان کے فیصلے پر کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا تھا لمحوں میں بچے کھچے مہمان صحن میں اکٹھے ہو گئے۔ قاضی بلانے کے لیے گامے نائی کو بھیج دیا گیا۔ ماسیاں اکٹھی ہو کر سہاگ کے گیت گانے لگیں۔ حمیدہ بی بی نے اس ربڑ کی گڈی پر سرخ زرتار آنچل ڈال دیا۔ عقیل چوہدری کو لمحوں سفید کھڑ کھڑاتا ہوا لٹھا پہنا دیا گیا۔

آٹھ سالہ بلوریں آنکھوں، سنہری بالوں والی سفید ربڑ کی گڈی کا اس کے کزن عقیل چوہدری سے نکاح ہو گیا تھا۔ بارہ سالہ گندمی رنگت اور سیاہ آنکھوں والا عقیل بھی نہایت خوش تھا۔ سارا خاندان قبیلہ سب اسی لیے خوش تھے کہ گھر کی بیٹی گھر میں رہ گئی۔ حویلی کی طرز پر اس پرانے مٹیالے گھر میں خوشیاں ٹوٹ کر برسیں دوسرے دن مکلاوے کی رسم کے لیے بیلا اپنے شوہر کے ہمراہ آئی تو وہ بہت خوش ہوئی۔

"ہائے قسمے بھابھی۔ کسی دوسری جگہ جا کر ان کے طریقے سے رہنا کتنا مشکل ہے کوئی مجھ سے پوچھے...... میری نیلم کو تو کہیں نہیں جانا پڑے گا۔ سدا اس گھر میں رہے گی اپنے طریقے سے۔" اس نے بخار میں تپتی نیلم کی چٹا چٹ بلائیں لے ڈالیں۔

"میری نو (بہو) کو تو کل نظر ہی لگ گئی۔ اری بیلا! اتنی پیاری لگ رہی تھی۔ تیری بارات والا لہنگا تھا اور اماں کا چاندی کے تاروں والا زرتار دوپٹا پہنا تھا۔ تصویریں بھی کھنچی ہیں۔ دھل کر آئیں گی تو دیکھتی رہ جاؤ گی۔" بڑی بھابھی نے بھی نیلم کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھ ڈالا تھا۔

"ہائے ہائے، بخار تو جوں کا توں ہے۔"

"چھوٹی بھابھی، ڈاکٹر کو دکھا لو، بابا حکیم اب بھول جاتا ہے کون سی دوائی کس مرض کی ہے۔" نیلم نے اس کے لال بھبوکا چہرے پر اپنے ٹھنڈے ہاتھ لگائے اور اس کی ماں کو مخاطب کیا۔

"تمہارے بھیا کو بولا ہے گاڑی کا انتظام کریں شہر لے جاتے ہیں۔" ان کی باتیں سن کر صحن میں بیٹھا نیا نویلا داماد بھی اندر چلا آیا۔ اور نبض دیکھ کر رائے بھی دے ڈالی۔

"آدھے گھنٹے بعد جنت بی بی، فہیم چوہدری اور ان کا نیا بہنوئی اپنی کار میں قریبی قصبے والے ڈاکٹر کے پاس جا رہے تھے۔

ڈاکٹر کو دکھایا تو پتا چلا کہ ٹائیفائڈ بگڑ چکا تھا۔ خیر اللہ کے کرم سے کچھ دنوں علاج کے بعد نیلم تندرست تو ہو گئی مگر اس کے سر کے بال تیزی سے گرنے لگے۔

☆☆☆

وہ گھٹنوں میں سر دیے مسلسل رو رہی تھی۔ آج پھ کسی نے اسے گنجی پری کہا تھا۔ اور ایک بار پھر اس کا دل کرچی کرچی ہو گیا۔ ایک دم اس نے قدموں کی آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ حمیدہ بی بی اس کے پاس آ رہی تھیں انہوں نے آہستگی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"دادی...... آپ مجھے نیلم پری کہتی ہیں کو پریاں گنجی ہوتی ہیں اور سب مجھے گنجی پری کہتے ہیں ا سب کہیں تو مجھے پروا نہیں ہے لیکن وہ آپ کا لاڈلا عقیل بھی مجھے "گنجی پری" کہتا ہے۔ اللہ کرے مر جائے۔"

"نا میری دھی نا...... ایسے نہیں بولتے تجھے اس کی دلہن بننا ہے۔"

"دادی...... مجھے نہیں بننا اس کی دلہن۔ ا ہے۔ وہ جا رہا ہے یہاں سے، فوجی بننے۔"

"مجھے بھی تمہیں اپنی دلہن بنانے کا کوئی شو نہیں ہے۔" "میری دلہن تو "راپنزل" جیسی کوئی لڑ بنے گی۔ شہر سے کوئی لڑکی اپنی دلہن بنا کر لے آ گا۔"

نیلم جلتی بھنتی کمرے سے نکل گئی۔ دادی عقیل دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے۔

☆☆☆

عقیل آرمی میں کیپٹن کے عہدے پر فائز ہو تھا۔ آج اس کی شادی تھی۔ جب سے وہ آیا تھا نیل

اس سے اس کا پردہ کرایا گیا تھا۔ اس سے پہلے عقیل جب بھی چھٹیوں میں گھر آیا تو نیلم کبھی پھوپھی کے گھر گئی ہوتی تو کبھی اپنی شہر والی خالہ کے پاس۔ اس کی ملاقات نیلم سے نہیں ہو سکی تھی۔ عقیل کے ذہن میں وہی چھوٹے بالوں والی نیلم تھی۔

دلہن بنی نیلم کو اسٹیج پر لایا گیا رسومات کے بعد اس کو کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد عقیل کمرے میں داخل ہوا نیلم گھونگٹ میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ عقیل جیسے ہی اس کے قریب آ کر بیٹھا تو بے ساختہ بولا۔

''گنجی پری۔''

نیلم نے غصے سے سر اٹھایا تو عقیل دیکھتا ہی رہ گیا۔ نیلم دلہن بنی بے انتہا خوب صورت لگ رہی تھی۔ اور اس کے بال..... خدا کی پناہ وہ حیران رہ گیا۔

''تمہارے بال اتنے لمبے اور خوب صورت کیسے ہو گئے۔''

نیلم نے کوئی جواب نہیں دیا اس کے ذہن میں تو پچھلے سال کا واقعہ گھوم رہا تھا جب وہ شہر خالہ کے پاس گئی تھی اور ایک دن جب وہ بازار گئی تو وہاں ''ڈابر آملہ ہیئر آئل'' والوں کی طرف سے ایک پمفلٹ بانٹا جا رہا تھا اس پر لکھا تھا۔

''ڈابر آملہ ہیئر آئل۔'' ایک برانڈ کی حیثیت سے ان روایات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو نسل در نسل منتقل کی جاتی ہیں۔ بالوں میں تیل لگاتے وقت ماں اور دادی بہت سی روایات اور اقدار بچوں کو سکھاتی ہیں ان اقدار میں دیانت، محنت، دوسروں کا احترام کرنا، دوسروں کی دیکھ بھال کرنا، دھوکا نہ دینا۔ کسی کو برا نہ کہنا، چوری نہ کرنا اور ایسی بہت سی ساری تعلیمات شامل ہیں۔

☆ ڈابر آملہ ہیئر آئل نسلوں کے مابین مضبوطی برقرار رکھتا ہے کیونکہ چمپی سیشن کے دوران ماؤں، نانیوں نے اپنی بیٹیوں پوتیوں نواسیوں کے ساتھ بہت سی کہانیاں شیئر کی ہوتی ہیں۔

☆ ڈابر آملہ ہیئر آئل کے ساتھ چمپی سیشن بہت ضروری ہے کیونکہ وہ نسلوں کے مابین پیار کو خالص (اصلی) رکھتا ہے، بالکل اس طرح جیسے اس تیل کی ''اصلی خوبیاں''

☆ ڈابر آملہ ہیئر آئل ایک میراث ہے جو آملہ فروٹ (ہندوستانی کروندے) کی قدرتی خوبیوں سے بنایا گیا ہے۔

☆ بال خوب صورتی کا ایک ضروری پہلو ہیں۔ خوب صورتی کا لب لباب، لمبے، مضبوط اور سیاہ بال۔ مضبوط اور خوب صورت بال وہ ہوتے ہیں جو جڑوں سے مضبوط ہوں۔

☆ آملہ فروٹ بالوں کی نشوونما کے لیے ضروری ہے۔ اسے سیاہ، لمبے اور مضبوط بناتا ہے۔

☆ اگرچہ ساخت میں ''ڈابر آملہ ہیئر آئل'' نرم وملائم ہے لیکن یہ ایک طاقت ور خوشبودار تیل ہے جو بالوں کو اساس سے درجہ کمال تک پہنچانے کے لیے ضروری ہے۔

☆ ڈابر آملہ ہیئر آئل سے سر میں چمپی دینے کے بعد بالوں کو دوبارہ دھونا ضروری ہے۔

☆ یہ سبک انداز میں کام کرتا ہے اس کے علاوہ ماں جیسا فہم، پیار اور نگہداشت آگے بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کرتا ہے۔

اتنی خوبیاں دیکھ کر اس نے ڈابر آملہ ہیئر آئل خریدا۔ امی اور دادی سے اپنے سر پر روزانہ چمپی کروائی تھی۔ پھر اس کے بال دن بدن لمبے اور گھنے ہوتے گئے۔

''کیا سوچنے لگیں......؟'' عقیل نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔ ''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں کہ تمہارے بال اتنے لمبے اور خوب صورت کیسے ہو گئے؟''

''ڈابر آملہ ہیئر آئل سے'' یہ کہہ کر نیلم نے ڈابر آملہ ہیئر آئل کی خوبیاں گنوانی شروع کر دیں۔

''بس......بس'' عقیل نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور محبت بھری نظروں سے دیکھنے لگا۔

☆☆

بیاض

تسنیم طاہر

صابرہ سلطانہ ---- کراچی
وہ جن کے کاسہ دل میں فقط درد مسلسل ہے
بتاؤ تو سہی وہ عید کا مفہوم کیا جانیں

یہ دعا مانگتے ہیں ہم عید کے دن
باقی نہ رہے آپ کا کوئی غم عید کے دن
آپ کے آنگن میں اترے ہر روز خوشیوں بھرا چاند
اور مہکتا رہے پھولوں سے چمن عید کے دن

ہم تو یہ جانتے ہیں کہ جس شب ہمیں چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ جس میں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو یہ دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

حنا شاہین ---- حیدرآباد
جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

آبلے کیسے بھی ہوں ضبط کے چھپائے رکھنا
اپنے اشکوں کو زمانے سے چھپائے رکھنا
آج سوچا ہے کہ جی بھر کے تمہیں دیکھیں گے
پھول چہرے کو ہتھیلی پہ ٹکائے رکھنا

اپنے کرب کو چھپا کر ہنسنا مشکل ہوتا ہے
دھیمی دھیمی آگ میں جلنا مشکل ہوتا ہے
یوں تو ضبط بہت ہے ہم کو لیکن کیا بتلائیں
آنکھ تک آئے آنسو پینا مشکل ہوتا ہے

سدرہ خانم ---- ملتان
نہ جانے یہ سعادت آج کس کا مقدر ہو
کبھی باندھا تھا گجرا اس نے بھی ہماری کلائی پر

ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں یادوں کے سبب یاد آئے
پھول کھلنے کا جو موسم میرے دل میں اترا
تیرے بخشے ہوئے کچھ زخم عجب یاد آئے

پرکھنا مت پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرا نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا دریا نہیں رہتا

آسیہ فرید ---- خانیوال
جہاں رائج ہو رسم بدگمانی
وہاں پر معتبر نا معتبر کیا
تمہیں عادت ہے مڑ کر دیکھنے کی
تمہارے ساتھ چلنا عمر بھر کیا

شاید کبھی وہ گزرے میری راہ گزر سے
راستے میں پھول بن کے بکھر جانا چاہیے
میں اس سے ملنا چاہتی تھی سادگی کے ساتھ
آئینے کہہ رہے ہیں نکھر جانا چاہیے

اپنے آپ سے ذات چھپائی جا سکتی ہے
چاند سے کیسے رات چھپائی جا سکتی ہے

وہ تو اختر آنکھیں بھی پڑھ لیتا ہے
تم کہتے ہو بات چھپائی جا سکتی ہے
مریم انصاری ---- سکھر
چشم نم محو اس کی زیارتوں میں ہے
اک شبیہ محفوظ میری بصارتوں میں ہے
یاد ہے آج تک اس کی پہلی گفتگو بھی
لہجے کی بازگشت ان ساعتوں میں ہے

....

سکوت لب میری بات سے زیادہ ہے
ترا فراق میری ملاقات سے زیادہ ہے
میں اس سے عشق تو کر بیٹھا ہوں مگر
یہ سلسلہ میری اوقات سے زیادہ ہے

....

غم اپنے کسی طور عبادت نہیں کرتے
ہم اہل وفا اتنی جسارت نہیں کرتے
ہم لوگ خطا وار محبت سہی لیکن
ہم لوگ وفاؤں کی تجارت نہیں کرتے
عزہ فیصل ---- قصور
میں لوگوں سے ملاقاتوں کے لمحے یاد رکھتا ہوں
میں باتیں بھول جاتا ہوں لہجے یاد رکھتا ہوں
میں یوں تو بھول جاتا ہوں خراشیں تلخ باتوں کی
مگر جو زخم گہرے دیں رویے یاد رکھتا ہوں

....

تم ان لوگوں سے ہٹ کر بھی تو زندہ رہ نہیں سکتے
جو دنیا دل دکھاتی ہے تو کیوں محسوس کرتے ہو
برستے ہیں جو بادل تو اتر جاتا ہے بوجھ ان کا
تمہیں خواہش رلاتی ہے تو کیوں محسوس کرتے ہو

....

تو جو بدلا تو بدل گئے ہم بھی
پیار کرتے تھے بندگی تو نہیں
وقت کٹ جائے گا بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

نورانور ---- فیصل آباد
ایک نفرت ہی نہیں دنیا میں درد کا سبب
محبت بھی سکون والوں کو بڑی تکلیف دیتی ہے

ٹوٹ کر چاہا جسے وہ لوٹ کر آیا نہیں
میرے دل کو اس کے سوا اور کوئی بھایا نہیں
پیار کی سوداگری میں ہم برابر ہی رہے
اس نے کچھ کھویا نہیں اور ہم نے کچھ پایا نہیں

....

مجھ سے بچھڑ کر تو بھی تو روئے گا عمر بھر
یہ سوچ لے کہ میں بھی تری خواہشوں میں ہوں
فاریہ سلیم ---- شرقپور
کسے معلوم تھا اس شے کی بھی تجھ میں کمی ہو گی
گماں تھا تیرے طرز جبر میں شائستگی ہو گی
میں اپنے آپ کو سلگا رہا ہوں اس توقع پر
کبھی تو آگ بھڑکے گی کبھی تو روشنی ہو گی

....

یاد کے شعلوں پہ جلتا ہے اگر میرا بدن
اوڑھ کر پھولوں کی چادر تو بھی سو سکتا نہیں

....

بلا کا حبس تھا ساجد ہوا کی بستی میں
چلی جو سانس کی آری میں قاش قاش ہوا
عمیرہ ریحان ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
بوند میں سارا سمندر آنکھ میں کل کائنات
ایک مشت خاک میں سورج کی آب و تاب دیکھ

....

میں چھوڑ سکتا نہیں ساتھ استقامت کا
میری اذاں سے جوش بلال مت چھینو

....

تم کو کیا معلوم تم ہو مقدس کتنے
دیکھتے ہیں تو عقیدت سے تمہیں دیکھتے ہیں

☆☆☆

حنا کی محفل

نین نین

رابعہ انور ... فیصل آباد

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟
ج: تم کیا کر رہی ہو۔
س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟
ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔
س: اب بتا بھی دیں؟
ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔
س: آپ عیدالاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟
ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔
س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔
ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔
س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟
ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

ساجدہ احمد ... ملتان

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔
ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔
س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔
س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟
ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔
س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟
ج: بی جی ایام کی تلخی کو ہنس کے ناصر۔
س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟
ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔
س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں ؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

سدرہ فیاض ---- عارف والا

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟
ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور ''گرل'' کا بھائی آ جائے۔
س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟
ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔
س: سکون کی تلاش؟
ج: اپنے اندر تلاش کرو۔

☆☆☆



بلقیس بھٹی

غلطی

ایک سکھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جالندھر سے امرتسر پہنچنا تھا، گاڑی چلنے سے کچھ دیر پہلے وہ بھاگا بھاگا گارڈ کے پاس گیا، گارڈ بھی سکھ ہی تھا۔

''سرداری جی۔'' وہ منت سے بولا

''میرے مقدمے کی بڑی ضروری تاریخ ہے مجھے یہ بری عادت ہے کہ سو جاؤں تو کچھ ہوش نہیں رہتا، یہ نہ ہو کہ امرتسر کی بجائے لاہور پہنچ جاؤں، ذرا امرتسر پر مجھے یاد سے جگا دیجئے گا۔''

یہ کہہ کر وہ واپس گیا مگر تھوڑی دیر بعد پھر بھاگا ہوا پہنچا اور کہا۔

''سردار جی، ایک بات بھول گیا ہوں، نیند میں میرے حواس ٹھکانے نہیں ہوتے، کوئی جگائے تو میں خوامخواہ گالیاں دینے لگتا ہوں، آپ کچھ پروا نہ کیجئے گا، مجھے پکڑ دھکڑ کے اسٹیشن پر اتار دیجئے گا، واہ گورہ کا واسطہ میری بات مت بھولنا۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے ڈبے میں جا سویا۔

آنکھ کھلی تو دیکھا کہ لاہور اسٹیشن آ گیا ہے، نتھنوں سے شعلے برساتا نیچے اترا، گارڈ کے ڈبے میں جا کر گارڈ کو اتارا اور اس پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

''تجھے کہا نہیں تھا کہ مجھے امرتسر اتار دینا۔''

گالیوں کے جواب میں سکھ گارڈ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا، ایک مسافر کو یہ دیکھ کر بہت حیرت ہوئی، اس نے گارڈ کے قریب جا کر کہا۔

''کیوں جی، یہ اتنی گالیاں بک رہا ہے، آخر بات کیا ہوئی۔''

گارڈ بولا۔

''اجی اس نے کیا گالیاں دینی ہیں، گالیاں تو اس نے دی تھیں جسے میں نے امرتسر اسٹیشن پر اتار دیا تھا۔''

عزہ فیصل، قصور

شوہر کی بیماری

''ڈاکٹر!'' ایک مشہور نفسیات کی نرس نے اس سے کہا۔

''برآمدے میں ایک خاتون کھڑی ہیں جو آپ سے فوراً ملنا چاہتی ہیں۔''

''کیا اس نے وقت مقرر کر رکھا ہے۔''

''نہیں وقت تو مقرر نہیں کیا، لیکن اگر اس نے اس شتر مرغ سے چھٹکارا نہ پایا تو جنہوں نے وقت مقرر کر رکھا ہے، وہ سب کے سب فرنٹ ہو جائیں گے۔''

''شتر مرغ؟''

''ہاں وہ خاتون اپنے ساتھ ایک شتر مرغ بھی لائی ہے، جس نے آفت مچا رکھی ہے۔''

''اچھا اسے فوراً اندر لے آؤ۔''

دروازہ کھول کر کپڑوں سے لدی پھندی ایک عورت داخل ہوئی ساتھ ساتھ شتر مرغ بھی چلتا ہوا آ کھڑا ہوا۔

''بیٹھیے۔'' ڈاکٹر نے عورت سے کہا۔

''ہاں اب بتایئے آپ کو کیا بیماری ہے؟''
''ڈاکٹر صاحب! مجھے تو کوئی بیماری نہیں، بیماری میرے خاوند کو ہے، وہ سمجھتا ہے کہ وہ شتر مرغ ہے۔''

نورانور، فیصل آباد

ذوق تماشا

چرچل کے ایک مداح نے ایک بار بڑی عقیدت سے پوچھا۔
''آپ یہ دیکھ کر خوش تو بہت ہوتے ہوں گے کہ جب بھی آپ تقریر کرنے کھڑے ہوتے ہیں تو ہال کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔''
''ہاں مسرت تو ہوتی ہے مگر ہمیشہ ہی خیال آ جاتا ہے کہ اگر تقریر کی بجائے مجھے پھانسی پہ لٹکایا جا رہا ہوتا تو خلقت تین گنا زیادہ ہوتی۔''

فاریہ سلیم، شرقپور

دونوں کے صنم خاکی

ایک کرایہ دار کرایہ ادا نہ کرتا تھا، مالک مکان نے بہت زور مارا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا، مالک مکان نے عاجز آ کر ایک ترکیب سوچی، بند لفافے میں اپنی چھوٹی بچی کی ایک تصویر بھیجی جس پر لکھا تھا۔
''رقم کیوں چاہیے اس کی وجہ۔''
تیسرے دن کرایہ دار کا ایک خط ملا جس میں ایک کافر ادا حسینہ کی تصویر تھی، نیچے لکھا تھا۔
''رقم کیوں نہیں ملتی اس کی وجہ۔''

عمیرہ ریحان، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ٹیمبر بن مانس

ایک [illegible] ہی [illegible] نیل امریکی فضائیہ کے ہیڈ کوارٹر کا [illegible] اتا، ایک بوڑھے کپتان کو دیکھ کر [illegible] وئی، پوچھا۔
''یہ [illegible] کیپٹن ہو؟''
بوڑھا کپتان [illegible]

''میری کہانی طویل ہے، آپ سننا پسند فرمائیں تو عرض کروں، دوسری جنگ عظیم کے دوران میں بحر اوقیانوس کے عین بیچ ایک جزیرے میں ہمیں بھیج دیا گیا، کام ہمارا یہ تھا کہ خطرے کی گھنٹی بجتے ہی جہاز اڑانا ہے اور دشمن کا سامنا کرنا ہے، روزانہ آدھی رات کو گھنٹی بجتی، ہم سب آنکھیں ملتے اور گالیاں دیتے ہوائی اڈے کی طرف بھاگتے، وہاں سگنل آتا کہ یہ محض پریکٹس کے لئے کیا گیا تھا، یوں نیندیں حرام ہونے سے میں بہت اکتایا، اس عرصے میں ایک بن مانس سے کچھ یاری ہو گئی تھی، وہ کودتا پھاندتا میرے کمرے میں آ گھستا، رفتہ رفتہ میں نے اسے آداب سکھائے، میز پر بیٹھ کر کھانا سکھایا، ایک روز اچانک خیال آیا کہ کیوں نہ اس سے کام لوں کہ میری وقت دور ہو، اب میری سب مشکلیں حل ہو گئیں، روزانہ رات کو گھنٹی بجتی، بن مانس میری وردی پہنتا اور ہوائی اڈے کی طرف دوڑ جاتا، تھوڑی ہی دیر میں سگنل آنے پر لوٹ آتا، میں مزے میں پڑا سویا رہتا، ایک رات ٹیک آف کا سگنل بھی آ گیا، بن مانس مجھ سے پہلے آگے جا چکا تھا، میں نے جلدی جلدی ٹرنک سے دوسری وردی نکالی اور بھاگم بھاگ ہوائی اڈے پر پہنچا، کیا دیکھتا ہوں کہ جہاز اوپر اٹھ رہا ہے اور بن مانس اندر اطمینان سے بیٹھا ہے، میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ اب کیا ہو گا؟''
''پھر کیا ہوا؟'' جرنیل نے بے صبری سے پوچھا۔
''ہوتا کیا'' اس نے اطمینان سے جواب دیا۔
''بس اب وہ میجر ہے اور میں ابھی تک کپتان ہوں۔''

صوبیہ توحید، گلشن راوی لاہور

☆☆☆

حنا کی ڈائری

صائمہ محمود

سارا حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں اسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا
رات بھر پچھلی سی آہٹ کان میں آتی رہی
جھانک کر دیکھا گلی میں کوئی بھی آیا نہ تھا
آج اس نے درد بھی علیحدہ کر لئے
آج میں رویا تو میرے ساتھ وہ رویا نہ تھا
یہ سبھی ویرانیاں اس کے جدا ہونے سے تھیں
آنکھ دھندلائی ہوئی تھی شہر دھندلایا نہ تھا
یاد کر کے اور بھی تکلیف ہوتی تھی عدیم
بھول جانے کے سوا اب کوئی بھی چارہ نہ تھا

ساجدہ احمد: کی ڈائری سے ایک نظم

پھر کہیں ایک ہوئے دو سائے
پھر کہیں آنکھ نے رخصت چاہی
پھر کہیں گال پہ آنسو ڈھلکا
پھر تیری یاد کے سائے مہکے
پھر تیرے پیار کا جھونکا آیا
پھر تیرے نام کی سرگم جاگی
پھر میرے درد کا سورج نکلا
پھر میری آنکھ پہ بادل چھائے
پھر میری یاس کی آندھی چھائی
پھر میری شام سحر تک روئی
پھر میری پیاس کے کانٹے پھولے
پھر میری شام سحر تک روئی
میرے گھر سے تیرے در تک روئی
پھر میری شام سحر تک روئی

صفہ خورشید: کی ڈائری سے ایک نظم

سال کا یہ آخری دن ہے
ابھی کچھ دھوپ ہے لیکن
ذرا ہی دیر کو طے ہے کہ آخر شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو بھی ہے انجام ہونا ہے
چلو مل بیٹھ کے اپنے خسارے بانٹ لیتے ہیں
سب ہی رنگ، جگنو اور ستارے بانٹ لیتے ہیں
ذرا سی دیر کو طے ہے شام ہونا ہے
حقیقت یا کہانی جو
بھی ہے انجام ہونا ہے
تو کیوں نہ شام سے پہلے
کسی انجام سے پہلے
جو کچھ گھڑیاں میسر ہیں
ان ہی میں زندگی کر لیں
کسی احساس کی شمع جلا کر
ان اندھیروں میں
کوئی دم روشنی کر لیں
چلو ہم دوستی کر لیں

عابدہ حیدر: کی ڈائری سے ایک نظم

یہ سال بھی اخر بیت گیا
کچھ ٹیسیں یادیں خواب لئے
کچھ کلیاں، چند گلاب لئے
کچھ پنکھڑیاں پر آب لئے
کچھ جلتے دن، کالی راتیں
کچھ سچے دکھ، جھوٹی باتیں
کچھ تپتی رتیں، کچھ برساتیں

کسی یار عزیز کا دکھ پیارا
کسی چھت پہ امیدوں کا تارا
کوئی تنہا شاعر دکھیارا
جس پہ ہنستا تھا جگ سارا
اس شاعر نے جو حرف لکھے
اس میں تیری یاد کے سائے تھے
وہ لوگ بھی آخر لوٹ گئے
جو صدیوں پار سے آئے تھے
ان ہنستے بستے لوگوں نے
میرے سارے دکھ اپنائے تھے
پھر میں نے یاد کی مٹی میں
زخمی سپنے دبائے تھے
یہ سال بھی آخر بیت گیا۔

آصفہ نعیم: کی ڈائری سے ایک نظم

تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب جیون رستہ دلدل ہوگا
جب چاند تنہا پاگل ہوگا
اور من میرا بے کل ہوگا
تم کہتے تھے کہ آؤ گے
جب برف گری پہاڑوں پر
جب یخ بستہ ہوائیں سرخی پھیلائیں
صبیح رخساروں پر
جب لمحے ہنسے بہاروں پر
جب باد صبا ٹھہری کہساروں پر
تم کہتے تھے [illegible] آؤ گے
جب آنکھوں میں رات گزرے گی
اور خواہش [illegible] بکھرے [illegible] گی
جب رنگ [illegible] نظاروں پر
اور عکس [illegible]
تم کہتے تھے کہ آ [illegible]
جب خوشیاں ساری [illegible]
جب دسمبر کے ان [illegible]

تم کہتے تھے کہ آؤ گے
اب آؤ کہ برف گر گئی ہے
رخسار بھی سرخ اور چاند بھی پاگل ہے
آؤ کہ من بے کل ہے
آؤ کہ نظارے خالی ہیں
آؤ کہ نقش ادھورے ہیں
آؤ کہ عکس نہ پورے ہیں
آؤ کہ دسمبر آخر ہے
تم آ جاؤ
تم کہتے تھے کہ آؤ گے

فرینہ اسلم: کی ڈائری سے ایک غزل

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر اک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی گر ہوئی جو تمہاری جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
سنو ذکر ہے کئی سال کا کوئی وعدہ مجھ سے تھا آپ کا
وہ بناہنے کا ذکر کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ ہاتھ میرے ہاتھ پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
بھی بیٹھے سب ہیں جو روبرو تو اشاروں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا بر ملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
جسے آپ گنتے تھے آشنا جسے آپ کہتے تھے باوفا
میں وہی ہوں مومن مبتلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

☆☆☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

چنے کی دال اور لوکی

اشیاء

چنے کی دال	250 گرام
لوکی	آدھا کلو
گھی	150 گرام
کالی مرچ	دس عدد
ہری مرچیں	تین عدد
ٹماٹر	حسب منشا
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچہ
پیاز	125 گرام
ادرک	دس گرام
نمک	حسب ضرورت
پسا ہوا گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب

سب سے پہلے چنے کی دال چن کر صاف کریں اور تقریباً اڑھائی گھنٹے تک کے لئے پانی میں بھگو کر رکھ دیں، لہسن، ادرک اور پیاز چھیل کر باریک کاٹ لیں، ہری مرچیں بھی باریک کتر کر رکھ لیں، لوکی چھیل کر اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر لیں، اس کے بعد ایک برتن میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں، اس میں پیاز سرخ کر کے نمک، ہلدی اور سرخ مرچیں ڈال کر مصالحہ بھونیں پھر اس میں دال اور لوکی شامل کریں اور تھوڑا سا پانی بھی شامل کر دیں۔

ٹماٹر، گرم مصالحہ اور ہری مرچ کے سوا باقی تمام اجزاء اس میں ڈال کر ڈھکن سے ڈھک دیں، جب دال اور لوکی گل جائے تو ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور مسلسل کفگیر چلاتی رہیں تا کہ پیندے کے ساتھ نہ لگ جائے، جب لوکی، دال اور ٹماٹر آپس میں مکس ہو جائیں تو اس میں کتری ہوئی ہری مرچیں ڈالیں، تھوڑی دیر کے بعد جب پانی خشک کر چند منٹ کے بعد چولہے سے نیچے اتار لیں اور گہری ڈش میں نکال کر دستر خوان کی زینت بنائیں۔

ماش کی دال

اشیاء

دال	125 گرام
پیاز	100 گرام
لہسن	چھ جوے
ادرک	دس گرام
پسی ہوئی سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ہلدی	چوتھائی چمچہ
پسا ہوا خشک دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
گھی	پچیس گرام
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ ثابت	دس گرام

ترکیب

لہسن اور پیاز اور ادرک چھیل کر باریک کاٹ لیں، ماش کی دال چن کر صاف کریں اور تین گھنٹے کے لئے پانی میں بھگو کر رکھ دیں، اس کے بعد یہ دال صاف پانی سے مل کر دھوئیں تا کہ

اس کا کچھ چھلکا اتر جائے پھر ایک برتن میں ماش کی دال ڈال کر ساتھ ہی تمام اجزا زیرہ اور گھی کے علاوہ ڈال کر ایک گلاس پانی میں شامل کریں اور برتن کو چولہے پر رکھ دیں درمیانی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں۔

اس کے بعد آنچ ہلکی کر دیں اس دوران کفگیر پھیر کر دیکھ بھی لیں، تاکہ دال لگ نہ جائے دس منٹ تک مزید پکانے کے بعد جب دال گل جائے اور اس میں موجود پانی خشک ہو جائے تو آنچ مزید کم کر کے دم لگائیں اس کے ساتھ ہی ایک فرائی پین میں گھی ڈال کر چولہے پر رکھیں اس میں زیرہ، تھوڑا سا پیاز اور لہسن کٹا ہوا ڈال کر سرخ کریں اور ماش کی دال چولہے سے نیچے اتار کر اس میں گھی کا بگھار لگائیں دال کو گہری ڈش میں نکالیں اوپر پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر کھانے کے لئے پیش کریں مزے دار دال تیار ہے۔

مونگ کی دال اور گوشت

اشیاء

بکرے کا گوشت	250 گرام
مونگ کی دال	125 گرام
پیاز	سو گرام
لہسن	چھ جوے
سرخ مرچ پسی ہوئی	دو کھانے کے چمچ
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچ
خشک دھنیا	آدھا چمچ
گھی	125 گرام
نمک	حسب ضرورت
ٹماٹر	50 گرام

ترکیب

لہسن اور پیاز چھیل کر باریک کاٹ لیں

مونگ کی دال چن کر صاف کریں اور پانی میں بھگو کر رکھ دیں اس دوران گوشت صاف کر کے اس کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنائیں پھر ایک برتن میں گوشت ڈالیں ساتھ ہی ایک گلاس پانی، لہسن، پیاز، سرخ مرچیں، نمک، ہلدی اور پسا ہوا خشک دھنیا شامل کر کے برتن کو چولہے پر رکھ دیں، ہلکی آنچ پر پندرہ منٹ تک پکائیں۔

جب پانی خشک ہونے لگے تو ٹماٹر کا گودا نکال کر شامل کریں پانی خشک ہو جانے پر گھی ڈالیں اور خوب اچھی طرح گوشت کو بھونیں پھر اس میں ایک گلاس پانی ڈال کر تھوڑی دیر بعد مونگ کی دال ڈال دیں اور درمیانی آنچ پر پکائیں جب پانی خشک ہو جائے دال گل جائے اور نرم ہو تو پھر چولہے سے نیچے اتار لیں اور پسا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر ڈش میں نکالیں اور دستر خوان کی زینت بنائیں۔

☆☆☆

"مبارک باد"

[illegible] اور چنبیلی تحریروں کی خالق سونیا چوہدری [illegible] [illegible]
[illegible] سونیا چوہدری کو ڈھیروں مبارک باد اور سب [illegible]
[illegible]

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

انتشار، سراسیمگی، نا امیدی اور بے بسی کی فضا میں سانس لیتے جہاں تعصب، تنگ نظری کے زہر نے ذہنوں کو الجھا رکھا ہو، انصاف کی جستجو لا حاصل ٹھہرے تو ناہموار زندگی کی صداقتیں دھندلانے لگتی ہیں، نیکی اور خیر سے ایمان اٹھنے لگتا ہے، دہشت اور وحشت تمام انسانی اوصاف پر حاوی نظر آتی ہے، تہذیب انسانی میں معاشرے کی تشکیل میں عدل اور انصاف کی حیثیت بنیاد کی جیسی ہے، وہ قومیں اپنا وجود کھو بیٹھتی ہیں اور صفحہ ہستی سے مٹ گئیں، جہاں انصاف میں امتیاز برتا جاتا تھا، بالادست اور زبردست کے لئے علیحدہ علیحدہ پیمانے مقرر تھے۔

اگر ہم اپنی ملکی صورتحال کی طرف دیکھیں تو اس قدر دھول اڑائی جا رہی ہے کہ سوچ وفکر کی راہیں مسدود اور مثبت قوتیں ہر سطح پر کمزور نظر آ رہی ہیں ظلم، نا انصافی اور جبر کسی ردعمل کا اظہار بھی نہ ہو تو تمام تر خوش امیدی کے باوجود اضطراب کی کیفیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔

حالات بدلنا انسان کے اختیار میں نہیں، تبدیلی کا عمل بھی آسان نہیں کہ پچھلے تین عشروں میں جڑیں بہت گہری ہو چکی ہیں۔ مگر کیا خواہش بھی نہیں کی جا سکتی؟

تبدیلی کے عمل کا آغاز، ارادے اور خواہش سے ہی ہوتا ہے، ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے کم از کم ظلم کو دل میں برا سمجھ لیا جائے، شاید کبھی نجات ممکن ہو جائے۔

اپنا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط حفصہ امتیاز کا سکھر سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ خوبصورت ٹائٹل سے سجا ملا ٹی پنک کلر سجی ماڈل سادہ مگر جاذب نظر لگ رہی تھیں، حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں ہمیشہ کی طرح ایمان افروز تھیں، انشاء نامہ میں وقت و حالات کے مطابق انشاء جی کی نظم بے حد پسند آئی، آگے بڑھے اور اُم مریم کے ناول کے صفحات کھولے، ''امید صبح و جمال'' واہ واہ مریم جی کیا بات ہے آپ کی، یہ آپ نے آیت کو شیرنی بنا دیا اور وہ بنا سوچے سمجھے سسرال چلی آئیں، معیز کا لاک اپ میں جانا اور آیت کا پریشان ہونا اس کے لئے اچھا لگا دوسری طرف صندلین کس راستے پر چل رہی ہے، ہمیں تو لگتا آخر میں شیر خان ہی صندلین کا جیون ساتھی ہوگا، ویسے مریم جی ایک بات پوچھیں یہ آپ کی تحریروں میں اکثر جادو ٹونہ کا ذکر ملتا ہے کیوں؟

اوف حمدہ بیچاری پر اتنا ظلم ایک تو اس کی

والدہ اس کو چھوڑ گئی اوپر سے ایک عیاش مرد کے ہاتھ لگ گئی خدا کے لئے مریم جی اتنا ظلم نہ کریں، اس ماہ ناول میں شاعری بھی بہترین شامل کی آپ نے، مکمل ناول میں فوزیہ سرور کا نام نظر آیا، ان کی لاسٹ تحریر پڑھ کر دل نہیں چاہا کہ یہ والی پڑھیں لیکن پھر صفحات کھول کر آگے کر لئے، گڈ فوزیہ یہ تحریر آپ کی بیسٹ لگی مگر وہاں آ کر مزہ کرکرا ہو گیا جہاں باقی آئندہ نظر آیا۔

بشریٰ سیال کا ناولٹ ''مجھے اعتبار وفا ملے'' انتہائی بورنگ گھسی پٹی تحریر اس موضوع پر بہت لکھا گیا، شادی کے بعد بشریٰ کی ایسی تحریر کچھ عجیب سی لگی ہم تو اب ان سے رومانس بھری تحریروں کے توقعات لگائے بیٹھے تھے، سباس گل کی تحریر ''مجھے عشق ہے'' کا آخری حصہ متاثر کن رہا، مبارک باد سباس گل، ندا حسنین کا ناولٹ ''قربت ہجر میں محبتیں'' ٹائٹل متاثر کن ہے، کہانی میں مصنفہ بہت سے کرداروں کو لے کر چل رہی ہیں اور ہر کردار پر ان کی گرفت بھی بہت اچھی ہے ایک عرصے کے بعد ایسی تحریر پڑھنے کو ملی ایک مصنفہ تھیں حنا کی مدیحہ تبسم، ان کا انداز تھا ایسا لکھنے کا، ندا ناولٹ کی دوسری قسط بھی بے حد پسند آئی یقیناً آگے چل کر تحریر مزید اچھی ہوتی چلی جائے گی۔

افسانوں میں اس مرتبہ بہار تھی لیکن آپی ان پر بات کرنے سے پہلے ایک بات بتاتی چلوں کہ فہرست میں دو افسانوں کا ذکر نہیں تھا جبکہ شمارے میں افسانے موجود تھے، ایک تھا سندس جبیں کا ''شادی مبارک'' اور دوسرا عائشہ سکندر کا افسانہ ''ایک صلہ کا ثمر'' سندس جبیں طویل عرصے کے بعد نظر آئیں ہلکی پھلکی تحریر کے ساتھ ان کی تحریر پسند آئی جبکہ عائشہ سکندر کا نام پہلی بار حنا کے صفحات کی زینت بنا، صباء جاوید بھی لمبے عرصے کے بعد تحریر لے کر آئیں خوش آمدید صباء پلیز لکھتی رہیے گا ہمیں آپ کی تحریریں بے حد پسند ہیں باقی حنا بشریٰ اور ام اقصیٰ نے بہترین لکھا جبکہ عشاء بھٹی کو تو شاید آپ نے حوصلہ افزائی کے لئے شائع کیا تھا مستقل سلسلے بھی بہترین رہے۔

حفصہ امتیاز اس محفل میں آپ پہلی مرتبہ آئیں خوش آمدید، اکتوبر کا شمارہ آپ کے معیار پر پورا اترا یہ جان کر ہمیں دلی خوشی ہوئی، سندس جبیں اور عائشہ سکندر کا نام فہرست میں شامل نہیں تھا ہمیں اس بات کا احساس تب ہوا جب شمارہ ہمارے ہاتھوں میں آیا ہم اپنی اس غلطی پر سندس جبیں اور عائشہ سکندر سے نادم ہیں، آپ کی رائے کا آگے بھی انتظار رہے گا شکریہ۔

ارم زبیر: کی ای میل ملتان سے موصول ہوئے ہے وہ لکھتی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ جلد مل گیا سرورق مزید خوبصورت ہو جاتا اگر ماڈل کی مکمل تصویر دی جاتی، اسلامیات سے مستفید ہو کر آگے بڑھے اور انشاء جی کی پنجابی نظم سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سب سے پہلے بشریٰ سیال کی تحریر کی طرف لپکے، لیکن یہ کیا بشریٰ جی یہ سٹائل تو آپ کا نہیں تھا، معذرت کے ساتھ آپ کی تحریر پسند نہیں آئی، واپس پلٹے اور ام مریم کے در پر دستک دی اور ''امید صبح و جمال'' زیر لب کہتے ہوئے آیت کی شادی دیکھ کر عش عش کر اٹھے کیا بات ہے شوہر کے دفاع کے لئے لڑتے ہوئے آیت کا اک نیا انداز سامنے آیا، کہاں تو وہ معیز کا نام سننا گوارہ نہیں کرتی تھی اور کہاں ماں کے ساتھ مقابلے پر اتر آئی، اس پر سونے پر سہاگہ گھر واپسی پر معیز کا رویہ بھی آیت کے لئے نرم تھا، صندلین محبت کے ہاتھوں خوار ہونے کے لئے غلط راستے کا انتخاب کر بیٹھی ہے دیکھتے ہیں آگے

چل کر کیا ہوتا ہے، شیر خان اس کو روک پائے گا یا دادی کو اس کے متعلق بتا دے گا اور حمدہ کا اٹھایا قدم اسے کسی مشکل میں نہ ڈال دے، فوزیہ سرور ''اے دل تو ہی بتا'' کا راگ الاپتی نظر آئیں، پہلا حصہ تو کچھ خاص نہیں آیا، دوسرا حصہ پڑھ کر ہی رائے دیں سکوں گی، ندا حسنین کے ناولٹ ''قربت ہجر میں محبت'' انتہائی جاندار تھی جوائنٹ فیملی کے گرد گھومتی کہانی دلچپی سے بھرپور ہے اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے، ''مجھے عشق ہے'' سباس گل کا ناول کا تیسرا حصہ حسب توقع ہی تھا، اینڈ پر سب مل جل کر رہنے لگے، سباس گل پلیز آپ مائنڈ نہ کیجئے گا آپ اس تحریر کو دو حصوں میں مکمل کر دیتی تو یہ زیادہ دلچسپ ہوتا۔

سندس جبیں کا افسانہ ''شادی مبارک'' ہلکے پھلکے موضوع پر لکھا گیا جس کا اینڈ انتہائی چونکانے والا تھا، پسند آیا، ''عشق اسیر'' میں سدرہ کہانی کو سمیٹے ہوئے نظر آئیں، سدرہ کا ناول ان کے مخصوص کلاسیکل انداز میں بہتی ندی کی طرح رواں، حنا بشریٰ کا افسانہ بھی ایسا کچھ خاص نہیں لگا، عشاء بھٹی نے اچھی کوشش کی جبکہ امی اقصیٰ کا افسانہ انتہائی متاثر کن تھا مستقل سلسلے بہترین تھے، کیا قیامت کے یہ نامے میں سب کی رائے بہترین تھی، آپی پلیز آپ مدیحہ تبسم اور فوزیہ غزل کو بھی کہیں ڈھونڈ کر لائیں وہ کدھر غائب ہیں۔

اگر آپ نے اس ماہ جگہ دی حنا میں تو انشاء اللہ آئندہ بھی شرکت کروں گی۔

ارم زبیر خوش آمدید، اکتوبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

ثمینہ کاشان: کی ای میل سرگودھا سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

اکتوبر کا شمارہ بہترین سرورق کے ساتھ ملا، اس ماہ حنا کی سبھی تحریریں بہترین تھی اگر بات کی جائے ام مریم کے ناول کی تو وہ ہمیشہ کی طرح متاثر کن انداز میں کرداروں سے انصاف کر رہی ہیں، جبکہ سدرہ جی کی تحریروں میں صوفیانہ پچ نمایاں ہوتا ہے وہ محبت کا ذکر بھی کرتی ہیں تو کسی مقدس واقع کی طرف بڑھ کر دل بے اختیار سرشار ہو جاتا ہے، ان کے ناول کا سب سے اچھا کردار پربھات کا ہے، فوزیہ سرور کا ناول ''اے دل تو ہی بتا'' ان کی بقیہ تحریروں جیسا ہی تھا ہاں باقی آئندہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اتنا لمبا کیوں انہوں نے اس تحریر کو کھینچا، ندا حسنین حنا کے لئے ایک بہترین مصنفہ ثابت ہوں گی آگے چل کر ماشاء اللہ ان کے لکھنے میں کافی پختگی ہے، سندس جبیں اتنے عرصے کے بعد آئیں اور اتنی مختصر تحریر کے ساتھ سندس ہمیں آپ کے مخصوص انداز میں محبتوں اور چاہتوں سے بھرپور تحریر کا شدت سے انتظار ہے، پلیز زیادہ انتظار نہ کروائیے گا، بشریٰ سیال کی کوشش مناسب ہی تھی، افسانے بھی پسند آئے، مستقل سلسلے بھی بہترین تھے۔

ثمینہ کاشان خوش آمدید اکتوبر کے شمارے کے لئے آپ کی رائے کا شکریہ اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

☆☆☆